

حضرت صوفی مزیری
کے
نثری کارنامے

ڈاکٹر محمد طیب ابدالی

حضرت صوفی منیری

۷

نثری کارنامے

محمد طیب ابدالی

لکچر شعبہ اردو (پوسٹ گریجویٹ)
مگدھ یونیورسٹی، بودھ گیا

جُمْلہ حُقُوقِ بَحَقِّ مُصَنَّفِ مَحْفُوظ

تعداد اشاعت :	ایک ہزار
سن اشاعت :	دسمبر ۱۹۷۷ء
خوش نویس :	دقار صدیقی، کلیم الدین،

ناشر :	کتاب منزل - سبزی باغ، پٹنہ ۲۴
مطبع :	اسرار کریمی پریس الہ آباد
قیمت :	

چلنے کے پتے :-

۱۔ شعبہ اردو - مگدھ یونیورسٹی - بھوپال

۲۔ کتاب منزل - سبزی باغ - پٹنہ ۲۴

۳۔ مکتبہ صوفیاء - خانقاہ اسلام پور - ضلع (نالندہ)

۴۔ ڈاکٹر خالد صدیقی - پی۔ ۶ - سہروردی ادنیو پارک سکرس - کلکتہ ۷۱

انتساب

ڈاکٹر سید اختر احمد اور پی مرم
صدر شعبہ اردو۔ پٹنہ یونیورسٹی۔ پٹنہ

اور

پروفیسر سید احتشام حسین مرم
صدر شعبہ اردو۔ الہ آباد یونیورسٹی۔ الہ آباد

کے نام

علم رابر تن زنی مارے بود

علم رابر دل زنی یارے بود
(روزگارا)

فہرست

نمبر صفحہ	مضامین	نمبر صفحہ	مضامین
۳۷	خرقہ خلافت	۵	مرتب
۳۸	عام مشاغل	۶	جناب کلیم الدین احمد
۳۸	ادھان و کمالات		حضرت صوفی منیری کے شری کارنامے
۳۹	خلفاء	ط	ڈاکٹر محمد میر صدیقی
۳۹	اشعار	ل	مرتب
۴۰	شخصیت و انفرادیت		گزارش
۴۱	غالب اور صوفی منیری		عصر صوفی منیری
۴۵	اصلاح غالب - قصیدہ کے اشعار	۱	سیاسی پس منظر
۴۶	شعوی مرآت حقیقت (لواد احمد)	۹	سماجی، تمدنی، تہذیبی پس منظر
۴۷	شعوی کشش عشق	۱۶	ادبی پس منظر
۴۹	شعوی روش عشق	۱۸	بہار کا ادبی ماحول
۵۱	تصنیفات		حالات صوفی منیری
۵۲	تلاذہ صوفی منیری		منیر شریف
۵۲	مشرقی منیری	۲۵	خاندان
۵۴	عطا بہاری	۳۱	نسب نامہ پدری
۵۵	عرفان اسلام پوری	۳۳	نسب نامہ مادری
۵۸	عامر اسلام پوری	۳۴	پیدائش، تعلیم و تربیت
۵۸	اسد منیری	۲۵	شادی و خانہ آبادی
۵۸	وفات، مزار، عرس	۳۶	اولاد و انشلاق
		۳۶	

تصنیفات صوتی منیری

شعری کشش عشق

شعری لہو و الحمد

عروۃ الوثقی منظوم

نمونہ قیامت

ارمغان

قصیدہ در مدح مرزا غالب

نتیجہ بالخیر

خطبہ عید الفطر و عید الاضحی

راحت روح

وسیلہ شرف

ذریعہ دولت

خط راست

العروۃ الوثقی

مصطلحات المتصونین

ماخذ و فرق نسخ

راحت روح

وسیلہ شرف و ذریعہ دولت

خط راست

عروۃ الوثقی

اردو ادب میں تصوف کی ردائیں

اردو نثر کا ارتقا اور اسکی ردائیں اور اسلوب

اردو نثر میں قصہ نگاری کا فن

رمزی اور ایمانی تصوف کی رزائیت

ادب میں رمزیت اور

راحت روح کی رمزی جمشیت

تلخیص راحت روح

تلخیص سہرس

موازنہ راحت روح و سہرس

تلخیص گلزار سرور

موازنہ گلزار سرور و راحت روح

گودار نگاری اور راحت روح

واقعہ طرازی اور راحت روح

فضا آفرینی و راحت روح

اسلوب بیان

پلاٹ سازی

صوتی منیری کے دوسرے نثری کارنامے

ادراں کا اسلوب بیان

وسیلہ شرف و ذریعہ دولت

خط راست

عروۃ الوثقی

مصطلحات المتصونین

عریفہ تلمذ بنام غالب دہلوی

حاصل کلام صوتی کا مقام

شجرات طیبات

کتابیات

محمد طیب ابدالی

عرض حقیقت

”حضرت صفوی میری کے نثری کارنامے“ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کا مقالہ ہے جو اپریل ۱۹۶۷ء میں ”حضرت صفوی میری حیات اور نثری کارنامے“ کے عنوان سے پٹنہ یونیورسٹی میں پیش کیا گیا۔ اب یہ تحقیقی مقالہ اشاعت پذیر ہو رہا ہے اس لئے عرض حقیقت کے تحت

حضرت صفوی میری صوبہ بہار کی قدیم اور سب سے پہلی خانقاہ میر شریف اور عظیم صفوی خانوادہ کے چشم و چراغ تھے اور علم و فضل کے اعتبار سے لیتے روزگار میان سلسلہ قردوسیہ کی روش پر اس طرح عمل پیرا تھے کہ گناہ پسندی آپ کا شعار رہا شاعر و نثر نگار کی حیثیت سے نہ صرف صوبہ بہار میں بلکہ اردو دنیا میں بھی ایک ایسی عظمت کے حامل ہیں۔ اس لئے دکر میری داستانوں اور تصنیفی و کتب اسلوب بیان کی تادم ہو یا تذکرہ مشائخ اور مصطلحات صوفیہ کا تذکرہ، آپ کے ذکر کے بغیر نامکمل اور ناقص ہیں۔۔۔۔۔ میں نے اپنے تحقیقی مقالہ میں ان تمام حقائق کی نشاندہی کی ہے۔

اس تحقیقی مقالہ کا انتساب استاد مکرم جناب ڈاکٹر سید اختر احمد اور میری مرحوم اور نثری پردیس سرمد احتشام حسین مرحوم کے نام نامی سے کرتے ہیں بڑی مسرت اور قلبی سکون محسوس کر رہا ہوں اس لئے کہ اس مقالہ کی تحقیق و تکمیل میں جس خلوص و محبت سے ان دونوں شخصیتوں نے میری رہنمائی فرمائی ہے۔ وہ ناقابل فراموش ہیں۔ پردیس سرمد احتشام حسین ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی اور ڈاکٹر اختر اور بنوی صاحب اس تحقیقی مقالے کے محقق رہے۔ پردیس سرمد احتشام حسین صاحب جب میرے ۷۱۷۸ کے لئے تشریف لائے تو مجھے تاکید کی اور اپنی تمنا کا اظہار کیا کہ چونکہ میری خواہش ہے کہ اس تصنیف کو چھپنا چاہیے اس لئے میں نے بالاستیعاب لفظ لفظ اسے پڑھا ہے اور بظاہر جو خامیاں نظر آئیں اس کی نشاندہی کر دی۔ ازراہ عنایت یہ بھی ارشاد فرمایا کہ طباعت کے قبل ایک ہفتہ کے لئے ارد آباد چلے آنا۔ میں پھر اس پر ایک نظر ڈالوں گا اور ڈاکٹر اختر اور بنوی صاحب نے بھی فرمایا کہ آپ بھی اس پر نظر ثانی کریں تاکہ مزید دقیق اور جامع ہو۔ مجھے یہ بھی ہدایت کی کہ میں جلد ہی اس تحقیقی مقالہ کو طبع کرادوں۔ تاکہ حضرت والد سید شاہ محمد ایوب ابدالی علیہ الرحمۃ کی روح مقدس کو مسرت و سکون حاصل ہو۔ ذہن میں یہ بات تو رہی لیکن تفکرات کا باجماع افراتض کی کثرت اور وسائل زندگی محدود و غریب اسی کشمکش میں الجھ کر رہ گیا۔ جناب پردیس سرمد احتشام حسین صاحب اور جناب ڈاکٹر اختر احمد اور بنوی صاحب داغ مفارقت دے گئے۔ علمی و ادبی دنیا کا لاتلانی نقصان ہوا۔ ان دونوں شخصیتوں کی باتیں یاد آئیں اور یہ احساس ہوا کہ جس عرصہ بھی جو ان دونوں کی تمنا اور خواہش جلد سے جلد پوری کی جائے تاکہ ان کی روح

کی مسرت کا ایک یہ بھی سبب ہو۔ لیکن بار بار یہ سوال ذہن کے پردے پر گھومتے رہے کہ اب اس پر نظر ثانی کون کرے؟ بہت سے اہل علم ذہن میں آئے لیکن ان کی خدمت میں باریابی میرے لئے مشکل تھی۔ حسن اتفاق سے طباعت کے سلسلے میں جب میں الہ آباد آیا تو ڈاکٹر گیان چند جین صاحب صدر شعبہ اردو الہ آباد یونیورسٹی کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض مدعا کیا۔ وہ امداد ہو گئے اور تحقیقی مقالہ کے ابواب اردو نثر میں شعبہ نگاری کا فن، رمزی اور ایمانی قصوں کی روایت، ادب میں رمزیت اور راحت روح کی رمزی حیثیت، پر نظر ثانی کی اور اس میں گرائف اٹھانے کے ذریعے تہہ دل سے پرنسپل موصوف کا شکر گزار ہوں اور اس کی بڑی مسرت ہے کہ پرنسپل سید احتشام حسین صاحب مرحوم کے وعدہ کو پورا کیا اور ان کی نیابت کی۔ محترمی جناب ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی صاحب مرحوم سابق صدر شعبہ عربی و فارسی کلکتہ یونیورسٹی کا بھی ممنون کہم ہوں کہ آپ نے اس تحقیقی مقالہ کا بالائستغناء مطالعہ کیا اور اس پر اپنے خیالات کا اظہار کیا جو اس تصنیف کی زینت ہے۔ انسوس ہے کہ ان کی زندگی نے وقار کی اور اسے زیور طبع سے آراستہ نہ دیکھ سکے۔ محترمی جناب کلیم الدین احمد صاحب، مشہور و عظیم ناقد کی بھی مجھ پر عنایت شفقت احسان ہے کہ باوجود شدید مصروفیت کے میرے اس تحقیق کا مطالعہ کیا اور اس پر پیش لفظ لکھ کر اپنے گرائف خیالات کا اظہار کیا میں تہہ دل سے ان کا شکر گزار ہوں۔ محرمی جناب ڈاکٹر سید محمد حسین صاحب صدر شعبہ اردو مگدھ یونیورسٹی کا بھی کہم ہے کہ ہر قدم پر میری ہمت افزائی اور رہنمائی کی ہے۔ یہ میری خوش ختی ہے کہ اس تحقیقی مقالہ کی تحقیق و تکمیل میں میرے والد حضرت سید شاہ محمد الیوب بدالی علیہ الرحمۃ بھی شامل ہیں جن کی رہبری و رہنمائی نے مجھے اس لائق بنایا۔ حضرت موصوف نے نہ صرف حالات، شخصیت اور تصانیف صوتی میری پرورش دہنی والی بلکہ تصنیف اور رمزی داستانوں کے سلسلے میں میری رہنمائی کی اور ہر قدم پر مجھے ہمارا دیا۔ افسوس ہے کہ پی۔ ایچ۔ ڈی کے نتیجے کے قبل ہی اکتوبر ۱۹۶۱ء میں واصل حق ہو گئے لیکن تحقیقی لگن اور شفقت کا جذبہ حضرت ہی کی دین ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ نے جو تعلیم و تربیت دی ہے، ادبی اور علمی دنیا میں اسکے اظہار کا موقع ملے۔ میرا یہی عمل ان کی مسرت کا سامان ہو گا۔ میں اپنے ان تمام بزرگوں اور عزیزوں کا شکر یہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس تحقیقی مقالہ کی تکمیل میں میرا تعاون کیا۔ مگدھ یونیورسٹی کے ان اراکین کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جن کے تعاون سے مجھے اس تحقیقی مقالہ کی طباعت کے لئے جزوی مالی امداد ملی۔

طباعت کے سلسلے میں اپنے کرم فرما محترمی حضرت سید شاہ عزیز احمد صاحب مظلہ سجادہ نشین خانقاہ حلیمہ الاولیاء الہ آباد کا اور آپ کے ولیعہد عزیز سید شاہ نسیم احمد گوہر کا بھی شکر گزار ہوں کہ انھوں نے میری ہمت افزائی کی اور تعاون بھی۔ محبت و قارہ صدیقی کا بھی شکر گزار ہوں کہ انھوں نے ہر ممکن معاونت کی۔ آخر میں تمام اہل علم و ادب سے میری استدعا ہے کہ میری خامیوں کی نشاندہی کریں اور میری کم مائیگی کا لحاظ کرتے ہوئے مجھے معاف کریں۔ اسی لئے میں نے اس تحقیقی مقالہ کو من و عن طبع کرایا ہے۔ اس میں ترمیم و اضافے نہیں کئے تاکہ دوسرا ایڈیشن میں اسکا اضافہ ہو سکے۔

پیش لفظ

کلیم الدین احمد

”حضرت صوفی میری کے نثری کارنامے“ طیب ابدالی صاحب کا تحقیقی مقالہ ہے جس پر انھیں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری پٹنہ یونیورسٹی سے ملی اور اب یہ مقالہ اشاعت پذیر ہو رہا ہے۔ صوفی میری صرف، میر شریف کے صوفی خاندان کے ایک ممتاز فرد ہی نہیں بلکہ علمی اور ادبی اعتبار سے بھی ممتاز ہیں۔ فارسی اور اردو کی متعدد کتابوں کے مصنف ہیں اور غالب سے شرت تلمذ بھی حاصل ہے۔

طیب ابدالی صاحب نے اس مقالے میں محنت و کاوش سے حالات صوفی میری پر سیدھا روشنی ڈالی ہے۔ وطن، خاندان، تصانیف، شخصیت اور انفرادیت پر تفصیلی بحث کی ہے اور غالب نے صوفی میری کے اشعار پر جو اصلاحیں دی ہیں۔ ان کی وضاحت کی ہے اور ان کو من و عن پیش کر دیا ہے تاکہ غالب کی ناقدانہ بصیرت کا اندازہ ہو سکے۔ اردو ادب میں سب سے مصنف ملا وجہی، انگلہ آرمزورڈ مصنفہ رحیب علی بیگ سرور، اور راحت روح مصنفہ صوفی میری رمزی داستانیں ہیں۔ ان تمام تصانیف کی تلخیص پیش کی گئی ہے اور دوسری رمزی داستانوں کا راحت روح سے مقابلہ نمونہ پیش کیا گیا۔ راحت روح کو منفی اور سبج عبارت میں لکھنے کے دجوات کیا ہیں اس پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور اس ضمن میں باغ و بہار، نسانہ عجائب، سرش سخن اور ظلم حیرت کا بھی تذکرہ کیا ہے اور دبستان دلی اور دبستان لکھنؤ کی چٹاک پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

چونکہ راحت روح مرکزی موضوع ہے اور اس مقالہ کا اصل مقصد ہے اس لیے راحت روح کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے اور اس کی کردار نگاری، نفساً قرینی، واقعہ طرازی، پلاٹ سازی اور اسلوب بیان پر مفصل تنقیدی روشنی ڈالی گئی ہے۔

اردو ادب میں تصوف کی روایتیں ایک اہم موضوع ہے۔ شعری اور نثری اصالیب میں صوفیانہ خیالات اور مصطلحات کثرت سے ملتے ہیں۔ جن حضرات کو اس موضوع سے شغف ہے ان کے لیے اس کتاب میں کافی دلچسپی کا سامان موجود ہے۔

حضرت صوفی منیری

کے

نثری کارنامے

از

عالی جناب ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی مرحوم

سابق سرسوداؤش پروفیسر آف اسلامی ٹیچر و عربی
کلمنتہ یونیورسٹی۔ کولکتہ

حضرت صوفی منیری کے نثری کارنامے ایک فاضلانہ تحقیقی مقالہ ہے جس میں ڈاکٹر محمد طیب ابدالی صاحب نے ایک عالم
علوم اسلامیہ، واقف اسرار شریعت و رموز طریقت و معرفت صوفی صافی، مبارز میدان دین مجاہدہ و مالک ممالک کشف کی
حیات طیبہ اور تصانیف و تصانیف مفیدہ اور ان کے مالک و مالک سے غایت کد و کاوش، تلاش و جستجو، اور تحقیق و تعقیب کے ساتھ
عالمانہ اور ناقدانہ بحث کی ہے۔ دوران کے متعلق بہتر سے ایسے مفید معلومات جمع کئے ہیں جو اب تک معرضِ خطا میں تھے۔
اس مقالہ کی تدوین و تحریر کے لئے ڈاکٹر ابدالی صاحب علمی دنیا کی تبریک و تہنیت کے مستحق ہیں۔

ابو محمد جلیل الدین حسین معروف بہ سید شاہ فرزند علی صوفی (۱۲۵۳ھ - ۱۸۳۸ء تا ۱۳۱۸ھ - ۱۹۰۰ء) ان برگزیدہ
ہستیوں میں سے ہیں جن پر صرف صوبہ بہار ہی کو نہیں بلکہ سارے ہندوستان کو ہمیشہ فخر رہے گا۔ ان کی ولادت باسعادت جنوری
۱۸۳۹ء میں قصبہ منیر شریف میں ہوئی جو محمود غزنوی کے زمانہ سے ارباب تصوف اور صاحب کشف کا گہوارہ رہا ہے۔ آپ کے
والدین رحمہما اللہ تعالیٰ کا سلسلہ نسب معروف و مشہور ائمہ کے ذریعہ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تک پہنچتا ہے۔ آپ نے
بچپن میں خطاطی کی مشق کی جو آپ کی مخطوطات کے حسن خط سے نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ عربی، فارسی اور اردو السنہ
اور علوم اسلامیہ کی تعلیم کی تکمیل ان علوم کے ماہرین سے کی جیسا کہ شاعری میں آپ کے غائبیوں کے تلمذ کے اشتیاق سے ظاہر
ہوتا ہے۔ اس کے بعد عربی اور فارسی علوم و فنون کی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہے، اور ان میں سے متعدد کتابیں اور رسالے
اپنے ہاتھ سے خوش خط نقل بھی کئے جن میں سے اکثر منیر شریف کے کتب خانہ میں اب بھی موجود ہیں۔ ان کے علاوہ متعدد
کتابیں تصوف کے اسرار و رموز پر مشتمل تصنیف بھی کئے جن میں سے اکثر شائع ہو چکی ہیں۔

آپ کا صوفیانہ دل و دماغ اور آپ کا علمی ذوق و شوق آپ کے اولاد و احفاد میں منتقل ہوتا رہا۔ چنانچہ حضرت سید
شاہ محمد ایوب ابدالی رحمۃ اللہ علیہ بھی جو حضرت صوفی منیر کا رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے اور ڈاکٹر محمد طیب ابدالی کے والد محترم تھے،

فطرانیت طبع و رد کی ہوسے کے ساتھ ساتھ علوم اسلامیہ کے ماہر بھی تھے و مصوفی صافی بھی، عالم شریعت بھی تھے در سبک طریقت و رد قف، سہرا معرفت بھی۔ ان کے زمانے میں ان جیسے جامع کمالات صوری و مصنوعی اگر نایاب نہیں تو کیا ضرور تھے۔

ڈاکٹر سید محمد طیب بدلی نے یہ سب اوصاف حمیدہ اپنے بزرگوں سے وراثت میں پائے اور اپنے والد عبد الرحمن کی صحبت میں مطالعہ و رکت بینی کے شوق سے بھی بہرہ ور ہوئے۔ اس ذوق و شوق کی تعمیل و تکمیل کا سامان ان کے صمدن و رماحوں میں موجود تھا۔ چنانچہ سلام پورا درمیر شریف و ریشمہ کے کتب خانوں میں صوفی منیری کی ساری تصانیف کے علاوہ تصوف و تاریخ کی ساری اہم کتابیں بھی موجود تھیں و سب تک ہیں۔ ڈاکٹر طیب بدلی نے ان سب کتب خانوں سے بھرے ہوئے استفادہ کیا۔ صوفی منیری کی کھل تصانیف ورن کی متعلقہ کتابوں کا غائر مطالعہ کیا۔ صوفی منیری کی بعض اہم کتابوں کے متعلق نسخوں کا باہم مقابلہ کر کے ان کو ترتیب دیا، ورن پر ضروری عالمانہ حواشی لکھ کر اور متعلقہ کتابوں کے ساتھ ان کا موازنہ کر کے ان کی حسن و خوبی کو جان کر کیا۔ صوفی منیری کی تصنیف ”وسیلہ شرف و ذریعہ دولت“ کا متن تیار کرتے میں انھوں نے تین مطبوعہ نسخوں و ریب مخطوطہ کا جو مصنف کے ہاتھ کا لکھا تھا مقابلہ کیا اور اس پر مفید حواشی لکھ کر اس کو تیار کیا۔ صوفی منیری کی ایک دوسری علمی رمزی کتاب ”راحت روح“ ایک مطبوعہ نسخے و ریب مخطوطہ سے مقابلہ کر کے ترتیب دیا۔ ورن پر عالمانہ حواشی لکھ کر اس کو بھی شائع کیا۔

اس طرح ڈاکٹر محمد طیب بدلی صاحب سے صوفی منیری کی تصانیف و تصوف تاریخ کی کتابوں کے غائر مطالعہ و رائے فاضل والد علیہ رحمۃ الی صحبت سے مستفید ہو کر حضرت عتو فی منیری کی جہات اور تصانیف پر ایک مفصل ناقدہ مفاد کی بیعت حاصل کر کے یہ مقالہ تصنیف کیا جو ہمارے پیش نظر ہے۔

اس مفاد میں ڈاکٹر محمد طیب بدلی نے صوفی منیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زمانہ کے سیاسی، اقتصادی اور سماجی حالات سے ناقدانہ بحث کی تمدنی تبدیلی و رادہ پی پس منظر پر غائر نظر ڈالی ہے، ورنہ ہستان دہلی، لکھنؤ اور عظیم آباد کی تاریخی تفصیل سے بیان کی ہے، تہمت موصوف کے فائدہ، حالات زندگی و شخصیت و رانفردیت کو جان کر کیا ہے، اور آپ کی تصانیف پر عالمانہ استفادہ کیا ہے حضرت عتو فی منیری کی عتاب کے ساتھ عقیدت و رغالبا کی ان کے کلام پر صلاح اور اس کی صحیح و رنجسین کو محققانہ طور پر بیان کیا ہے و موصوف کی بعض تصانیف کا سبب موضوع پر دوسری کتابوں سے فضلہ موازنہ بھی کیا ہے۔

چنانچہ ”راحت روح“ کا بلکہ سب بھر و گرس کے ساتھ معمولی طور پر مقابلہ کرنے کے بعد اس کا ملا دہی کی سبب اس میں ورن جب علی سہ قدر کی کلزار سردار کے ساتھ عالمانہ تفصیلی موازنہ کیا ہے۔ اس مقصد سے ان دونوں

کتبوں کا خلاصہ بھی بیان کیا ہے، اور اس سلسلہ میں مرثیہ، ایماثیت اور صوبہ جوں وغیرہ جیسے صوبہ مثنوی سے تفصیلی بحث کی ہے۔

ڈاکٹر محمد طیب ابدلی نے بنی سنی مابین تصنیف میں تدریج سے تمام ادب کی تاریخ کے متعلق اپنی وسعت نظر و نقادانہ قابیلیت کا پورا ثبوت دیا ہے، اور جگہ جگہ اس بحث کی ضروری تفصیل بھی بیان کی ہے۔ چنانچہ رد و ادب میں تصوف کے عربی، فارسی، سنسکرت، ہندی اور انگریزی، حتیٰ کہ صرف مثنوی پر نہیں کیا ہے بلکہ بعض تفصیل بھی بیان کی ہے۔ چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں کہ: "بیت پنجابی، صوفیہ مثنوی، دت وغیرہ یک طرفہ اور حکایات لقمان و بہت سے صوفیانہ اور خدائی قصے، دوسری جانب، خصوصاً شکر راز و سبائرس، راحت روح وغیرہ خدائی و روحانی معارف سے بھری ہوئی ہیں۔ مثنوی دہ کے غلام ذہن میں بھی صوفیانہ معارف ملتے ہیں، پسترد و بیگ کی شاعری میں وہ زمین کی بانی و تیشی پسترس پر دوسریں میں صوفیانہ خبرت کثرت سے پائے جاتے ہیں۔"

اسلوب بیان کے متعلق لکھتے ہیں:-

"میں اسلوب بیان کے متعلق یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ باغ و بہار کی زبان کا مفہم اور بوجہ یہ ہے کہ اس میں دلی کی زبان کی خوبی بیان کی گئی ہے۔ سرور نے اس کا جواب فہم و فہم میں دیا ہے۔ ان کو کھنڈ کی زبان پر فخر ہے اور سے دلی پر فوقیت دیتے ہیں۔ تصنیع اور تکلف و رعایت بطنی کا اس میں خاص خیال رکھا گیا ہے۔ فخر دین حسین دہوی نے دوسری سخن مثنوی لکھ کر سرور کے اس دعوے کو منقطع ثابت کیا ہے اور دلی کی فضیلت ثابت کی ہے۔ سرور کے شاگرد جعفر علی خاں شیون نے "ظلم حیرت" میں سخن دہوی کے اس دعوے کی تردید کی ہے، فہم و فہم کے اسلوب بیان کی تعریف کی ہے، اور سخن دہوی کی بدعت بھی کی ہے، چونکہ مثنوی اور سخن دونوں غالب کے شاگرد تھے، اور دونوں ہی کی نظر میں دلی کی ہمت تھی صوفی چوکھوئی یا صوفیہ تھے، اس لئے انھوں نے دہ کے پیرایہ میں رجب علی بیگ سرور کے اسلوب اور طرز بیان کا جواب راحت روح کے اسلوب کے پس پردہ دیا ہے اور اس میں کامیاب بھی ہوئے ہیں۔"

"ڈاکٹر محمد طیب ابدلی، بنی مابین تصنیف کے ہر حصے میں یک سے وسیع نظر ادب نظر کرتے ہیں جو ادب کے فاضل نقاد بھی ہیں۔"

محمد زبیر صدیقی

پی۔ ۶۔ سہروردی ادیبو

پارکس سرکس کلکتہ

۲۰ ستمبر ۱۹۷۱ء

گزارش

ہمارے ادبی دنیا میں حضرت صفوی میرٹھی عساج نمارت ہمیں ہندو پاک کے تقریباً تمام معیاری رسائل میں صفوی میرٹھی پر تحقیقی معائنات شائع ہو چکے ہیں خاصیت پر بھی جتنی کتابیں طبع ہوئی ہیں اس میں صفوی کا تذکرہ موجود ہے۔ ڈاکٹر خالد رشید قبائلی صفوی کی اردو شاعری پر اپنی تحقیقی مقالہ پیش کر کے غائبیات میں اضافہ کیا ہے۔ ان کی کشتوں کے بارہویہ تک آپ کے حالات پر خاطر خود رد مئی میں لکھی گئی تھی۔ ہائیں اب کے نثری کا زمانے کو جو کے مستحق تھے ہیں نے پہلی مرتبہ صفوی میرٹھی کے اردو نثری کا زمانے کو اپنے تحقیقی کام کا موضوع بنایا اور غرضت کے بعد اسے تمام ہرات کی سعی کی ہے اور ان پر تفصیلاً تا اندازہ نظر ڈالی ہے۔

نہ سب کے سب میں صفوی میرٹھی پر سہ طرہ روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ یہ نظر میں سیاسی اقتصادی، سماجی اور تہذیبی حالات کے علاوہ ادبی حالات کا بھی جائزہ لگایا ہے۔ صورت ہمارے ماحول پر زیادہ توجہ دی گئی ہے۔ اس عہد کے تحریکات اور دہانوں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور صفوی میرٹھی کا تنقیدی اور تحقیقی تجزیہ کیا گیا ہے تاکہ صفوی میرٹھی کے ماحول و ذہنی رجحانات پر روشنی پڑ سکے۔ حالات صفوی میرٹھی کے عہد میں بھی معتد بہ اضافہ کیا گیا ہے اور ان گوشوں کو اجاگر کیا گیا ہے جو پردہ گنہامی ہیں تھے اور جوہر کے مستحق تھے۔ ان کی مستند تحقیق ان کے غاند ان میں ان کے باتوں سے ہوئی اور ان سے بھی ہوئی جنہوں نے حضرت صفوی میرٹھی کی خدمت میں اپنے بچپن کا زمانہ گزارا ہے اور انہیں آپ کے حالات مستند طور پر معلوم تھے۔ حضرت صفوی میرٹھی با صفا اور اپنے خاندانی روایات کے روشن چراغ تھے۔ میرٹھی آپ کا دھن ماحول ہے اور ریخی اجمیت کا حامل ہے۔ میں نے اس کا جائزہ دیوی تحقیقی کاوش سے لیا ہے اور اس پر تحقیقی تقاضوں کے پیش نظر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ آپ کے شاگردوں کے باب میں بھی معلومات کا اضافہ کیا گیا ہے اور ان کے شعری و نثری نمونے بھی پیش کئے گئے ہیں۔ حضرت صفوی میرٹھی کی زندگی کے مفصل حالات ان کا نسب نامہ، ان کی اوراد کا ذکر اور ان کے شاگردوں کے احوال پر مفصل تبصرہ کیا گیا ہے۔ میں نے صفوی کے غاند ان ان کے اخلاق، ان کے مرید و متوسلین اور شاگرد و رفقاء اسلامپوری سے سب مواد کو فراہم کر کے پہلی مرتبہ ان امور پر تحقیقی روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

تصنیفات صفوی میرٹھی کے ضمن میں مجھے عرض کرنا ہے کہ صفوی میرٹھی کے نثری کا زمانوں کو صحت کے ساتھ پیش کرنے کی سعی کی ہے۔ چونکہ مصنف کے تمام نثری تصانیف کو صحیح متن کے ساتھ پیش کرنا تھا اس لئے میں نے اس کا خاص خیال رکھا ہے کہ مطبوعہ اور قلمی نسخے جو دستیاب ہو سکے ان سب کو سامنے رکھ کر ایک صحیح خاکہ تیار کیا جائے جو موجودہ اصول تحقیق کے مطابق بھی ہو اور صحیح ترین بھی۔ اس سلسلے میں تمام مطبوعہ اور غیر مطبوعہ نسخے سے استفادہ کیا ہے۔

میں نے وسیلہ شرف و ذریعہ دولت کو بزرگانِ سلسلہ فردوس سب کا تذکرہ ہے۔ ترتیب دے کر طبع کرنا ہے۔ اسے حاشیہ سے بھی مزین کیا ہے۔ اس تصنیف کے متعلق مجھے کچھ عرض کرنا ہے کہ اس میں بھی میں نے ملا کی دی روش برقرار رکھی ہے جو اس زمانے کے تسلی نسخوں میں پائی جاتی ہے۔ مثلاً اس کی جگہ "اوس" ان کی جگہ "اون" پاؤں کی جگہ "پانو" وغیرہ تھے۔ دی بیہوش بھی تمام رکے گئے تاکہ اصل میں کسی قسم کی تحریف کا اندام مرتب پر نہ آئے۔ جدید اصول تحقیق کا تقاضا یہ ہے کہ جو تمام مقامات، کتب اور تسمیحات متن میں آئیں ان کے متعلق مختصر مگر ضروری اور جامع معلومات فراہم کئے جائیں اس کو ہر مقام پر مد نظر رکھا گیا ہے۔ اس سلسلے میں دو طرح کی مشکلیں خاص طور پر پیش آئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ بعض ناموں کے متعلق ہمارے پاس معلومات کا ذخیرہ ہے جس میں سے کاتچھٹ کر صحت اتنا ہی لینا مناسب تھا جو در سبب شرف کے من لوہے کے بغیر ضروری نہ ہو۔ دوسری دشواری اس سے بھی بڑی تھی اور وہ یہ کہ بعض حضرات کے متعلق معلومات بہت کم تھیں۔ اور ان کی تلاش جستجو میں بہت سے کتب خانوں کی خاک چھنی پڑی اور ہزار ہا ورق پڑھ جانے کے بعد بھی تشنگی باقی رہی۔ یہی صورت میں جس حد تک معلومات کی کمی جاسکیں وہ فراہم کر دی گئیں۔

راحتِ روح بھی صفوی منیری کی گزوں قدر تصنیف ہے یہ اردو نثر میں ایک رمز و اندیشہ کی داستان ہے۔ اسے بھی میں نے ترتیب دے کر حاشیہ سے مزین کیا ہے اور زیور طبع سے آراستہ بھی۔ اس تصنیف کے متعلق مزید عرض کرنا ہے کہ اس کے متن کی پیروی میں دو تسلی نسخے اور ایک مطبوعہ نسخہ سے مدد ہے اور انیسویں نسخے کی روشنی میں صحیح ترین متن ترتیب دینے کی کوشش کی ہے۔ چونکہ اس کی ترتیب میں میں نے مصنف کے دستِ خاص کے تسلی نسخہ کو اپنا ماخذ بن لیا ہے اس لئے متن میں مصنف نے جو عبارتیں تلمذ کی تھیں انھیں بھی حاشیہ میں اسی طرح تحریر کر دیا ہے تاکہ اس کی روشنی میں بھی کچھ معلومات منظر عام پر آسکیں۔ اس کے متن میں فراں مہدی کی تین احادیث و اقوال عرب کے ترجمے اور اسناد، حاشیہ میں پیش کئے گئے ہیں۔ راحتِ روح میں فارسی اشعار کی فراوانی ہے۔ اس کے ترجمے اور تراجم بھی حاشیہ میں تحریر کر دیئے گئے ہیں۔ متن میں تلمیحات، مصطلحات، صوفیہ اور بعض نادرا اشارے جا بجا آئے ہیں ان کی وضاحت بھی حاشیہ میں کر دی گئی ہے۔ نسب نامہ، انسانی اور صوفیانہ اشارے متن میں ملتے ہیں اس کی بھی تشریح کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ ان کوششوں سے صرف حاشیہ وسیع ہی نہیں ہو بلکہ اس میں ناقابلِ فراموش احادیث بھی ہو گیا ہے اور تحقیق کے طائر کے لئے نئی راہیں پیدا کی گئی ہیں۔

اردو نثر کے ارتقا اور اس کی مختلف روایتوں پر میں نے اجمالی طور پر روشنی ڈالی ہے اور دبستانِ عظیم آباد کا بھی جائزہ لیا ہے۔ رمزی و ایمانی قصوں کی روایت میں مجھے بڑی بڑی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ میں نے اسے مختلف کتابوں اور رسالوں سے بھی جمع کرنے کی کوشش کی لیکن چونکہ اس پر ابھی تک کوئی کام نہیں ہوا ہے اس لئے معلومات فراہم کرنے میں بڑی دشواری دیکھی ہوئی پھر بھی میں نے اس باب میں بھی اضافے کئے اور اس کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ اردو ادب میں تصوف کی روایتوں کو بھی کبھی کرنے کی کوشش کی ہے۔ راحتِ روح کی قدر و قیمت متعین کرنے کے لئے صوفیانہ رمزی و ایمانی رجحانات پر روشنی ڈالنا لازمی

اسرہا ہونکہ "سیرس" اور گھر آسردہ دونوں ابتدائی اور نمیشی داشتہ نہیں ہیں اس لئے ان کا خلاصہ پیش کرتے بعد راحت روح سے
موزنہ کیا گیا تاکہ رحمت روح کی اپنی جہت اب گور رحمت روح کی کردار نگاری، واقعہ طریقی، نص بند، انطباقیاتی
اور پلاٹ سازی کا بھی تنقیدی جائزہ لیا جا سکے تاکہ اس کے منہ پر کیسی پر اچھی طرح روشنی پڑ سکے۔ اپنی تحقیق کے سلسلے میں مجھے کتنی
مشرفیہ ذرا بخش خاں پٹنہ، کتنی خاندانہ شہید یہ جو پور، ایشیا ٹیک سوسائٹی کلکتہ، نیشنل لائبریری کلکتہ، بنارس ہندو یونیورسٹی
لاہوری بندوس، مجدد مگر لائبریری بنارس، پٹنہ یونیورسٹی لائبریری پٹنہ، کتب خانہ بلجیہ فرد سید فخر پٹنہ، کتب خانہ خاندانہ
مشریف پٹنہ، کتب خانہ زہرا بی رحیم پور شریف، کتب خانہ قادریہ اسلام پور پٹنہ اور اس کے علاوہ اپنے خاندانی ذاتی کتب خانہ
کے کباب اور تادیر مخطوطات سے کافی مدد ملی ہے۔

اس سہار کی ترتیب میں استاد محترم جناب ڈاکٹر سید احسان الدین صاحب مدظلہ صدر شعبہ اردو پٹنہ یونیورسٹی نے نہ
صرف میری رہنمائی فرمائی ہے بلکہ موزا کٹھا کرنے میں مجھے مختلف کتب خانوں کا ہوتا یا اور بعض علمی شخصیتوں کی خدمت میں کتبیا
اور ہر قدم پر بڑی شفقتوں سے میری مدد و رحمت افزائی کی ہے۔ نیز راحت روح کے تشبیہ میں آپ نے مدد فرمائی ہے۔ اس کا
شکر یہ میں کن الفاظ میں داکروں۔ مگر جناب پروفیسر حسن عسکری صاحب ڈاکٹر جیسوال ریسرچ انسٹی ٹیوٹ پٹنہ کا بھی مجدد
ممنون ہوں۔ جنہوں نے نہ صرف اپنے گراں بہا مشورے سے نوازا بلکہ، ریختی عارت کی راہ میں میری رہبری کی۔ مگر جناب
پروفیسر شاہ عطاء الرحمن صاحب غلط کا کوئی ڈاکٹر دارہ تحقیقات عربی و فارسی پٹنہ کا بھی شکر گزار ہوں کہ آپ نے بڑے
خلوص کے ساتھ اپنے مفید مشوروں سے میری بہت فزائی اور رہبری کی۔ مگر جناب پروفیسر سید احتشام حسین صاحب
صدر شعبہ اردو اور آباد یونیورسٹی آباد کا بھی شکر یہ داکر نامیر فرض ہے کہ آباد میں قیام کے دوران آپ نے بڑی فراخ دل
سے مسائل کا ہر کد بڑھایا اور تحقیقی مقالہ کے سلسلے میں اپنے مفید مشوروں سے سرفراز کیا۔ انہیں اپنے والد محترم حضرت سید شاہ
محمد بوب الدالی رحمہ اللہ جیلنا کا سر باموں کرم ہوں کہ انہوں نے نہ صرف اپنی پدرانہ شفقت اور پاکیزہ تربیت سے اسی خدمت
کے رائق بنایا بلکہ اس تحقیق کے سلسلے میں میری قدم قدم بہ مدد کی اور مواد فراہم کے لئے متذکرہ محترم اور والد کرم ہی کا فیض ہے
کہ میں اس تحقیقی مقالہ کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

میں نے اردو دنیا میں کچھ معلومات کا اضافہ ضرور کیا ہے اور نئی منزل کی طرف قدم بڑھایا ہے۔ مجھے احساس ہے کہ
میں نے سارا مواد جمع نہیں کیا اور ابھی بہتر سے معلومات فراہم نہ ہو سکی ہیں۔ پھر بھی مجھے اعتماد ہے کہ میری یہ ناچیز کوشش
اردو نثری ادب کی معلومات میں کئی جہتوں سے اضافہ کرتی ہے۔ میں اہل نظر اور قبر سے یہ امید رکھتا ہوں کہ وہ میری
کو تا ہیوں سے چشم پوشی کریں گے۔

محمد طیب بدلی

۲۲ اپریل ۱۹۶۷ء
جیشید پور کو پریو کلج - جیشید پور

عصرِ صوفی مزیں

فکر کسی دیر نے یا تجزیہ سے میں زندگی نہیں بسر کرتا اور نہ وہ کہہ دین سے بہا میں رہتا ہے۔ وہ کسی سار رنگ و بو کیفیت دکھ دوزیت درکت میں بسر کرتا ہے۔ یہیں وہ پیدا ہوتا اور پروردگار عزوجل سے وہ تجربات حاصل کرتا ہے۔ اس کا ذہن دروہا، اس سے حساسات و سماعت، چشمان و زہار، حاذق درخت و شرفی معاشرے میں پرورش پاتے رہتے ہیں۔ اس کے سوا بہت فطرتی دروہا کی تھی سے دامنہ ہوتا ہے۔ گویا ہر کار و دروہا ہستی سے کائنات و فطرت اور معاشرے سے متاثر ہوتا ہے۔ اس تو وہ ت کا دروہا سے اس کی نسبت رائے ادیت سس کی نفسی تماش اور اس کے داخلی اور خارجی تقاضے سب اسی نفس میں دروہا دروہا حاصل کرتے ہیں۔ دروہا بہت یہ سب کہ یہی مخصوص نفسا سامان تحریک پیدا کرتی ہے۔ یہیں سے وہ اپنے فن کے لیے ہو و حاصل کرتا ہے۔ یہ کسی فکر کار کے مطالعے کے سے ضروری ہے کہ اس کے ماحول، قریب و بید کا بنا رہا ہیں۔ اور اس کے دروہا کا تجزیہ کریں۔ کسی فکر کار وہ اس کا اس کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کے ماضی دروہا کی پی سی، سماجی معاشی، مذہبی اور دینی خدمات حاصل کی جائیں۔

فکر کار کی روایات اور ماحول دونوں اہم ہیں۔

مذکورہ بار باتوں کے باوجود یہ حقیقت بھی روشن ہے کہ ادب اور رہائی کا رشتہ بڑا پیچیدہ ہے، یہ سادہ و زیر کا بھی حرکت فکر دروہا کا باہمی تعلق خارجی بھی ہو سکتا ہے دروہا بھی ہو سکتا ہے۔ اس دئے میں تہہ دروہا بھی ہے اور خمیدگی بھی۔ فکر دروہا کائنات اور فطرت کا ٹھکانہ نہیں پڑتا۔ تخلص فن خارجی بھی ہے و حرکات سے سزا و سزا ہوتی ہے، اس کی علی غلیظ دروہا دروہا کی ہندی و تخلصی دروہا کی نفسی ہے۔ اس دروہا کو کچھ رزمی سے قدرت اور دوسرے کے مقابلے میں

نہ کہ کارِ عَمَلِ سَلِجِدہ سَلِجِدہ صَوَرِ مَیں سَلِجِدہ تَنو مَا ہِے اَدَل تو نَیَا نَظَر مُتَکَلِف ہوتے ہِیں۔ دوسرے اِن نَظَرَات کی فِی تَعْرِیص اَد ہِیَا تِیں بَکھی مُتَکَلِف ہوتی ہِیں۔

اِن مَعْرِضَات کے بَیْنِ نَظَر مُتَکَلِف حضرت صَوَفِی مَنیرِ مَی کے ذہنی دَر دَر تِی پس مُنَظَر اَد مَاحول پَیش کر رہا ہوں یہ اِس کی دَر اِن کے بَزرگوں کی رَدایَات دَر رَخت کے مَاحول کے کَوِ مَکَاف کا ایک خَاکِر ہِے
مَنظور ہِے گَزَا شِس اَحْوَالِ دَاقِعی
بَنا بَن حَسنِ طَیِبَت بَہِیں بَکھی

سیاسی پس منظر

یہ حقیقت ہے کہ سیاسی حیثیت سے سلطنت مغلیہ کا عروج تو عہد اورنگ زیبؒ، لگائیے میں ختم ہوا۔ اس کے بعد ان کی جگہ پر چڑھنے والے تھے جو سلطنت مغلیہ کی تخریب اور زوال کے باعث ہوئے۔ یہ ان سبب کی تشریح تفصیل میں نہیں جانا چاہتے جو سلطنت مغلیہ کے استیصال و سقوط کے باعث قرار دیئے گئے ہیں۔ گو بہت سی باتیں متن زعافیہ میں دوران کے متعلق نسبت درستی دہاں پیش کیے جاسکتے ہیں لیکن اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا ہے کہ اورنگ زیبؒ کے نااہل باغیوں اور ان کے بدعنوانی اور خود غرضی مراد کی، بھی کشاکش نے سلطنت مغلیہ کے غلط اور زوال کو قریب تر کر دیا۔ تاہم دوران درازا لیکن سلطنت حکومت کے نظم و نسق کے فرائض کی، بنامردی میں غفلت برت کر اور انتظام سلطنت سے چشم پوشی کر کے عشرت میں زیادہ منہمک ہو گئے۔ تخت سلطنت کے لئے غارت جنگی اور اقتدار کے حصول کے لئے دست کشی تیموری ہزاروں درمغل، برائی اور ہندوستانی امرا میں شروع ہو گئی، دشمنان سلطنت کی بن آئی، اورنگ زیبؒ کی حکمت عملی سے ملک کی کثرت کی جمعیت پہلے ہی سے غیر مطمئن تھی۔ اور ان میں صدیوں سے مستوحہ اور مقبوضہ حکومت کی بازیابی کا احساس پیدا ہونے لگا۔ اس احساس کو مسلمان امرا کی آپس کی کشمکش اور حکمران کی غفلت اور ناعاقبت اندیشی سے بڑھی تقویت پہنچی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ راجپوت اور سکھ شمالی ہندوستان میں اور دکن اور مغربی اور جنوبی حصے کے رہنے والے مرہٹے اپنی قسمت آزمائی پر کمر بستہ ہو گئے۔ ریشہ درانیوں کا دور دورہ تھا، بوڑھو توڑ، ساز باز، اور دشمنوں کی وجہ سے حالات موافق نہ تھے۔ راجپوت تو پس پردہ ہو گئے، البتہ سکھوں نے بہت زور باندھا اور وقتی طور پر بادیسے لگے۔ بالآخر پنجاب کو اپنے قبضے اور اقتدار میں کر لیا۔

یہاں تک کہ رنجیت سنگھ کے عہد میں یہ سکھ پشاور سے آگے افغانی علاقوں اور کشمیر تک قابض ہو گئے، سب سے زیادہ زور سرہٹوں نے پکڑا۔ غزنی کے سکھوں، جوتوں، مرہٹوں، جاٹوں، اور پھر انگریزوں نے خاص طور پر سراٹھایا۔

سرحد و ناٹھ سرکار نے تاریخ احمد شاہی کے حوالے سے اپنی تصنیف میں تحریر کیا ہے کہ "اس زمانے کا تمام فتنہ و فساد برائی اور تورانی امر کے آپس کے جھگڑوں کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ وہ تہذیبوں کو آپس میں اس لیے لڑاتے تھے کہ ان کو من مانی کرنے کا موقع ملے اور ان کی اہمیت تسلیم کی جائے۔ ان سازشوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں ابتری پھیل گئی اور مرکز کو کمزور پا کر صوبے اپنے اپنے علاقوں میں خود مختار بن بیٹھے۔ بنگال میں علی وردی خاں نے اپنی حکومت بنائی، اور وہیں سعادت علی خاں نے اپنی حرمختاری کا علان کر دیا۔ دکن میں نظام الملک نے اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ اس طرح ملک کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور سلطنت مغربیہ کا سیاسی اقتدار ختم ہو گیا۔ اس کا سربراہی یہ ہوا کہ بعض نئی حکومتوں نے بھی سراٹھایا، سکھ پنجاب پر اپنا تسلط قائم کر کے انتشار برپا کر دیا۔ تھے مرہٹوں سے دکن میں دو سرکار قائم ہوئی، دہلی اور اس کے پاس علاقوں میں جاٹوں نے ایسی قیامت برپا کر دی کہ خدا یاد آیا۔ دکن کے غریبوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ہندوستان کی سیاست میں دخل اندازی شروع کر دی۔ غریب خاندان سلطنت کے غریب بن گئے، حاکم ہندوستان میں سیاسی غدار سے بڑی مایوس کن کیفیت پیدا ہو گئی۔ جس کی وجہ سے زندگی کا ہر شعبہ پریشانی سے بھر پور ہوا۔"

اس سلسلے میں راجہ راجندر پراساد نے کہا کہ جنگ آزادی (۱۸۵۷ء تا ۱۸۵۸ء) تک بہت بااقتدار ہو گئے تھے اس سے اپنی سیاست اور دخل اندازی سے ان تمام ہنگاموں کو ختم کیا جسے مرہٹوں، سکھوں، جاٹوں اور خود مسلمان امرا نے برپا کر رکھا تھا۔ ایک صدی کی انفرادیت کے بعد لوگ کسی حد تک مل جل کر ضرور ہوئے لیکن بعد میں یہی انگریز ایک ایسے سیاسی انتشار کا سبب بنے جو تاریخ میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ جب ۱۸۵۷ء میں لاڈلیک کی فوجیں دہلی میں داخل ہوئیں تو اسی وقت مسلمانوں کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور اس ملک کے باشندے غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیئے گئے۔ چونکہ بادشاہ شاہ عالم مرہٹوں، جاٹوں اور دہلیوں کی سرکشوں سے انتشار پریشان ہو چکا تھا کہ اس نے انگریزوں ہی کو اس مصیبت سے چھٹکارا دلانے والا تصور کیا اور ۱۸۵۷ء کو لاڈلیک سے دوبارہ میں ملاقات کی۔

شاہ عالم کے انتقال کے بعد مسلمانوں کی حکومت پر بیٹھا اور ۱۸۵۷ء تک نام کا بادشاہ رہا اس کے زمانے میں ہنگاموں کا سہ باب تو ہو گیا جس نے کر دلی پر انگریزوں کی گرفت سخت ہو چکی تھی مگر دہلیوں میں سازشوں کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔ انگریز

اس کا بغور مطالعہ کر رہے تھے اور موت کی ناک میں تھے۔ اس وقت کی مسلمانوں کے ہاتھ میں اس میں دنس اندازی نہیں کی گئی تھی۔ انکی خواہش کے مطابق تمام امور خیر پائے اور مغل نامزد و حکمرانوں نے اس پر رضامندی کی۔ بعد محمد شاہ نے مدینہ بہادر شاہ ظفر سربراہ کے سلطان ہوئے اور شہزادہ ننگ کم زمر دہلی کے حکمران رہے۔ ان ہی کے زمانہ میں ناکہ پاب بن گیا۔ زردی و قیام پورہ ہونی کے بعد کے نام موسوم کیا جاتا ہے جس کے نتیجے میں ان پر طرز طرح کے منہم زخمی ہو گئے۔ انھیں صلہ و عین کیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی غلوں کی حکومت ہندوستان سے ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔ مختصر یہ کہ مسلمانوں نے ہندوستان پر پابغ سران سے زیادہ حکومت کی اور انگریزوں نے بھی ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں انھیں کے ہاتھوں سے تمام مسطنت کی تھی اس نے ان کا قوم نے مفتوح قوم پر زیادہ سختی کی اور ان کے جان و مال عزت و اکبر و سب پر منسوب اتنی اند پوری قوم حسرت و پشیمانی میں مبتلا ہو گئی اور ان کی گھٹا بھاگ گئی۔

جن حالات سے انگریزوں پر اس کا اثر ہوا اور ان کی توجہ بہادر شاہ علی گڑھ اور دہلی کی طرف متوجہ ہو گئی۔ محمد تاج فقیر کی سرکردگی میں مسلمانوں کے مطابق شہزادہ علی گڑھ سے محمد حیدر علی بن جنتا علی کے بیٹے کی فتوحات بہادر شاہ علی گڑھ میں ہوئے۔ بہادر شاہ علی گڑھ میں بھی دہلی کا سربراہ بن گئے۔ ان کی حکومت کا جزو رہا۔ غلوں کے زمانے میں بہادر شاہ علی گڑھ کی کابینہ میں تھے۔ ان کے بیٹے تھے۔ اور شاہی بہادر کے دونوں حلقوں میں پائے جاتے ہیں۔ ساروں میں تاج پورہ سبھی کا کتبہ جس میں صلوات اللہ علیہ و آلہ و سلم لکھا ہے۔ مدینہ کا نام کیا ہے۔ وہاں کے محسن حسین کی تعمیر کا پتہ دیتا ہے۔ محمود خلیف کے بعد تاجی سلاطین جو پورہ شاہی کے بیٹے تھے۔ پھر یہ بہادر دہلیوں کے زبانی ہوئے اور جنگ لکھنؤ (۱۸۵۷ء) کے بعد بہادر دہلیوں کی حکومت باہر ہوئی۔ تیر شاہ کا عہد بہادر کا دور زریں کہ جاتا ہے۔ تیر شاہ اور اسلام شاہ کے بعد سوریوں کا زوال ہو گیا اور سوریوں نے کراچی کے بیٹے داؤد خان کراچی کے باپ کی قائم کردہ حکومت بنگال و بہار و اڑیسہ کو اپنی مداخلت سے تدریجاً سے کسے کسے کر کے حکومت سے ہاتھوں سے جانے دیا بلکہ انھوں نے ان کے اقتدار کو ان مشرقی صوبہ جات میں ہمیشہ کے لئے ٹھوڑا کیا۔

جس طرح اورنگ زیب کے مرتے ہی مرکز میں بد امنی اور انتشار پیدا ہوا۔ اسی طرح مغلوں میں بھی یہ سلسلہ جاری ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ شاہجہاں آباد کی محاکمات بہادر (مظفر آباد) کو بھی حاصل رہی کہ مظفر آباد پر بھی ایک طاؤر انداز نظر ڈالی جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی۔

اورنگ زیب کے اواخر عہد میں شہزادہ سلیم الشان یعنی اورنگ زیب کے پوتے کو بنگال و بہار و اڑیسہ کی صوبہ داری توغیبن

کے دورات مست ہی میں پٹھانوں اور مہجوروں درمیان کی سرحدیں ^{۱۳۵۲} ششماں نامہ میں مذکور ہیں۔ وہیں در
 زان کرمانی، بہیت جہک کے قتل کی سبیل میں یہ سجدہ جاری رہا۔ سنا کہ دورے ششماں بق ششماں میں اپنے
 نہایت جنگ کے انتقال کے بعد بنال اور چار کا نام سبب بنے، انہیں بہ اور بہت سے سارے اندر سے اپنی
 ناتجربہ کاری اور ابائی دین اور سب سے زیادہ اپنے مانا کے چھٹے رات اور پیر کے بعد سے اثرات کے باعث پورے ملک میں
 بد امنی اور انتشار کی شدت پیدا کر دی۔ گورنر اور سرکاری عیسائی و مسلمان اور پادشاه اور وقت صحیح طور پر ہوتی تو وہ اپنے دور
 کا ایک فرخند اور خوش منہ حکم ہوتا اور اس زمانہ کی بڑھتی ہوئی انگریزی سامراجیت کو ختم کرنے میں سے نمایاں کامیابی
 ہوتی۔ مگر اس کے ناہم اور نااہل مشیر کاروں کی غلط رہبری نے اسے ایسے اقدامات پر مجبور کر دیا جو اس کے ساتھ ساتھ ملک کی
 تباہی کا سبب بنے اور ایک ہی سال کے اندر سراج اور نے اپنی ناقصت ناشی کا اپنی مشیت میں جنگ جزی کی شکل
 میں دیکھ کر اس جنگ میں اس نے بہت جرات و جوش سے کام لے کر رڈ کلاؤ کو متاثر کیا۔ لیکن قسمت نے ساتھ نہیں
 دیا اور میرن کے ہاتھوں قتل ہوا۔ جنگ پڑوسی کی جیت کے بعد گویا انگریز بہار اور بنال پر قابض ہو گئے۔ سراج اور کے بعد
 صرف بہار ہی میں تھیں پورے ہندوستان پر بار بار کی گئی تھیں۔ میر جعفر کی سازش، ملک رتی اسے حکومت بہار کی نشست
 تو ملی لیکن عیاشی، آرام طلبی نے جسے ثبات رکھائے نتیجہ یہ ہوا کہ اس کو اور اس کے زہل ہاں شہینوں کو اور کارکنوں نے
 بہار کی مدت اور مسائل سے اپنی حرص و ہوس کو چھل کر اسے اسودہ کیا۔ ملک میں بد نظمی، بد امنی، بد حال اور بد امنی پیدا ہوئی
 شہزادہ علی گوہر پسر عالمگیر ثانی اور محمد علی خاں دانی اور آبادی نے بہار کی طرف الملوکی کی تہرسن کو تسخیر بنال و بہار کے
 قدم اٹھایا۔ وجہ رام زیدی اس وقت میر جعفر کا کم ہنگامہ کے ماتحت ناظم بہار تھا۔ بہار کی نظامت کی جوس دورانی غرض
 اور جاہ و اقتدار کی حرص کی وجہ سے ضمیر فروش کا ثبوت رہا اور سراج اور کے ماتحت خوں کا نفع عزت سے ملا۔

آخر کار ایک سید زادہ میر جعفر کا داماد معاہدہ ہم در بدر سے متاثر کے نام سے رینہ جانی ہے۔ جس نے بنال و بہار
 کی نظامت کو سن تدبیر سے اپنے نام منتقل کر دیا لیکن بد قسمتی سے وہ چاروں طرف بہار اور اندرونی دشمنوں سے گھرا
 ہوا تھا۔ پھر بھی اپنے چار سالہ عہد نظامت یعنی ^{۱۳۵۲} ششماں (مطابق ^{۱۳۵۲} ششماں) میں بنال و بہار کی تاریخ میں اپنی دشمن
 دوستی، حق پسندی اور حکمت عملی کی مہر ثبت کر دی۔ میر تقی محمد کے تدبیر، اس کے حوصلے اور اس کی جرات دشمنان وطن و قوم
 ملک کی ریشہ دوانیوں اور ضمیر فروش اور اہل حرص و ہوسوں کی سازشوں کے مقابلے میں نا کافی تھے۔ وہ تمام حقائق
 جو سراج اور کے زمانے میں رد حلقوں میں تقسیم ہو گئی تھیں۔ میر تقی محمد کے مقابلے میں متحد ہو گئیں۔ وہی سے بنال ملک میں
 کی سازشوں کا ایک جال بچھ گیا اور میر تقی محمد کو اتنا دمت بھی نہ ملا کہ وہ اپنے عہد کی گہری سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا
 قلع قمع کرنے کے لئے اپنی طاقتوں کو مجتمع کر کے مقابلہ کر سکے۔ آخر بنال و بہار کا مرد سر غربت، کس ہر کی درگت می میں

دنیا سے رخصت ہو گیا۔ شہنشاہ میں میر جعفر کا بھی انتقال ہو گیا۔ اور اسی کے جہول منصب اور نااہل بیٹے میر پھلوری کو کوٹخ لہدر کے نائب سے بنگال و بھارت کی نظامت سپرد کی گئی۔ اور اس کا وظیفہ ۵۴ لاکھ روپے سالانہ مقرر ہوا جس ذہنیت اور مقصد کے تحت میر جعفر سے میرن اور میرن سے پھلوری تک بادشاہیت اور ریاست کا استعمال ہوا وہ دہلی کے آواخر کے دور کی شہنشاہیت کی آواز باز گشت تھی۔ یہ تینوں حکمران اس منصب کے لحاظ سے قطعی ناقابل غفے اور حکومت کا مقصد بحر عیش کوشی، جاہ طلبی، ہوس پرستی کے ان کی آنکھوں میں کچھ نہ تھا۔ ان حکمرانوں کے عہد میں بنگال و بہار میں ظاہری اور باطنی طور پر ہمیشہ دو اینوں اور سازشوں کا جال بچھوٹا اور جیسا کھانگیر کے انتقال کے بعد شاہان دہلی کے دربار کا حال تھا۔ وہی حال کم و بیش بنگال و بہار کا بھی ہو رہا تھا۔ ان اندرونی انتشارات سے انگریز اپنی خواہش کے مطابق تمام نتائج سے دامن بھر رہے تھے اور اس کے نتیجے میں ملک کا معاشی نظام دم دم و بدم ہو رہا تھا۔ شہنشاہ میں لارڈ کلارک نے راجہ شتاب رسل کے تعاون سے بنگال و بہار کی دیوانی محدود سالانہ خراج کے معاوضے پر اپنے نام منتقل کرالی اور اس طرح سرزمین بنگال و بہار پر انگریزی سامراجیت کا سب سے پہلا علم نصب ہوا جو انگریزی ڈپوٹسی، چاہلوسی موقع پرستی کے بعد سے بڑھتے بڑھتے پورے ہندوستان کے سرزد ہر آلے لگا۔ ڈیڑھ سو سال کی محنت اور سیاسی ذہن کے پس پردہ، انگریزوں نے بڑے بڑے کام لیا اور شہنشاہ کی جنگ پر سی میں انہیں خاطر خرم و کامیابی ہوئی گویا یہ انگریزی سامراجیت کے اقتدار کا پہلا محضر نامہ ہوا۔

بکسر کی فتح (۱۷۵۷ء) اور شاہ عام سے باضابطہ حصوں دیوانی کے بعد اقتدار کی تلوار مختلف صورتوں میں اور مختلف نوعیتوں سے ہندی اور بنگالی اور بہاری زندگیوں پر پڑتی پھرتی رہی اور دونوں کے ہاں خانوں میں نفرت و حقارت اور انتقام کی آگ سلگتی رہی اور پھر تیس صدی عیسوی کے نصف سے آخر تک مختلف قسم کے اصلاحات، قوانین اور دستور ہندوستانیوں کو فریب میں مبتلا رکھنے کے لئے دقتاً فوقتاً صادر ہوتے رہے اور نادان اور بھروسے بھالے ہندوستانی اسی مہم اور خیالی مراعات پر خروش نظر آئے۔ اسی اتنا میں مختلف صورتوں میں مختلف مقامات پر دلوں میں پوشیدہ چنگاری کبھی کبھی بھڑک اٹھتی۔ بنارس میں راجہ جیت سنگھ کی بغاوت جن کی حمایت میں بہار کے چند بہادر زمینداروں نے بھی شمشیر انتقام بلند کی جن میں راجہ انبال علی خاں کا نام سب سے پیش پیش ہے۔ انھوں نے انگریزوں کی حراست سے لکھ کر چند ہزار سپاہ فریم کر کے بہار کے مختلف مقامات پر بغاوت کی اور انتقام کی آگ بھڑکا دی۔ اس طرح ۱۷۹۵ء کے قریب جب کہانی نے نواب سعادت علی خاں کو اور دھ کا تخت نشیں نسیم کیا اور تخت کے دوسرے دعویدار وزیر علی کو بنارس میں نظر بند کر دیا تو انھوں نے ہندوستان کے مختلف مقامات میں سازش کا جال بچھا کر انگریزوں سے انتقام لینے کا ارادہ

کیا۔ ان کا ساتھ دینے والوں میں نکاری کے راجہ ترقیت سنگھ پیش پیش رہے۔

ہندوستان کی تحریک آزادی میں دہائی تحریک آزادی کی بہت بڑی اہمیت ہے۔ تقریباً ۱۸۵۷ء سے ۱۸۵۸ء تک دہائی تحریک کی مدت میں اس تحریک نے مختلف شکلیں اختیار کیں۔ اس تحریک کے پس پشت کوئی ذاتی یا جاگیردارانہ غرض وابستہ نہ تھی نہ حکومت و سلطنت کا حصول مقصد تھا بلکہ حریت اسلام اور حریت ہند کا جذبہ کارفرما تھا۔ حضرت سید محمد رفیع کی شہادت کے بعد یکے بعد دیگرے دو بڑے بھائی مولوی رامیت علی اور علی محمد پوری عظیم آبادی نے عمر بھر ہند کی عظیم آباد کے بہت سے افراد نے لٹیکے کہا اور مجاہدانہ شان سے اس تحریک میں شامل ہوئے۔ ان میں سے کچھ کاہلوں نے عام شہادت نوش کی اور اکثر باکود و مجوس ہوئے جس کی سزا میں وہ سب کچھ کھو بیٹھے۔ نقرا بات کی تحقیق تاریخ کا گواہ ہے کہ یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ انقلابات گرجہ ایک خاص وقت میں رونما ہوتے ہیں۔ لیکن یہ رونما ہوا ایک پیچیدہ اور پیچیدہ دور و زمانہ کا نتیجہ ہوتا ہے۔ انقلابات کے بیجا ہونے جاتے ہیں۔ ان کی آبیاری ہوتی ہے۔ ان میں نشوونما کی قوت پیدا ہوتی ہے۔ تب وہ کہیں پھٹتے ہیں اور رگ و بار لاتے ہیں جیسے ۱۸۵۷ء کی فتنہ کا فتنہ معلوم ہوتا ہے۔ مگر اس کی بجائے جنگ پلاسی سے بھی پہلے بوجا چکا تھا اور پورے تیس سال اس کی نشوونما میں لگے۔ حقیقت یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کی فتنہ کی پائسی اس نقشب کے جلد کا یاں ہونے کا سبب بنی۔ راجہ کپتان سنگھ اور خیر رام صاحب کے کوہلی ذات کی بنیاد پر بداندہ کر سکے۔ انگریزوں کو بداندہ کے مطابق روپے روانہ کے لگے جس کے نتیجے میں کمپنی نے خیالی رام کو مجوس کر دیا اور بداندہ کیان سنگھ کو قوت کر دیا۔ انگریزوں کے علاوہ انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس طرح کے قبضے عوام اور خواص سب کی نفرت میں اضافہ کا سبب بنے عوام اور خواص کے دلوں میں دھج کے شکوک پیدا ہوئے۔ اور قوی ہوتے گئے۔ ایک تو یہ کہ انگریز باغیہ طور پر اپنی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ دوسرے ملک میں عیسیت کی تبلیغ اور ملک کی اکثریت کو مذہب سے برگشتہ کرنے کی سکیم رکھتے ہیں۔ چنانچہ ستمبر جولائی ۱۸۵۷ء کو پادری کی ٹولی پٹنہ سٹی صدر لگی سے چند جو شیٹیل اور باقاعدہ جوانوں کا چھوٹا جوس نفاروں اور قندڑوں کے ساتھ نکلا اور یگانہ علی کا نعرہ بلند کرتا ہوا پورب کی طرف روانہ ہوا۔ یہ ہندوستان کی تاریخ میں پہلی عوامی بغاوت تھی۔ شہر عظیم آباد کے ایک گوشے سے دو تیس سال انگریزی سامراجیت کے خلاف رونما ہوئی۔ ڈاکٹر رائے پوری لکھ پٹن کے ساتھ ان جلسوں کے تعاقب میں چلے کسی جو شیٹیل اور پٹن نے ایک گولی مار دی اور لائن صاحب وہیں ڈھیر ہو گئے اور اس خون کے نتیجے میں، نئی پور کے مان میں پیر علی کتب فروش سرخیل مجاہدان اور ان کے ساتھیوں کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا اور اس طرح پٹنہ کے مسلمانوں نے آزادی ہند کے لئے خون کی پہلی قربانی دی۔ بہر حال فوجی اور جنگی سلا پر بہار میں بغاوت کرنے والوں میں جگہ نش پور کے زمیندار بابو کونور سنگھ اور بابو امر سنگھ سر فہرست ہیں۔ ان کی سرگرمیوں میں ڈمری کے زمیندار مولوی علی کویم صاحب بھی پیش پیش رہے۔ ۱۸۵۷ء میں ایک تحریک انگریزوں کی حکومت کے خلاف پٹنہ میں ظہور پذیر ہوئی۔ جن کا مقصد ہندوستانی سپاہیوں میں انگریزوں کے خلاف جذبہ نفرت و عناد کو پھیلاتا تھا۔ یہ تحریک جلدی

پہل دی گئی۔

من حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ۱۸۵۷ء نے جو آزادی کی جنگ درانگریزی اقتدار کو ٹکڑے ٹکڑے کر دئے گا
جوش و جذبہ عوام و خواہش کے قلب و جگر میں بھر دیا تھا وہ اندر کی تباہی و رخاوتگری کے باوجود نہ گھٹا اور نہ فنا بلکہ تحریک آزادی
بن کر انڈین نیشنل کانگریس کے روپ میں جلوہ گر ہوئی۔ یہ تحریک آزادی ایک طویل اور پیچیدہ داستان ہے جس کا سلسلہ
۱۸۵۷ء سے ۱۹۰۸ء تک یعنی ۵۱ برس تک بہار کی بساط سیاست پر مدد و تدریس کے ساتھ جاری رہا۔ یہاں کانگریس کی
بہا بھی رہی۔

جب ہم مذکورہ بالا سیاسی حقائق کا تجزیہ کرتے ہیں تو یہ مسلم حقیقت سامنے آتی ہے کہ حکومت مغلیہ کی بساط سیاست
اور ہندو اسلامی کلچر زیادہ تر مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی۔ مگر جبکہ اس تہذیب حکومت میں ہندوؤں کا بھی دخل تھا اور ہر
شعبہ زندگی میں وہ طاقت و حقدار کی حیثیت سے شریک تھے لیکن یہ بھی سچ ہے کہ جب اسلامی ہند کی سلطنت زوال پذیر
ہو کر تباہ ہوئی تو اس کے برے اثرات مسلم معاشرہ پر سب سے زیادہ پرے اور مسلمانوں کی سیاسی، معاشی اور سماجی حالت
بد سے بدتر ہوئی۔ چنانچہ مسلمانوں کے درمیان بھی تین طرح کے خاص رد عمل ملتے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ مسلمان
بادشاہ، شاہزاد، حکام اور امرا و دروزواں کی خوشنویسیوں میں دن بدن زیادہ گرفتار ہوتے گئے یہاں تک کہ غرقِ غیش
ہو گئے۔ دوسرا رد عمل یہ ہوا کہ مسلم معاشرہ کا ایک خاصہ طبقہ خاندانہ نشین یا خانقاہ پرست ہو گیا اور رزم گاہ حیات سے کنارہ کش
ہو کر تباہی و تباہی کے بجائے تو آلی میں مشغول ہو گیا۔ تیسرا رد عمل مجاہدانہ تھا اور اس کا آغاز تحریک دلی الٹھی سے ہوا اسی
سلسلہ کی ایک زنجیریں بڑی سید احمد شہید بہاولپور ہیں۔ جنہوں نے حق و عدالت کی جنگ کرتے ہوئے بالاکوٹ صوبہ سرحد میں
جہادِ شہادت نوش کیا اور اسی مجاہدانہ تحریک کی باتیات العالی نے وہابی تحریک کی صورت اختیار کر لی۔

سماجی، تمدنی اور تہذیبی پس منظر

سیاسی اور اقتصادی حالات کا جائزہ لینے کے بعد اس عہد کے سماجی، تمدنی اور تہذیبی حالات پر نظر ڈالنی ضروری ہے تاکہ ان کا رد عمل معلوم ہو اور یہ واضح ہو جائے کہ ان حالات نے اس عہد کی ذہنی شہریت کی کس طرح آبیاری کی اور وہاں کے عوام کی زندگی اور رجحانات کن کیفیت سے دوچار ہوئے۔

سیاسی اور اقتصادی حالات نے اس عہد کے ہندوستانی عوام، مخصوص نسلیوں کی زندگی کو مضائقہ ڈالا۔ آماجگاہ بن ڈالا۔ اٹھارہویں اور انیسویں صدی عیسوی کی ہندوستان کی تاریخ مسلمانوں کے دردِ دل کی ایک خوب داستان ہے۔ ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ کا حملہ ہوا اور مسلمانوں کی پریشانیوں کا سلسلہ ۱۷۵۷ء کے بعد ایک جاری رہا۔ نادر شاہ کے حملے سے پریشانیوں کی ابتدا ہوئی تو ہندوستان کے وہ باشندے جنہوں نے مغلیہ عہد میں اس درجہ کی صلہ گیری دی تھی مگر بدحواس ہو گئے اور مایوسی اور کمر ہمتی کے ساتھ کفر و غم دوراں نے ان کے خیالات و تصورات کو اضمحلال و انہودگی سے سے ہٹا کر دیا۔ پھر مرہٹوں، سکھوں اور جاٹوں کی شورش اور بنگالہ رائیوں نے بھی ان کا جین و بال بچا دیا۔ جب ان سے نجات ملی تو انگریزوں کا اقتدار بڑھنے لگا اور ان کی گرفت زیادہ مضبوط ہوتی چلی گئی۔ پھر ۱۷۵۷ء کے ہنگاموں میں ہندوستانی عوام کی جان و مال و اکبر و سب خطرے میں گھر گئی۔ اور پوری عوام بدستور دیاس کا عالم طاری و ساری ہو گیا۔ ان حالات میں سماجی اور تمدنی اور تہذیبی انقلاب وقوع پذیر ہوا۔ جیسے کے لالے پشہ۔ زندگی اجیرن ہو گئی۔

زندہ رہنے کے لئے ایک طبقہ نے عبس کوشی اور تعیش پسندی کا سہارا لیا۔ جس نے ساری معاشرتی زندگی کی صورت ہی مسخ کر دی اور انفرادی میں بدل گئے۔ زندگی کے حقائق سے غور اور اس کی اعلیٰ قدروں سے انحرافات اس کا مزاج بن گیا۔ زندگی کے ہر شعبہ میں غلی اور ذمی عیاشی کا پرتو غریب اور تقریباً ہر طبقے کے افراد اس کے شکار ہو گئے۔ سیاسی انتشار نے دولت کی پیداوار کم کر دی۔ مرکز و موبہ کی فزوری نے بھی دولت کے فراہمی کے وسائل اور ذریعہ محدود کر دیے۔ باوجود اسکے خراجات میں اضافہ ہو گیا اور دولت صاف کرنے کی ہوس بڑھ گئی۔ جس کی وجہ سے بادشاہوں، امراء اور عوام کے ایک طبقہ میں ذہنی تعیش اور حرص و ہوس نے، ان کے دل و دماغ پر بڑے اثرات ڈالے۔

اور رنگ زیب کے بعد تھے بھی۔ برساہ ہوس کم ذہن سخی میں رنگ میں رنگ گئے۔ محمد شاہ اور فرخ میر کے زمانے سے ملکہ شاہ عالم اکبر شاہ ثانی اور بہادر شاہ ظفر تک نہ صرف یہ سلسلہ جاری رہا بلکہ اس میں رفت و سکتا تھا کچھ شدت پیدا ہوتی تھی۔ محمد شاہ اور اودھ میں راجہ علی شاہ رنجیت پیا کے زمانے میں ذہنی ہوس اور حرص پرستی کا بار بار گور ہو گیا۔

سیاسی انتشار اور معاشی زدان نے عوام در خواص دونوں کو ہکھلا دیا۔ یہاں تک کہ اپنی زبیت کا سہارا انھوں نے ہوس و تصرع غلط کو صحیح سمجھ لیا۔ شراب نوشی کو اپنے غم کا مداوا سمجھا۔ جس کی وجہ سے مذمت پسندی اور عیش طلبی کا ماحول نمایاں ہو گیا۔ لوگوں نے سطحی نسیم کے بجائے اور عریاں رقص و سرور، مصوری و موسیقی، متعش و شاعری، مدح و بھجو گئی اور دوسرے فنون لطیفہ سے دلچسپی و لطف اندوزی کے سامان میں دھمیں پیدا کیں جس کے لازمی نتیجے میں عوام خواص بھی کھل کھل کر داد پیش اور دینے پینے لگے۔ ہر شخص اپنے اپنے فکر اور دنیا کے مطابق زندگی بسر کرنا کو ان رنگینوں سے روشناس اور ہلکا کر کے کی کوسنس کرنے لگا۔ رقص و سرور کی محفلیں آراستہ کی جاتیں اور زندگی کو دلہن کی طرح بھانے کی کوشش کی جاتی۔ سپرد شمشیر، سنان و تیر کے بجائے طاؤس و بربھ چنگ اور باب کو گلے سے لگایا۔

مغلوں کی سیاسی طاقت ختم ہو جانے اور ایک زمانے کے انتشار اور پراگندگی کے بعد زندگی کسی حد تک سکون و اطمینان سے گزارنے پر مائل ہو گئی تھی۔ نگریزوں کے تسلط کے قبل مرہٹوں، جاٹوں اور سکھوں نے وہ جنگاں اور لڑائی کی جو آپ بختی مثال ہے۔ ابھی حال میں تہذیبی معاملات کی طرہ توجہ ملنے لگی تھی۔ گورنمنٹوں کے تسلط سے لوگوں کو بیزاری تھی پھر بھی حالات کسی حد تک معمول پر ضرور آئے تھے۔ اور لوگوں کو ایک جگہ جم کو بیٹھنے، غور کرنے اور کچھ لکھنے پڑھنے اور عملی کام کرنے کے مواقع ملنے اور اس طرح اپنے خیالات کو دوسروں تک پہنچانے کا اچھا ذریعہ ملنا لگا۔ اس لئے اس ماحول میں وہ ذہنی اور فکری تقریکیں جن کی نوعیتیں نیم سیاسی و نیم مذہبی تھیں، فروغ پائی۔ ان میں اس کی وجہ یہ تھی کہ عیسائیت مغربیت اور ملوکیت کے خلاف مخالفانہ رد عمل کا

مسلمہ بند نہیں ہوا تھا۔ امن کے ماتوں میں اس رد عمل نے بھی پرامن صورتیں اختیار کیں۔ اس تحریک کے علمبرداروں نے اس زمانے کی مذہبی، معاشی، معاشرتی اور تہذیبی زندگیوں پر اپنے گہرے ستوش چھوڑے۔ ان میں سے بیشتر نہ صرف مذہبی علوم کے عام تھے بلکہ سیاست، تاریخ اور طرز معاشرت سے بھی نہیں واقفیت تھی۔ انھیں اس زمانے کی زندگی کے سبب و فرائض کا پوری طرح علم تھا۔ دراصل انھوں نے اس دور کی زندگی پر مختلف نقطہ نظر سے نگاہ ڈالی۔ ان کے اثر سے اس زمانے کی شہری میں زندگی کی نئی لہر دوڑ گئی اور اس نے اس وقت کی سیاسی، تہذیبی، ذہنی اور مذہبی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو سامنے کر دکھایا۔ پھر اس زمانے میں، نگرینوں کے اثر سے نئی تہذیبی اور ثقافتی زندگی کا آغاز بھی ہو جس میں مشرق و مغرب تہذیبی روایات نے آپس میں مل کر قوس و ثمر کی صورت اختیار کر لی۔

قبل ہی اس طرف اشارہ کیا جا چکا ہے کہ یہ سب سب سے پہلے اس زمانے سے تو تعلیم آباد ہوئی۔ اس کی مرکز بیت و محل ہو گئی تھی۔ چشمہ استراحت کی آرائشی اور گہری میں بہت حسن و جلال اور ذوق و تامل کا ثبوت دیتا تھا۔ دینی اور اطراف دینی میں جو بہاری دیوبندی کا زمانہ گزرا اس سے بہت دور پہلے فن نے سکھو و عظیم آباد، مرہٹہ آباد، کاشمی، عظیم آباد میں پہلے فن کی بڑی تدریس کوئی دور کی سہ۔ یہ سنی میں بہار کے مراد، بولہ اور کامنہ کوئی، کسر پٹا، نہ رکھی جس کی وجہ سے وہ ہمیں کے ہو کر رہ گئے۔ مرہٹہ گودی اور انتشاری دور میں عظیم آباد کی حالت تہذیبی اور فنی اور پہلے فن کے دور ورنے یہاں کی سماجی، معاشرتی اور تہذیبی ذوق میں سلاقت اور فرائضی پیدا کر دی۔ بڑے بڑے علمائے دین اور اولیاء اللہ نے بھی اس کی آبیاری میں نمایاں حصہ لیا۔ اور دینی مدارس، خانقاہوں میں رونق ہوئی۔ یہاں کے علمائے دین نہ صرف دینی تعلیم اور سماجی، اصلاح کی اس صوبہ میں کوشش کی بلکہ مومنین بہاری نے دینی میں مستقبل کے بادشاہ عالمگیر اورنگ زیب کی دینی اور ذہنی سرپرستی کی اور انہی کے تعلیم کے فیوض نے اورنگ زیب کو عالمگیر بن دیا۔ مرزا عبد القادر بیدل عظیم آبادی نے بھی شہزادہ کی تعلیم و تربیت میں بڑی جانفشانی کی۔ اسی طرح ملا محمد علی بہاری جو "مسلم" اور "مسلمہ" کے مصنف ہیں، اس تصنیف کی وجہ سے مشہور زمانہ ہوئے وہ عالمگیر کے عہد میں کابل کے فاضل اور بہادر شاہ اول کے وقت میں توپورے ہندوستان کے..... تاحی التفات تھے۔ ملا غلام یحییٰ بہاری جن کے تراشی بہتیرے نادر تصانیف پر ہیں۔ فلسفہ میں بدلتی رکھتے تھے۔ یہ غلام حسین کی بہت ترین صوبہ بہار کی تاریخ پیش کرتی ہے اور بڑی عظمت کی حامل ہے ان کے علاوہ اور علمائے دین نے مدرس قائم کئے اور ذہنی اور فکری تعلیم و تربیت کی چنانچہ صوبہ بہار میں خاص کر چند ایسے دینی مدارس تھے جن کی شہرت اور عظمت مسلم ہے۔ عظیم آباد میں سیف خاں کا مدرسہ عظمت و شہرت کا مالک تھا۔ اس مدرسہ کو نواب سیف خاں نے بنوایا تھا۔ یہ شاہ بہار کے

عہد میں بہار کے گورنر تھے ان کی بیوی ممتاز محل کی بڑی بہن تھی۔ اس مدرسہ میں چھت وائے قرعے طلباء اور مدرسوں کے لئے بنے تھے تھے۔ دو سو مسٹر طلباء اور دس مدرس یہاں تھے۔ سب کو کھانا کپڑا ملتا تھا۔ مکمل تفسیر یہاں کے مشہور مدرس تھے۔ جنہوں نے ملا بہانی سے بھی ملاقات کے بعد بہت کچھ حاصل کیا۔ بہانی نے بھی مدرسہ سیف خان کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ مدرسہ علوم و فنون کے لحاظ سے سارے ملک میں ممتاز سمجھا جاتا تھا۔ اس میں حکمت، فلسفہ، ریاضی، طب، تواریخ، جغرافیہ، کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ایک بہت ہی بڑی مسجد بھی ہے۔ جس کے پنج صحن ہیں تو اسے تھے۔ وسعت کے لحاظ سے بھی بڑی تھی۔ گنگا کے کنارے اس کی شان اور حسن میں اضافہ کر رہے تھے۔ یہاں گلیوں میں بھی حضرت شہباز بھٹا پوریؒ کے مدرسہ کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ یہ بھی شاہجہانی عہد کا مدرسہ تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے اواخر عہد تک یہ مدرسہ اپنی ان بان کے ساتھ قائم رہا۔ حکمرانوں نے زمینیں اور جاگیریں وقف کیں۔ غالب العلوم کے طعام و قیام کا انتظام تھا۔ معلمین کی تنخواہیں مقرر تھیں۔ انیسویں صدی کے اواخر میں یہ مدرسہ کچھ انحطاط کی طرف مائل ہونے لگا۔ اور اس کا گرانقدر کتب خانہ بھی تباہ ہو گیا۔ مدرسہ مولانا سونگرس کو علی وردی خان نے قائم کیا اور اس میں بہت سی جاگیریں عطا کیں۔ بڑے بڑے علمائے دین کو درس و تدریس کے لئے مقرر کیا۔ اس کے علاوہ منیر شریف، بہار شریف، سہسہ رام، در کھنگہ، مظفر پور کے مدارس بھی شہرت کے مالک تھے اور تلمیذان علم و ادب کی سیرابی یہاں سے ہوتی رہی۔ پھلواری شریف میں دو مدرسے قائم تھے۔ ایک میں حضرت مولانا عبد العزیزؒ تعلیم دیتے تھے دوسرے میں حضرت مجیب اللہ املقبت تاج العارفینؒ کا دینی اور روحانی فیضان جاری تھا۔

ان علمائے دین کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے ادیب دانشور بھی اس وقت کے تہذیبی، دینی زندگی پر گہرے نقوش ثبت کئے ہیں۔ ان بزرگوں نے صرف ریاضت و عبادت ہی میں کمال حاصل نہیں کیا بلکہ اخوت اور انسانی محبت کے خیالات کو بھی پر دان چڑھایا اور اپنے ان خیالات کو درس و تدریس، کشف و کرامات اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ عوام تک پہنچایا ہے۔ یہی سبب ہے کہ خلق خدا ان سے متاثر ہوئی اور عوام نے ان اثرات سے اپنے کو مہذب بنایا اور اس طرح ان کے نگر و عمل نے اس زمانے کی ثقافتی زندگی کو بہت متاثر کیا۔ خانقاہ جس میں یہ بزرگان دین رشد و ہدایت کا سلسلہ قائم کرتے تھے اور جو ایک روحانی اسکول کی حیثیت رکھتی تھی اس نے بہت بڑا اہم رول ادا کیا ہے۔

صوبہ بہار کی مختلف سلاسل کی خانقاہیں اور چشتیوں کے جماعت خانے بھی تعلیم اور فیوض روحانی کے لئے مشہور معروف تھیں۔ دور دور سے روحانی تعلیم اور تکریم نفس کے لئے مختلف خانوادوں اور سلاسل کے افراد آتے تھے اور تعلیمات

روحانی سے فیض پانچواں بارادہ آپس جاتے۔ مسلمانوں کا قدم بہا شریف و شیر شریف میں رہتے دہلیت کے سلسلے میں
 محمود غزنوی کے بعد ہی آیا۔ چنانچہ سلسلہ میں امام محمد تاج نقیبہ کی سرکردگی میں مسلمانوں کا تسلط شیر شریف میں ہو گیا۔
 اس لئے آپ کے ساتھ ہی صوفیائے کرام کا بارگاہ قدم بھی کیا اور آپ کے یہاں سلسلہ سہروردیہ کا فیضان جاری ہوا۔ شیر شریف
 میں حضرت امام تاج نقیبہ کے پوتا حضرت مخدوم یحییٰ میرٹھی اور غلیہ بادی میں آپ کے تشریف حضرت شہاب الدین پیر جگنوٹ کی
 ذات گرامی سے سلسلہ سہروردیہ کی اشاعت ہوئی۔ مشہور ہے کہ آپ دونوں حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے
 مرید مجاز تھے۔ بہا شریف میں حضرت پیر جگنوٹ کے واسطے مخدوم احمد جوم پوٹھ کی ثقافت بھی سلسلہ سہروردیہ کی اشاعت
 اور فیضان کے لئے مشہور تھی۔ آپ کی صوفیانہ شاعری بھی مسکن کی بین دریں ہے۔ اس سلسلے کے ایک اور بزرگ حضرت حیدر الدین
 صوفی چندھوٹی نویں صدی ہجری کے ایک حبیب ہیں۔ قدر بزرگ گزرے ہیں۔ چشتیوں کی خانت ہیں۔ جماعت خانے بھی رشد و
 ہدایت کے فریضہ کو انجام دے رہے تھے۔ بہا شریف میں حضرت نظام الدین ادیب دے نے بھی اس چشتی جماعت خانے میں درس
 تدریس کے لئے آنے کی خواہش ظاہر کی تھی جس سے یہ ظہر ہوتا ہے کہ ان کے ہمد سے پہلے ہی بہا میں سلسلہ قادریہ عظیمہ بہا
 میں حضرت آدم صوفی (پکی درگاہ جوٹھیں) بھی حضرت فرید الدین گنج شکر کے مرید و خلیفہ تھے۔ یہ حضرت فرید الدین جوٹھ
 بخش حضرت نظام الدین ادیب کے برادر زادہ حضرت ابراہیم کے بیٹا اور لور قطب عالم پندوہ کے مرید و خلیفہ کی چشتی
 ثقافت بھی بہا شریف محلہ چاند پورہ میں مشہور تھی۔ اسی طرح پورنیہ (درگاہ چنی بازار) میں حضرت بندگی مصطفیٰ جمال اعظم
 جو حضرت دیوان محمد رشید جوٹھری کے والد اور پیر تھے ان سے سلسلہ چشتیہ کی اشاعت ہو رہی تھی۔ صوبہ بہا میں سلسلہ سہروردیہ
 کا فیضان کافی جاری ہوا۔ اس سلسلہ نے علمی اور دینی حیثیت سے بھی نمایاں خدمات انجام دیے ہیں۔ حضرت مخدوم جہاں
 شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ میرٹھی کی ذات برکات سے اس سلسلہ کا فیضان ہر سلسلہ کو پہنچا۔ آپ کے بعد حضرت مولانا مفتی
 بن شمس بلوچی اور آپ کے جانشین حضرت حسین نذیر توحید بلوچی اور حضرت مخدوم شیخ شعیب اور قطب شاہ دلت
 میرٹھی کے ذریعہ روحانی فیوض کے علاوہ علمی اور ادبی فیضان بھی جاری و ساری رہا جس سے تشنگان علم و ادب اور طالبان
 راہ تصوف شاد کام ہوئے۔ حضرات بلوچی کی شافعی شیر شریف، توحہ، شیخ پورہ اور اسلامپور میں قائم ہو گئیں اور ان کی
 خانتاں آج تک رشد و ہدایت کے لئے مشہور و معروف ہیں۔ سلسلہ زاہدیر کی اشاعت حضرت پیر بدر عالم زاہدیر کے
 سلسلہ ہمدانی کی اشاعت حضرت مبلغ کامل امیر علی ہمدانی کے پوتا حضرت سید علاء الدین ہمدانی (سودہ بہا شریف)
 کے ذریعہ ہوئی۔ یہ سلسلہ مدار یہ کے بزرگ حضرت بدیع الدین مدار کے خلیفہ و مرید حضرت جمال جانشین جینی کا سلسلہ ہمدانی پٹنہ

میں جاری و ساری ہوئی۔ قادیانہ کو فروغ حضرت سید احمد انجمنی، انجمن شریف اور حضرت میر فضل اللہ گوتائیں (بارہوی بہار سرت) سے ہوا۔ سلسلہ شطاریہ کی ترویج و اشاعت حضرت عبداللہ شطاری کے خلیفہ حضرت علا قاضی شطاری اور آپ کے صاحبزادے حضرت ابوالفتح مدد اللہ میر سرت منیر علی، حضرت عبدالرحمن شطاری کی ذات سے مظہر بود کے اطراف میں کافی ہوئی۔ یہ تمام سلاسل اور خانوادے ساتویں صدی ہجری سے گیارہویں صدی ہجری تک فروغ پاتے رہے۔ بارہویں اور تیرہویں صدی ہجری میں بہار کی خانقاہیں ۴۰۰ کے بقبار سے بھی بڑی شہرت کی حامل رہیں اور روحانی فیوض، ذہنی اور مذہبی تعلیم و تربیت کی جامع رہیں جن میں چن چن سید ابوالفتح و سلسلہ بریلویہ کو حضرت دیوان جعفر (باڑھا) حضرت شمع پاکباز (غظیم آباد) حضرت مخدوم حسن علی، حضرت رکن الدین عسکری کے ذریعہ کافی ترویج کا موقع ملا اور علم و ادب کی اشاعت بھی ہوئی۔ بارہویں صدی ہجری میں پھلواری شریف کی بارہ حضرت دارشاد خان شائستہ، حضرت محمد مراد الدین قلندر کے خلیفہ پیر نجیب حضرت تاج العارفین سے فیوض روحانی اور علم و ادب کی توسیع و ترویج ہوئی ہے۔

مختصر یہ کہ بہار کی خانقاہیں فیوض روحانی اور تعلیم دینی کے علاوہ علمی و ادبی حیثیت سے بھی بہت ممتاز رہیں۔ حضرات بلخیہ اور فردوسیہ سید نے اٹھارہویں اور انیسویں صدی عیسوی میں علم و ادب کی بڑی مٹی خدمتیں کی ہیں اور اردو شرو و نظم کی حیثیت میں بھی ان کا خاص مقام ممتاز و مقدر رہا ہے۔ متعدد کتب تصنیف کیں جس میں فقہ کے مسائل اور صوبیانہ رجحانات کو حسین و مدلل پیش کیا۔ فتوح، میر، کی خانقاہوں میں متعدد علمی و ادبی کار فرما رہا۔ بہار شریف کی خانقاہیں بھی گشت علم و ادب کی بیماری کو رہی تھیں۔ ان حالات کے تجزیہ سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ میر شریف، فتوح پھلواری شریف، بہار شریف، غظیم آباد وغیرہ کی خانقاہیں مسلمانوں کی تہذیبی اور سماجی اصلاح میں پیش پیش تھیں۔

آج جو خانقاہیں کوئی بڑی ہیں یا ناپید ہو گئیں۔ یہی پہلے مرحلہ خاص و عام تھیں۔ میر شریف، بہار شریف کے بزرگان کے آستانوں اور خانقاہوں کی جہہ سانی کو بادشاہوں، نوابوں اور امرائے کیا نے بھی سبب افتخار سمجھا۔ بہار شریف کی بڑی درگاہ یعنی آستانہ مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد منیری میں اکبری عہد کے افغان فرماندائے مشرقی صوبہ جات سلیمان خان کو الائی کا کتبہ دینی بادشاہ کی عظمت اور دونوں بادشاہ کی عقیدت و خدمت کی ترجمانی کر رہا ہے۔ فیروز شاہ تغلق نے پہلے پیر شریف (بہار شریف) حضرت مخدوم احمد پرپوش کی بارگاہ میں باریابی پا کر پھر آپ کے خاندان زاد بھائی حقیقی مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد منیری سے حصول شرف کو حاضر خدمت ہوا۔ سلطان سکندر لودی دوران قیام بہار میں متعدد بار حضرت مخدوم جہاں کے آستانہ کی جہہ سانی کو حاضر ہوا۔ سلطنت مغلیہ کا بانی میر شریف کے آستانہ پر تہذیب و فتوح پیش کرنے کا ذکر کرتا ہے۔ شاہ عالم

لے تذکرہ پیر نجیب۔ لے سیرت فیروز شاہی و رفیق الدین۔ لے طبقات اکبری ہفت گلش الہی تاریخ افغانی۔ لے ترک باہری

مرغ سیر، میر جعفر، میر تقی میر نے سفیر بہار کے مرتب کی یہ کتاب اور جہاں جہاں ملے۔ یہاں تک کہ سلطنت پروردگار نے یہ دور
شاہجہاں نے جی میں شریفیہ کی خانقاہ میں تدریس کو اپنی اور جہاں جہاں ملے۔ یہاں تک کہ سلطنت پروردگار نے یہ دور
نگ کا عطیہ تھا۔ شاہ ارزان کی درگاہ درہمیرام کی خانقاہ میں بہت بڑی حاکم و بادشاہ وقت کی خدمت و خدمت ہے۔

حضرت نقوی میر تقی کے زمانے میں یہ خانقاہیں درگاہیں اور کھانا خانے تھے۔ یہاں تک کہ سلطنت پروردگار نے یہ دور
یہاں میں بہتوں کا حضرت نام ہی روکے، مگر ہادیں جی رفتہ رفتہ فراموش ہو رہی ہیں۔ لیکن حضرت نقوی میر تقی تہوہی درگاہیں بہار کی شاہ
خانقاہ ہوں۔ یہاں خصوص وہاں تو دوسے جو فرزدی، شہزادی، مہرورزی، ازہری، ہدی، مسعود کی تھیں۔ وہ سبھی درگاہیں بہار کے
رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ گزشتہ خصوص عظمت و عظمت پروردگار کی طرح دیکھتے تھے۔

شہزادہ عظیم الشان کی فرمائش سے مدرسہ سیف خان کے مدرس علی ملا نصیر الدین شہزادی نے مقبول کیا۔ یہاں تک کہ سلطان سے
ایک کتاب لکھنی شروع کی تھی۔ شاہزادہ موصوف اپنے دربار کی وفات کی خبر سے متاثر ہو کر بہار چھوڑ چکا تھا۔ دربار بہار چھوڑ دی نے
بھی یہ کتاب نہ مکمل چھوڑ دی جو محمد دلی لکھا۔ شہزادی کے محمد علی صاحب کی طبیعت ہے۔ اس کتاب سے لگائے بہار دیکھنے کے
کمزور گاہ و وزارت کی زبانوں عالی دیکھائی کا سراغ ملتا ہے۔ حضرت نقوی میر تقی کے عہد میں ان کتابت اور جہاں جہاں ملے۔ یہاں تک کہ
ہو چکی تھی۔

ادبی پس منظر

اردو ادب کی تاریخ ایک دلچسپ مطالعہ ہے یہ صرف ادبی تاریخ نہیں بلکہ تنظیم اسٹان قوم کے عروج و زوال کی تاریخ ہے۔ ایشیا کی سماجی، سیاسی، اقتصادی، تہذیبی اور ذہنی تاریخ ہے۔ ہندو قوم ایک نیرنگ سماں مرکب ہے اور اسلامی تحریک نے بھی مختلف اور متنوع قوام کو تہذیبی، ذہنی، دروہانی طور پر متاثر کیا۔ اور جب یہ دوست پرورد تحریک ہندوستان پہنچی تو وہ خود بھی نیرنگ سماں ہو چکی تھی۔ اس میں عرب، ایرانی، تورانی، ترک دستاوار قوموں کے جلوہ ہائے صدرنگ مل چکے تھے۔ اردو زبان و ادب میں ہندو مسلم تہذیب کے تضادم، امتزاج اور ترکیب کی جلوہ گری پائی جاتی ہے کیونکہ اردو زبان و ادب کی تخلیق و تردید میں ہزار سال سے زیادہ لگے ہیں اور بھی نشوونما کا سلسلہ جاری ہے۔

اگر ہم اردو زمان و ادب کے ابتدائی اور وسطی ادوار سے آگے بڑھ جائیں تو ہم اس میں داخل ہوں گے جب سلطنت مغلیہ زوال آ رہی ہو چکی تھی لیکن اس وقت تک اردو ایک تناور درخت کی شکل اختیار کر چکی تھی۔ اردو زبان و ادب کی ترقی میں اٹھارہویں، انیسویں صدی عیسوی کی بہت بڑی اہمیت ہے اس کی تکمیل بیسویں صدی عیسوی میں ہوئی اور حقیقت تو یہ ہے کہ ذی حیات چیزیں یا تو ارتقا پذیر ہوتی ہیں یا پھر زوال آ رہی ہوتی ہیں۔ ان میں ضعف و انحلال پیدا ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ ناپ ہو جاتی ہیں۔ بفضلہ تعالیٰ اردو زبان و ادب کی ترقی جاری ہے۔

حضرت صفوی میر تقی میر نے انیسویں صدی عیسوی میں (سنہ ۱۹۰۰ء) وفات پائی ان کے عہد میں اردو کا ادبی ماحول خاصاً ترقی یافتہ ہو چکا تھا۔ حضرت صفوی کی ولادت یا سن ۱۸۳۸ء میں ہو چکی تھی۔ کم و بیش انیسویں صدی عیسوی کی آخری تین چوتھائیوں کا انھوں نے بغور مشاہدہ کیا۔ اسی دور میں شمالی ہند اردو ادب کا سب سے بڑا مرکز بن چکا تھا۔ دبستانِ دہلی،

دست لکھنؤ، دبستان عظیم آباد، اور فورٹ ولیم کالج کٹنہ کو نویت نبوت فروغ حاصل ہونا، مابعد میں پنجاب کے مرکز لاہور میں بھی اردو زبان و ادب کی ارتقا پذیری کے لیے زمین تیار ہو چکی تھی اور فضا بھی بہت سزاگار ہو چکی تھی۔ کرنل برائینڈر، حان پانی بنی اور محمد حسین آزاد نے وہاں اردو کے تنظیمی ادارے قائم کر دیے تھے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ حان پانی اردو صوفی منیری دونوں کی شاعرانہ تربیت اور فاضلانہ اصلاح غائب دہلوی کے ہاتھوں ہوئی۔ سر سید احمد خاں کی قیادت میں علی گڑھ تحریک نے ادبی طور پر بہت اہم خدمتیں انجام دی ہیں اور اسی تحریک نے جدید اردو ادب کی فضا پیدا کر دی تھی۔ سر سید، حان پانی، محمد رفیع الملک اور شبلی نعمانی براہ راست اس تحریک سے وابستہ رہے ہیں۔ نذیر احمد دہلوی درکار اللہ خاں بھی ملحقہ ہی میں شمار کئے جاسکتے ہیں۔ ماسٹر امجد نے اردو صوفی فتنہ کو مقبول بنیادوں پر قائم کر دیا تھا اور تمام دیار و امصار میں اردو ہفتہ وار اخبار شائع ہو رہے تھے۔ انگریزی تعلیم نے اردو کے روایتی سرمایہ میں نفاذ کرنا شروع کر دیا تھا گو یہ حضرت صفوی منیری کا عہد، قدیم اور جدید کے امتزاج و ترکیب کا تھا اور ظاہر ہے کہ ترکیب کے پہلے نفاذ شروع ہوتا ہے خود حان کی شاعری اور ہندوستان کے مطلق کی شریکاری پر اہل لکھنؤ چھتیاں کسے رہتے تھے اسی طرح حان کی اردو صوفی کے متادانت بھی اپنے شہر میں پورے اعتراض رہے ہیں اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ غالب عندیہ "گلشن نا افریدہ" نے لال قلعہ، چاندنی چوک، جامع مسجد کی سیڑھیوں اور اردو بازار میں ذوق دہلوی کا سکہ چلتا تھا اور غالب کی جد تو نیکو بدعت سمجھا جاتا تھا۔

اردو ادب کی روایات میں شاعری کا بہت بڑا حصہ رہا ہے اور شریکاری کی طرف توجہ باق حدہ طور پر فورٹ ولیم کالج کلکتہ (۱۸۰۰ء تا ۱۸۳۶ء) سے شروع ہوئی یہ ترجمہ کا دور تھا اسی زمانے میں اردو کی مشہور داستانیں بھی لکھی گئی ہیں۔ طلسم ہوشربا، طلسم نور انشاں، باغ و بہار، آرائش محفل اور نسانہ عجائب وغیرہ وغیرہ لیکن جدید اردو شریکاری علی گڑھ تحریک کی مرہون منت ہے۔ غالباً حضرت صفوی کی توجہ شریکاری کی طرف اسی وجہ سے ہوئی کہ وہ علی گڑھ تحریک سے متاثر ہوئے تھے۔ مرکز علی گڑھ دبستان دہلی کا ایک ضمیمہ تھا۔ حضرت صفوی منیری کے نشر کے مطالعہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ان پر لکھنؤ شریکاری کا بھی اثر پڑا ہے کیونکہ ان کی شریکات، سلیس اردو ان کو ساتھ ہی ساتھ رنگیں اور پرکار، مفتی اور مرتب بھی ہے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اردو کی جدید شریکاری سے بھی متاثر ہیں اور روایتی شریکاری سے بھی جدید شریکاری داستانوں کی شریکاری ہے۔ کیا عجیب ہے کہ انہوں نے لاڈلہی کی سیر میں کا بھی مطالعہ کیا ہو اور اس طرح اردو شریکاری کی قدیم روایت سے بھی متاثر ہوئے ہوں کیونکہ راحت روح کا اسلوب بیان اور طرز اظہار ایمانی اور رمزی ہے جو سیر کا حریقہ پیش کش ہے۔

حضرت صفوی منیری کے ادبی ماحول کا بیٹے ایک خاکہ پیش کیا ہے اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اس خاکہ میں رنگ بھردا۔

بہار کا ادبی ماحول

ہندوستان کے دیگر صوبوں کی طرح بہار بھی ابتدائی سے علمی ماحول کا آئینہ دار رہا ہے۔ خوش و خوشی سے یہ مردِ دانش ہو جاتا ہے کہ نہ صرف نظم میں بلکہ نثر میں بھی جو ابتدائی نعوش پک جلتے ہیں انہیں بہار کا منہ نمایاں نظر آتا ہے۔ بہار کے اسی ماحول میں خلعتِ اودار میں ہمیں شعرا اور ادیبان کی معتد بہ سند دستی ہے۔ ان کی تحقیقات نے بہار کی ادبی فضا کو برقرار رکھا اور اسی ادبی ماحول میں حضرت صفوی مینرٹی نے اپنے ذوقِ شعری اور نثر نگاری کو پروان چڑھایا۔ چنانچہ ہندوستان کے دوسرے صوبوں کی طرح بہار میں بھی اردو کی ترویج و اشاعت بیشتر صوفیائے کرام کی وجہ سے ہوئی۔ صوبہ بہار میں مسلمانوں کی آمد شہرہ کے پہلے ہی شروع ہو گئی تھی۔ لیکن امام محمد تاج قلیہ اور ان کے شرکانے کار کی آمد سنہ ۱۶۹۱ء میں ہوئی۔ آپ کے پوتے حضرت محمد یحییٰ مینرٹی کے صاحبزادے حضرت محمد تہاں شیخ شریعت الدین احمد بھی مینرٹی (۱۶۹۱ء - ۱۷۳۱ء) اور آپ کے جانشین حضرت مولانا مظفر شمس المصطفیٰ (۱۷۳۱ء) اور دوسرے بزرگانِ دین کے متوفیے اور دوسرے اردو کے نعوش ادیب ہیں۔ یہ بزرگانِ دین عہدِ قدیم میں صوفیائے دکن، گجرات، دہلی اور پنجاب کے دوش بدوش نظر آتے ہیں۔ آپ کی فضا میں اردو درگاہیں رشد و ہدایت کے ساتھ ساتھ اردو زبان کی ترویج و اشاعت کا مرکز بنی ہوئی تھیں۔ مربوط طریقے پر اردو شاعری یا نثر کے نمونے نویں اور دسویں صدی ہجری کے ابھی تک نہیں ملے ہیں۔ لیکن تحقیق و تفتیش کا دروازہ کھل ہوا ہے جس سے بہت کچھ امیدیں وابستہ ہیں۔ البتہ دسویں صدی ہجری کے ادبا و افسانہ نگاروں صدی کے دہائی کی شاعری کا نمونہ مجھے دستیاب ہوا ہے جن کے بارے میں اعتراض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ چند ادراقی منظوم نثر کے مجھے اپنے فائدہ کی کتاب قاز سے دستیاب ہوئے ہیں۔ اس پر شہرہ کی مہر ہے اور اس مہر پر شریعت الدین بڑھائی کا نام ہے یہ نظم پندرہ صفحات پر مشتمل ہے۔ درمیان اور آخر کے صفحات غائب ہیں۔ زبان کا سا پختہ کڑی بولی کے ساتھ اور

رائے عظیم آبادی نے اردو شاعری کی جو شمع جلائی تھی اس کی نو تیر ہندیں بھری ہیں اور تیز جوتی اور یہاں کی اردو شاعری کے میلانات زیادہ قابل توجہ ہو گئے چنانچہ اس عہد میں شعراء بہت شاعری کے مختلف اصناف پر طبع آزمائی کی اور اس میں درجہ کمال پیدا کیا۔ رائے عظیم آبادی کے شاگرد فرست عظیم آبادی ستونی (۱۸۶۱ء تا ۱۸۶۹ء) شاہ امیر الدین وجہ (۱۸۶۹ء تا ۱۸۷۹ء) جعفر حسین خاں فیض (۱۸۷۵ء تا ۱۸۸۳ء) شاگرد مصطفیٰ،

حسرت عظیم آبادی (۱۸۷۱ء تا ۱۹۰۴ء) عبد الحمید پریشاد (۱۸۷۵ء تا ۱۹۰۵ء) شوق نیوی (۱۸۷۵ء تا ۱۹۲۳ء) شاد عظیم آبادی (۱۸۷۶ء تا ۱۹۰۷ء) عبدالغفور شہباز (۱۸۵۷ء تا ۱۹۰۸ء) صفیر بلگرامی (۱۸۷۹ء تا ۱۹۰۷ء) اکبر دہلوی (۱۸۶۰ء تا ۱۹۲۷ء) فضل الحق آزاد (۱۸۵۳ء تا ۱۹۷۲ء) احقر بہاری (۱۸۷۶ء تا ۱۹۲۸ء) سردار احمد (۱۸۶۹ء تا ۱۹۳۰ء) شرقی میری (۱۸۸۱ء تا ۱۹۳۳ء) وغیرہ اس عہد کے ممتاز شعراء ہیں۔ ان شعراء نے بہت سے نہ صرف غزل کی آراستگی میں کاوشیں کیں بلکہ سنوی نگاری کو بھی بیش از بیش فروغ دیا۔ رائے عظیم آبادی نے اس صنف میں اپنے کمال دکھلائے تھے۔ اسی میلان کو اسی عہد کے شعراء نے پروان چڑھا یا ہے اور دلکشی بخشی۔ خود شوقی میری نے بھی بہتری ثنویاں لکھیں۔ شوق نیوی کی ثنویاں نواز آزاد (۱۸۷۳ء تا ۱۹۱۲ء) یہ سنوی بڑی شہرت کی حامل ہے۔ اس کے علاوہ درجہ دہانی، بیت وصال، شام فراق جیسی دلکش اور دلچسپ ثنویاں لکھیں۔ شوق نیوی کی ثنویوں میں واقعیت اور خیال بہت کاسنگم ہے۔ شاد عظیم آبادی نے بھی سنوی کے میلان کو ارتقا پذیر کیا۔ نالہ شاد (۱۸۷۹ء) سنوی چشمہ کوثر (غیر مطبوعہ) اور ایک قومی سنوی مادر ہند لکھی ہے۔ شاہ میر مدین دہلوی کی بھی نہیں غیر مطبوعہ ثنویاں موجود ہیں۔ کبھی بہاری کی قومی سنوی ۱۹۱۲ء میں شرکۃ انہام سے طبع ہوئی۔ باقر عظیم آبادی نے بھی سنوی لکھی۔ بے دل لکھی احقر بہاری، شرقی میری کی بھی غیر مطبوعہ ثنویاں یادگار ہیں۔ اسی طرح عبدالغفور شہباز، فضل حق آزاد اور جوش میری نے اس صنف میں نئے نئے اضافے کیے۔

مرثیہ کی روایت بھی قدیم ہے۔ پھولاری کے عہد قدیم کے سنوی شعراء نے بھی مرثیہ لکھے اور جب میر انیس، دبیر اور مولوی ۱۸۵۵ء میں پتھر آئے تو اس کے بعد یہاں مرثیہ گوئی کا سیلان اور بڑھ گیا۔ انیس کے بعد مرثیہ گو شعراء کی آمد کا سلسلہ برسر کے سے جاری ہو گیا۔ شاد عظیم آبادی اور فضل حق آزاد نے اس صنف پر طبع آزمائی کی۔

اس عہد کے بہار میں آزاد اور حالی کی تتبع میں نئے رنگ کی (جدید نظمیں) اردو نظمیں لکھی گئیں۔ اس باب کے سرفہرست عہد غنور شہباز کا نام آتا ہے۔ خیالات شہباز کے نام سے نظموں کا مجموعہ شائع ہوا اور آپ کے ہمعصر علامہ فضل حق آزاد ہیں جس کی قوی اور تمثیلی نظمیں بھی مشہور ہیں۔ شاد عظیم آبادی نے بھی اس رنگ میں مختلف نظمیں لکھی ہیں۔ احقر بہاری نے

زید سے دلکشی اور عجبی میں رہا۔ بے۔ پورتن میں کاندہ دہشت جلدوں میں قصہ پورتن خیال کے نام حقیر بگڑی نے
 بچی کی۔ نو جہ نذر دہشت دہشتی کی ادب کا دہشت چہند بہر ہی میں ہوتی ہیں اس سے ان کو بہادی قرار دیا گیا ہے۔
 آپ نے دہشت کن باب شہد در سر یا انسانہ ۲۸۰ مضامین ۱۸۶۰ء میں لکھا ہے۔ یہ نثر عجیب کے جواب میں لکھی گئی ہے
 اسے تعلیمی داستان بھی کہہ سکتے ہیں۔ جا بجا تنقیدی اور سنجیدہ ہیں لیکن سلیقہ، سادگی اور سادہ مت کو بھی ہاتھ سے جلانے نہیں
 دیا گیا ہے بلکہ جگہ اردو کے اسانڈا کے شعور مثالی پیش کیے گئے ہیں۔ اس میں صوتی منبری نے اس کو نفوذ دینا لکھا ہے۔ وہ
 ۱۸۵۵ء میں زبور صبا سے مراد ہون ہے۔ ایک اور سری ندری تصنیف اپنے بڑے کی تقسیم و تربیت کے لئے تہذیب اسفوس نام
 کے لکھی ہے جو تین حصوں پر مشتمل ہے۔

داستان کو، اس کا پیش رو کہ جاتا ہے اس سے داستانوں کی بنیادوں نگاہ کی عورت کھڑی کی گئی تہذیب بادی
 سے صورت اختیار یا دلیری کو آب ہستی ناول صوبہ ہے۔ اس تبصیر یہ ہے کہ یہ نثر حسن مطلق کی تابیت تھی۔ نثر حسن مطلق نے
 ۱۸۸۰ء میں جون فاسٹر کی کتاب "سببیت اوت بیریکٹر کا نثر" توت فہمہ کے نام پر نقد "مجددین" بھی آپ نے تصنیف
 ہے۔ "غسل ط دس محمد اعظم علی کا ناول ہے جو ۱۸۸۱ء میں طبع ہو۔ سید افضل مدین عظیم "نادی سنونی ۱۸۹۳ء کا "دل" "فسانہ
 "خوشہ" ۱۸۸۳ء میں طبع ہوا "مغیر بگڑی" کا ناول "جو ہر مقامات" ۱۸۸۶ء میں طباعت پر ہو۔ اس کا اردو سرائی ناول
 "گلبن نوزوں" کے نام سے شہور ہو۔ رشید مساد (۱۸۵۳ء تا ۱۸۹۲ء) نے ایک "صلوح" ناول لکھا
 جو ۱۸۸۰ء میں طبع ہوا۔ علی سجاد عظیم آبادی کے "دندان" "نئی نوبلی" اور "مح فائدہ" مشہور ہیں جن میں سے محل خانہ
 دو حصہ پر مشتمل ہے پہلا حصہ ۱۸۸۳ء میں طبع ہو۔ دوسرے حصہ طبع مطبوعہ ہے۔ ممبر اس محمد حسن گیل دی نے "نثر نافرمانی"
 کے نام سے ایک ناول لکھا۔ (اسم عظیم بادی نے بھی ایک ناول "فسانہ تریفی" تصنیف کیا) مختصر یہ کہ صوبہ بہار
 کا یہ درد ناول نویسی کے اعتبار سے قابل قدر درج میں فخر ہے۔

تنقید نویسی اور تذکرہ نگاری میں بھی یہاں کے ادباء نے کاوشیں کیں حقیر بگڑی نے "تذکرہ جلوہ خضر" کی تین
 جلدیں لکھیں۔ تحقیق مسانی، "رشتاب سعیر"، "رسلہ جہنم کوثر"، "تذکرہ مرثیہ گویان" بیسی مفید اور کادکت ہیں
 انہیں جلد مغفور نہباڑے "زندگانی بے نظیر" لکھی ہے۔ یہ شہباز کا معرکہ لاکر اٹھی کا نامہ ہے۔ نظیر اکبر آبادی کے حالات
 پر گزری اصوں مذکرہ نویسی کے دور سے بہت نفیسی بحث کی ہے یہ ۱۸۹۲ء میں مرتب ہوا اور طبع و نشر نے ۱۸۹۹ء میں
 شائع کیا۔ مدد امام آرنے کاشت اختلاف دو جلدوں میں تصنیف کی جس میں ایستہانی اور یوروپین شاعری پر بڑی قدر

اخلاقی مذہبی اور صوفیانہ رجحانات کی کینہ دار ہے۔ اس امر کی تفصیل آگے آئے گی اور یہی میرے مقولے کا موضوع ہے۔

اٹھارہ سو ستاون عیسوی کی شہسوار کا یاب جنگ آزادی کے بعد ہندوستانیوں پر مایوسی کی گٹھ چھا گئیں۔ خصوصاً مسلمانوں پر۔ ہندو اسلامی تعمیر و تشکیل میں ہندو اور مسلمان دونوں شریک تھے۔ لیکن دہسری اور ہدایت کاری کا مقام مسلمانوں کو حاصل تھا اس لئے جب سلطنت مغلیہ شکست و ریخت کا شکار ہو گئی تو مسلمانوں پر زیادہ تباہی آئی، لیکن انگریزوں کے تسلط نے ہندوستانیوں میں نئی بیداری پیدا کر دی۔ (اواخر اونیسویں صدی عیسوی میں فکری انقلابات آنے لگے۔ نفسی تبدیلی شروع ہوئی، سماجی، سیاسی اور اقتصادی تحریکات ابھریں اور رد عمل کے طور پر حیات تازہ کی صبح صادق طلوع ہوئی۔ اس نئی صبح کی کرنوں نے روم دنیا میں بھی روشنی پیدا کی۔ اس عہد میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے اندر مذہبی بیداری بھی پیدا ہونے لگی۔ اور تہذیب کے تمام شعبوں میں رکنی کے آثار نظر آنے لگے۔ ادب نے بھی آگے قدم بڑھایا۔

ادب کی معروضات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خانقاہوں اور مذہبی مراکز میں بھی اردو زبان کو ذریعہ اظہار و بیان اور وسیلہ رشد و ہدایت بنایا گیا۔ یہ مسئلہ خاندانہ دلی اللہی سے شروع ہوتا ہے اور پھیلتا ہوا ہندوستان گیرمن جاتا ہے۔ تا آنکہ اواخر اونیسویں صدی میں مذہبی اور نیم مذہبی عنوان سے بہ سیلان پنجاب و صوبہ متحدہ میں ابھرا اور بہار میں بھی چمکا، وہابی تحریک اور یو۔ پی۔ کی عیسائی تحریک نے بڑے دور رس نتائج پیدا کیے۔ دیوندرہ اور ندوہ میں بھی اسی کی کوششیں شروع ہوئیں اور ان تمام مراکز نے اردو زبان و ادب کو ذریعہ اظہار بنایا۔

ہر چند کہ خانقاہوں میں عام طور پر ابھی تک مذاق خانقاہی طاری تھا لیکن ہندوستان میں اسلامی احیاء کے لئے سعی و کوشش کا آغاز بھی خانقاہ ہی سے ہوا تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ اور حضرت سید احمد بریلویؒ نے احیاء اسلام کے لئے جو روم کو ترویج کیا تھا وہ موج در موج آگے بڑھتا ہی رہا، خود بہار میں صادق پوری بزرگوں نے اسلام کی خاطر جو عظیم قربانیاں دی تھیں وہ بھی روح پرور ثابت ہوئیں۔

اگرچہ بہار کی خانقاہوں نے میدان عمل میں مجاہدانہ سرگرمی نہیں دکھلائی، لیکن یہاں کے مجاہد نشینوں کے دلوں میں مردانہ بیداری پیدا ہوتی ہوگی۔ ویسے بھی یہ خانقاہیں ہمیشہ رشد و ہدایت کا مرکز بنی رہی ہیں۔ حضرت صوفی منیرؒ نے بھی اپنی اخلاقی اور مذہبی تعلمات کے لئے دود شعور و بکوشش کیا اور اس کے ذریعہ اصلاح کا کام جاری ہوا۔ بہار کی خانقاہیں ہمیشہ اردو ادب کی تخلیق میں آگے آگے رہی ہیں۔ حضرت صوفی منیرؒ نے خاندانی روایت اور قوم سے متاثر ہو کر مذہبی اور اخلاقی بنیادوں پر تخلیق ادب کا کام شروع کیا۔

حالات صوفی منیری

حضرت صوفی منیری اوصاف اور مسلک ظاہری و باطنی دونوں حیثیت سے صوفی صافی تھے۔ گمنام پسندی ان کا مسلک، عزت گزینی ان کا مشرب اور یہ ہمت خاص اپنے بزرگوں کے ورثے سے پائی تھی۔ سی لے آپ کے حالات تذکروں میں کیاب ہیں جن سے کچھ مواد لے جاسکتے۔ البتہ ان کے صاحبزادوں اور اخلاف نے کچھ آپ کے حالات پر اپنے مفہام میں جس کو انہوں نے ضروری سمجھا روشنی ڈالی ہے۔ اور زیادہ حالات سفینے کے بجائے سینے میں محفوظ رہے۔ جب میں نے اپنے پردادا حضرت صوفی منیری کے حالات کے سلسلے میں اپنے خاندان والوں اور ان کے متوسلین سے تحقیق و جستجو شروع کی تو مجھے کچھ ایسے واقعات و حالات کا پتہ چلا جو پردہ گمنامی میں تھے۔ اس سلسلے میں جو معلومات فراہم کئے ہیں وہ پہلی بار تحریری شکل میں منظر عام پر آ رہی ہیں۔ گو اس کے پہلے جناب ڈاکٹر خالد رشید صاحب نے حضرت صوفی منیری کی شاعری پر اپنا تحقیقی مقالہ پیش کیا ہے لیکن بعض تفصیلات اس میں بھی نظر نہیں آتی ہیں کیونکہ مقالہ نگار کو بہت سی ضروری باتوں کا علم نہ ہو سکا۔ عرض یہ ہے کہ مقور صاحب البیت ادبی بمافیہ (گھر والا ہی گھر کی حالت زیادہ بہتر جانتا ہے) کے مصداق حضرت موصوف کے حالات کا علم زیادہ ہوا اور میں نے اس مقالہ میں اس بات کو خصوصیت کے ساتھ مد نظر رکھا ہے کہ جتنے حقائق دستیاب ہو سکیں ضائع نہ ہو مثلاً حضرت صوفی منیری کی جائے پیدائش (منیر شریف) اور اس کی تاریخی اہمیت، خاندان، شادی و خانہ بادی اور اوراد و اخلاق کے تذکرے میں اس مقالہ میں بعض نئی باتیں پیش کی گئی ہیں۔

منیر شریف

منیر شریف رہ گوارہ ہے جہاں حضرت صوفی منیری کے خاندان کے بیشتر افراد اور خود انہوں نے پرورش پائی ہے۔ یہ ایک مشہور قصبہ ہے جو پٹنہ سے بیس میل چم واقع ہے۔ یہ تاریخی قصبہ کسی زمانے میں سیاسی، ثقافتی، تجارتی اور مذہبی حیثیت سے ایک اہم مرکز تھا۔ اب بھی جو کھنڈرات، شکستہ عمارتیں، مقابر، مزار اور مساجد کے آثار موجود ہیں ان سے اس کی عظمت گزشتہ کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ زمانہ قدیم میں دیہاتے سون اس قصبہ سے بہت متصل تھا۔ انر جانب سے سون اور گنگا کا سنگم نظر آتا ہے۔ پرانے قلعہ کے سلسلے آثار سے دکن جانب تک موجودہ قدیم خانقاہ اور مزارات کے درمیان واقع ہے اور اسی قدیم قلعہ کے آثار میں مور یہ اور سنگ زمانے کی بڑی بڑی نیٹیں (عریش، طویل اندر دینر) آج بھی جا بجا دکھائی

پڑتی ہیں۔ دھس کے اوپر اور دھس کے نیچے مورچوں کے زمانے کے چکر و برتنوں کے ٹکڑے جنہیں N. V. P. کہا جاتا ہے پائے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس قصبے کے کچھ کا یہ سارا بالائی حصہ جو پرانے زمانے میں قلعہ کا کام دیتا ہے اس کو محکمہ آثار قدیمہ نے اپنے ذمے کر لیا ہے۔

منیر کے متعلق جو سب سے قدیم تاریخی معلومات اب تک حاصل ہوئی ہیں اور جس کی تاریخی شہادت مؤرخین کے نزدیک ثقہ اور مستند تسلیم کی جاتی ہے وہ ایک تانبے کا دان پتر ہے۔ اس کی چوڑائی ۱۱ ساڑھے گیارہ انچ اور لمبائی ۱۵ ایک فٹ پانچ انچ ہے۔ اس میں چھبیس سطریں کندہ ہیں۔ پٹنہ کالج کے سنسکرت کے پروفیسر رام اوتار شرم نے اس سنسکرت کتبہ کو پڑھا اور مشہور مؤرخ سر جونا تھ سرکار نے اس کا انگریزی ترجمہ کیا۔ متن اور ترجمہ بہار ریسرچ سوسائٹی کے جرنل ۱۹۱۶ء میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ اس وقت میں منیر کے ایک برہمن رج بھادون گیر کے پاس یہ دان پتر تھا۔ آج کل ان کی اورادشری اسیکا گیر برہمن کے پاس محفوظ ہے۔ منیر ہائوسکینڈی اسکول کے دو اساتذہ کرام کے وساطت سے مجھے اس دان پتر کو دیکھنے کا موقع ملا ہے۔

مذکورہ بالا دان پتر کو گو بند چندریو نے مورخہ یکم ۱۱۳۲ مطابق ۱۱۶۱ء میں اتوار کو منبر کے ایک برہمن گنیشورسرن کو عطا کیا تھا۔ گو بند چندر ایک گہڑاں راجہ تھا۔ ۱۱۱۷ء سے ۱۱۵۵ء تک حکمرانی کی۔ اسی گو بند چندر کے سنسکرت کے دو تمام پتر (COPPER PLATES) گورکھ پور کے ایک رہی علاقہ لار میں بھی پائے گئے ہیں اور ان کا یکم سمیت ۱۱۴۶ء کے مطابق ہوتا ہے۔ اسے منیر کے ایک برہمن گنیشورسرن کو (GUNAVE) اور پدلی (PADALI) نام کے دیہات پٹالمانیارا (PATTALA MANYARA) میں دیا گیا ہے۔ پٹالانابا مغوں کے پرگنہ کا سردار تھا۔ گہڑاؤں نے بہار کے بیشتر علاقوں کو جس میں مگدھ اور منیر بھی شامل تھے پال اور ستین خاندان کے راجاؤں سے جھین کر اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔ گو بند پال نے اس پیٹ میں تین چیزوں کا ذکر کیا ہے۔

۱۔ بھاگ بھوگا کر (BHAG BHOGAKAR) ۲۔ پری رانیکر (PRE RANIKAR) ۳۔ ترشکا ڈنڈا (TURUSHKA DANDA) معطلی علیہ برہمن گنیشورسرن کو جسے یہ مواصنات دیئے گئے اس پر کچھ فرائض بھی عائد کئے گئے۔ ترشکا ڈنڈا کے اصلی مفہوم کے متعلق بہت اختلافات ہیں۔ کچھ لوگوں کا اتفاق اس بات پر ہے کہ یہ وہ محصول تھا جو ترکوں کے خلاف دفاعی اخراجات کے لئے بیا جانا تھا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ رقم ترکوں کو دینے کے لئے لی جاتی تھی، بہر حال یہ ترشکا ڈنڈا یعنی گلد (DENE GILD) قسم کی رقم تھی جو ترکوں کے دفاع یا ترکوں کو خراج ادا کرنے کے لئے لیا جاتا تھا۔ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ یہ فدیہ کی رقم تھی جو ترکوں کو دینے کے لئے وصول کی جاتی تھی تو شمالی اور مشرقی ہندوستان

میں شہاب الدین محمد غوری کی فتوحاتیں ۸۷۱ھ میں شہاب الدین محمد غوری نے غزنوی خاندان کے آخری بادشاہ خسرو ملک کو شکست دے کر لاہور پر قبضہ کر لیا۔ اس کے تقریباً ساٹھ سال قبل ہندوں پر ترکوں کی دھونس جم گئی تھی۔ یہ بھی کہ ۴۱۳ھ مطابق ۱۰۲۲ء میں محمود غزنوی نے لاہور پر قبضہ کر کے پنجاب پر اپنا تسلط قائم کر لیا اور ۸۷۱ھ تک یہ غزنوی سلاطین کے زیرِ نگیں رہا۔ کم و بیش ایک سو ساٹھ سے زائد ترک افغان مارے پنجاب میں پھیل گئے، درجن کے خاندان میں بس گئے۔ اس فوجی نقل و حرکت کے علاوہ علماء و صوفیاء بھی تھے جو مقبوضہ اور غیر مقبوضہ علاقوں میں اپنے ذکر و فکر، رشد و ہدایت کے جہاں اخراجات کی بھی تبلیغ کر رہے تھے۔ ان کو جسم و جان سے زیادہ قلب و روح کی تسخیر منظور تھی۔ اس سلسلے میں منیر کے سجادہ نشینوں کی سینہ بہ سینہ روایت حضرت مومن عارف اور حضرت امام محمد الملقب بتاج فیض کے حالات سے ہمیں باخبر کرتی ہے کہ خاندانی اور مقامی روایت تحریری صورت میں بھی آگئی ہے جو درخور اعتنائیں ہیں لیکن ان میں کچھ ایسی بات بھی ہیں جو محل نظر ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ایک مسلمان بزرگ تبلیغ اسلام کے جذبے سے سرشار گھومتے پھرتے ہندوستان تشریف لائے اور یہاں میں وارد ہوئے۔ منیر کو اپنی تبلیغی کام کے لئے پسند فرمایا اور وہاں اپنا کام شروع کیا۔ یہی کہا جاتا ہے کہ محمود غزنوی کے عہد میں حضرت مومن عارف تشریف لائے اور بنارس سے آگے بڑھ کر منیر نے بیت پہنچے۔ اس سلسلے میں ایک قدیم نوشتہ جو ہمارے خاندان منیر شریف کے کتب خانے میں موجود ہے اس کی یہ عبارت ذیل غور سے ”مومن عارف شاہ محمود غزنوی کے طرف سے خراج وصول کرنے کے لئے آئے ہوں یہاں منیر میں ایک قدیم خاندانی برہمن کے پاس تانبے کا پتر ہے جس پر بیانی بھاشا میں دو موضع منیر کے عداوت میں عطا کرنے کی سند ہے۔ میں یہ بھی سرتوم ہے کہ لٹیروں سے محفوظ رہنے کے لئے ترکوں کا مقبرہ وغیرہ ان کے حوالہ کر دو۔ اس راجہ کا نام گوبند چند دیو لکھا ہے اور اس کا خاندانی تعلق قنوج اور بنارس سے ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جب تک غزنویوں کا خاندان برسرِ عروج رہا منیر کا راجہ بھی خراج دیتا رہا اور آخر میں غزنویہ سلطنت ضعیف ہوئی یہاں تک کہ شہاب الدین غوری کے وقت خاندان غزنویہ بالکل مٹ گیا۔ نگر کوٹ وغیرہ کے راجاؤں کی طرح منیر کا راجہ بھی بے خوف ہو کر منہر ہوا اور مومن عارف کو خلافت دستور بادشاہان قتل تو کر نہیں سکا مگر وہ چاہتا تھا کہ اس کی عملداری سے نکل جائیں اور چونکہ اس وقت تک ادھر پورب میں کوئی مسلمان بادشاہ نہیں آیا تھا ان کا کوئی معین و مددگار بھی نہ تھا۔ اس سے حالت اضطراب میں بارگاہ رسالت میں فریادی ہوئے۔ اگر ترکوں کی رقم نذیر کی وصولی کے لئے بھیجے جانے کا قیاس کیا جاتا ہے تو یہ کچھ لگتی

۱۔ علی گڑھ تاریخ ادب اردو ص ۵۲۔ پروفیسر محمد حبیب

۲۔ علی گڑھ تاریخ ادب اردو ص ۳۶۸۔ مسعود حسن دہلوی

۳۔ قدیم خطوط ص ۵۵ خانہ اتی کتب خانہ منیر شریف و وسیلہ شرف ص ۵۵۔ مرتبہ۔ راقم الحروف

ہوئی بات معلوم ہوتی ہے کیونکہ مومن عارف کی شخصیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اگرچہ سلطان محمود غزنوی اور شہاب الدین محمد غوری مومن عارف کے درمیان بعدِ زمان ہے یہ بھی کہا جاتا ہے اور تحریریں صورت میں بھی ہے کہ مومن عارف کو منیر کے ہندو حاکم کے تشدد سے عاجز ہو کر ہندوستان چھوڑ کر مکہ معظمہ جانا پڑا۔ راستہ میں منیر میں انہیں جو کچھ تکلیفیں پہونچائی گئی تھیں اور زیادتیاں پہنی پڑی تھیں اُس کا تذکرہ لوگوں سے کیا کرتے تھے۔ مکہ معظمہ میں ایک عالم فقیہ بزرگ امام محمد نے ان کے حالات تفصیل سے سنے۔ وہ بیت المقدس کے رہنے والے تھے ان کی مدد کے لئے تیار ہو گئے۔ کچھ لوگ ان کے ساتھ ہو گئے۔ پتہ نہیں کس راستے اور کن کن مصائب و مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے منیر میں داخل ہوئے۔ منیر کے حاکم سے باتیں ہوئیں۔ نزاع اور جنگ کی نوبت پہونچی۔ حاکم مغلوب اور امام محمد تاج فقیہ غائب آئے۔ معلوم نہیں گو بند چندر کا کون جانشین یا اس زمانے میں کون سا حاکم یا راجہ بہار کا تھا جو امام محمد تاج فقیہ کے ہاتھ پیا ہوا۔ اس فتح منیر سے متعلق ایک رباعی بھی ہے جس کا مادہ تاریخ دین محمد شد قوی ہے اور یہی قدیم مخطوطہ میں بھی ہے۔ اس مادہ تاریخ کو صوفی نے منظوم کر کے منظر عام پر لایا ہے اور اصل یہ مادہ تاریخ بہت قدیم ہے۔ سجادگان منیر شریف سے سینہ یہ سینہ پہونچا ہے۔

یاقت چون بر راجہ منیر ظفر داد امام از دیں بجاتے را نوی
ہست منقول از بزرگان سلف سال آن دین محمد شد قوی
۵۷۶ھ

مسلمانوں میں بیان کردہ فتح منیر بہت پہلے کا واقعہ دان پتر کا ہے لیکن دو چیزیں اس کتبہ میں قابلِ توجہ ہیں۔ اس منیر کا نام منیر ہے اور یہی نام سنسکرت کتبہ دان پتر میں بھی ہے۔ دوسری اس سنسکرت کتبہ میں ترشکا ڈنڈا تحریر ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ترکوں کی دھونس ان کا رعب و دبدبہ ہندوؤں کے دلوں پر جما ہوا تھا۔ ممکن ہے کہ بہار میں مسلمانوں کی تنگ و دو گو بند پال کے زمانے میں شروع ہو چکی ہو اور یہ بھی تیاں کیا جاسکتا ہے کہ اختیار الدین بن بختیار خلجی کے پہلے سرفروش مسلمان مبلغین کی کوئی جماعت یہاں پہونچ گئی ہو اور امام محمد تاج فقیہ کی سرکردگی میں گہڑ وال راجہ کے نائب اور ہندو حاکم منیر کے درمیان جھڑپ رہی ہو۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ ۵۷۶ھ کا سن مطابق ۱۱۸۰ء برآمد ہوتا ہے۔ بختیار خلجی نے ۵۸۹ھ مطابق ۱۱۹۳ء میں منیر کو مرکز قرار دے کر بہار پر کامیاب تاخت کی تھی۔ تیرہ برس کا فرق زیادہ نہیں لیکن روایات کا یہ جز کہ امام محمد تاج فقیہ منیر کو فتح کرنے کے

بعد اپنے وطن بیت المقدس واپس گئے، اور اپنے دو بیٹوں اسرائیل و اسمعیل کو جنوبی و شمالی بہار میں تبلیغ و اشاعت اسلام کی تاکید کر کے چھوڑ گئے۔ اسرائیل کے بیٹے حضرت مخدوم یحییٰ منیری نے بختیار خلجی کو جب وہ منیر پہو پچا بہاں کی حکومت سپرد کر دی اور خود رشدد و ہدایت میں مشغول ہو گئے۔ تاریخ یحییٰ اعتبار سے قابل غور ہے کہ کوئی قدیم نوشتہ ایسا نہیں ہے جس میں کچھ قابلِ قدر تفصیلی اشارات ملے اور ان سے نتائج اخذ کئے جاسکتے۔ امام محمد اور ان کے سردار و خلاف کا شجرہ نسب بہت قدیم مخطوطات اور پرانے نوشتوں میں ملتا ہے، امام محمد کے پیٹے عبدالعزیز کے پوتے حضرت مخدوم شیخ شعیب مناقبہ ماضیہ میں ایک تاریخ کے طاب کے لئے بھی کچھ کام کی باتیں لکھ دی ہیں۔ لیکن وہ بھی امام محمد تاج نقیہ ہندو کا کم منیرہ اور ان کے بیٹوں پر کچھ روشنی نہیں ڈالتے البتہ مسلمانوں میں منیر کی بین کردہ فتح منیر سے اندر کچھ دان پتر سے روشنی ملتی ہے۔

پٹنہ کالج کے آبجہانی پروفیسر جے۔ این۔ سمارا نے اپنی تصنیف (GLORIES OF MAGADH) میں اپنا خیال ظاہر کیا ہے کہ گوبند پال کو بختیار خلجی کی فوجوں نے شکست دی اور قتل کیا۔ سمارا ڈی بیگ کیمبرج ہسٹری جلد سوم کے صفحہ ۱۵۳ اور گوریز آف مگدھ کے صفحہ ۳۶ میں غالب کنگنم کے نوٹ کی بناء پر یہ خیال برائی کی ہے کہ بختیار خلجی کی فتح بہار اور جنگاں سے پال خاندان کا خاتمہ ہو گیا اور اندر دوم مگدھ کا آخری پال حکمران تھا جسے بختیار خلجی نے شکست دی۔ ممکن ہے اندر دوم مونگیر اور اس پاس کے علاقوں کا حکمران ہو جسے مورخ مخدوم نور نے جن کی قبر جے نگر میں بتائی جاتی ہے۔ بختیار خلجی کی طرف سے اسے شکست دی۔ افسوس ہے کہ مخدوم نور کے مقبرے پر جو کتبہ تھا کنگنم نے اس کی چھاپ کی نہ اس کی عبارت کسی سے پڑھوا کر اپنے رپورٹ میں درج کی چونکہ پتھر ٹوٹا ہوا تھا۔

بختیار خلجی کے زمانے میں صوبہ بہار دو حصوں میں منقسم تھا۔ گنگا کے جنوب کے علاقے کو مگدھ اور شمالی حصے کو ترہت یا متھلا کہتے تھے، مگدھ کے وسیع علاقے کو چھوٹے نیم خود مختار حکمرانوں کے تحت تھے۔ شمالی بہار میں کوناٹکی راجاؤں کا دور دورہ تھا۔ اس خاندان کی بنیاد ۱۰۹۷ء میں سندیونے ڈالی تھی جس کی راجدھانی سمراؤں تھی۔ اور اسی کے خاندان کا ایک سردار جہانم سنگھ نامی بختیار خلجی کے زمانے میں سمراؤں گڑھ کا حکمران تھا۔ مل نقبہ (ملقب بمورخ خان جو اکبر اور جہانگیر کا معاصر تھا) اپنی بیاض میں لکھتے ہیں کہ بختیار خلجی نے ترہت یعنی شمالی بہار پر اپنا قبضہ جمایا لیکن اس کے اور کوئی شوق نہیں رہتا۔ بختیار خلجی کے بیس بیس سال بعد بدھ شٹ جاتری دھرم سوامی نے رام سنگھ دیو سے ملاقات کی۔ ہری سنگھ دیو سمراؤں گڑھ کا آخری فرمانروا تھا۔ سلطان فیض الدین تغلق نے ۱۳۲۷ء میں اسے شکست دے کر سمراؤں راج کا خاتمہ کر دیا۔

جنوبی بہار، گیا، مونگیر، پٹنہ، شاہ آباد، چھوٹا ناگپور وغیرہ میں بھی چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں۔ جنونی مونگیر، گیا اور

بھٹپور کی ریاستیں یا تو پا لوں کی ماتحتی میں تھیں یا گھڑوا لوں کے زیرِ اقتدار۔ کوئی مضبوط مرکزی حکومت بہار میں ایسی نہ تھی جو ترکوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک دے۔ آپس کی پھوٹ، مذہبی اور فرقہ وارانہ اختلافات سیاسی رقابت، دشمنی اور جنگ و جدل، اوپن پیچ، ذات پات اور جہد بہ قومیت، اتحاد و اتفاق کا فقدان یہ سب باتیں مسلمانوں کی کامیابی کی ضمانت ثابت ہوئیں۔

میر کی عظمت و شہرت سیاسی حیثیت سے بھی رہی ہے اور مذہبی حیثیت سے بھی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ میر شریف کی عظمت و بزرگی مسلمانوں کے عہد میں سیاسی حیثیت سے نہ تھی۔ یہ بزرگانِ دین و صوفیائے کوم کا گہوارہ تھا کیونکہ حضرت امام تاج فقیر کے بعد ان کے پوتے مخدوم احمد یحییٰ میری کے عہد میں بختیار خلیجی میر پہنچا اور آپ اس کو انتظام میر اور مصنافات میر سپرد کر کے رشید ہدایت میں مشغول ہو گئے پھر آپ کی اتباع آپ کے اولاد نے فقیرانہ اور درویشانہ زندگی کو نام و نمود اور آرام و شہرت پر توفیق دی۔ آپ کے بچے صاحبزادے حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین یحییٰ میری اور آپ کی اولاد خلافت کے ذریعہ اس خطہ پاک کو ایسی عظمت و شہرت حاصل ہوئی کہ اس کا اندازہ اس طرح کیا جاتا ہے کہ شاید ہی کوئی کتاب ایسی ہو جو میر شریف کے نام سے خالی ہو۔ میر میں قادری، مہرمدی، قردوسی، شطاری چشتی سلاسل کے بزرگان اپنے روحانی چہرہ فیض سے خلق خدا کو سیراب کرتے تھے۔ یوں تو اور بھی جاہیں تھیں لیکن میر شریف اور بہار شریف پر خصوصیت کے ساتھ عالموں، صوفیوں، بادشاہوں اور امرائے کبار کی نظریں پڑتی تھیں۔ اس امر کی صداقت کا پتہ یوں ملتا ہے کہ حضرت شرف الدین ابوالقوامہ بخاری جیسے عالم متبحر نے قیام فرمایا۔ حضرت سیدنا امیر ابو العلاء حضرت مخدوم شاہ دولت میری کی خدمت و صحبت سے فیضیاب ہوئے یہ حضرت نعمت اللہ قادری فیروز پوری نے حضرت مبارک مصطفیٰ میری کو بنفس نفیس تشریف لا کر ان کی امانتیں خلیفہ و مجاز و سند سجادی کی صورت میں عطا فرمائی یہ مسلمان سلاطین نے بھی میر شریف حاضر ہو کر آستانہ مخدوم کی جہہ سالی کر کے اپنی عقیدت و ارادت کا اظہار کیا ہے۔ سلطان سکندر لودی نے مخدوم یحییٰ میری کے تربت پر حاضری دی۔ سلطان حسین شرتی حضرت قاضی شطاری میری کے خدمت میں حاضر ہوا۔ شہنشاہ بابر نے میر شریف پہنچا کہ حضرت مخدوم یحییٰ میری کی آستانہ کی جہہ سالی کی۔ عبدالمحیم خان خانان بھی

۱۔ وسیلہ شرف ص ۱۲۲، مناقب الامامیہ ص ۱۳۱ مخطوطہ ۱۱۴۲ھ۔ ۲۔ فتح العارفین مولفہ شاہ حیات اللہ چشتی ابوالعزازی منشی ص ۱۳۱ مخطوطہ ۱۲۹۳ھ۔ ۳۔ یہ خلافت نامہ نقل نوشتہ دست خاص حضرت شاہ نعمت اللہ بن سید عطاء اللہ شاہ مبارک حسین المعروف شاہ دھرم میری کے دست خاص کا لکھا ہوا سنہ خلافت روزہ شنبہ ۲۵ محرم ۱۰۶۸ھ اور اپنی کتابت کا سنہ ۱۰۶۸ھ ہجری تحریر کیا ہے یہ مخطوطہ ہمارے قاتلانی کتب خانے میں محفوظ ہے۔ ۴۔ ہفت گلشن الہی مصنفہ کامو خاں۔

۵۔ نوادر کثیرہ ملحوظہ شاہ رکن الدین جندہ حاجی پیر امام الدین راجپوری، ۱۱۰ھ۔ ۶۔ ترک بابری و تذکرہ الامامیہ مصنفہ حبیب الرحمن خاں شیروانی۔

رعایت خاطر امام علی رضا در اعزاز و اکرامش کو شہد محمد با مامون بودند، انکہ بھر جان در گذشت ثلاث وصاتین قبرش آنجا بگور سرخ مشہور است۔ منبع الانساب میں امام محمد دیباج اور ان کی اولاد کے متعلق اس طرح تحریر ہے: "اسامے فرزندان حضرت امام جعفر صادق۔ آنجناب را ہفت پسر بودند۔ (ابراہیم موسیٰ اکاظم واسمعیل واسحق و محمد دیباج و عباس و علی۔۔۔ از نسل محمد دیباج در مکہ درینہ خلافت گرفت و لقب ادماون نمود و نسل او در خراسان و ماوراء النہر باشند۔"

جب یہ خاندان نیشاپور منتقل ہوا تو پھر آپ کی اولاد میں سے حضرت سید السادات علیم الدین گیسو دراز دانشمند نیشاپوری حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منبری کے عہد میں بہار شریف تشریف لائے اور مخدوم جہاں سے مرید ہوئے اور مجاز و خلیفہ ہو کر مرجعت کی۔ سید علیم الدین گیسو دراز دانشمند نیشاپوری کے برہمے صاحبزادے حضرت سید محمد فردوسی کی شادی مخدوم شاہ بدر الدین بدر عام زاہدی میرٹھی سے کی گئی۔ ولیمہ یا کہاں حضرت بی بی ابدال سے ہوئی اسی نسبت سے آپ کی اولاد ابدالی کہی جاتی ہے۔ ابدالیوں اور زاہدیوں کے اس بنحوگ سے اسلام کی اشاعت اور رشد و ہدایت کی ترویج زیادہ ہوئی۔ حضرت شہاب الدین قتل زاہدی اور حضرت حافظ متجن جلال نامی سارنی نے تبلیغ اسلام کے لئے ضلع سارن اور بلیا (اگر بریش) کا خطہ انتخاب کیا اور انہیں علاقوں میں شہید ہوئے۔ مختصر یہ کہ ابدالیوں کا قیام بہار شریف میں زیادہ دنوں تک نہ رہا بلکہ بہ مختلف مقامات میں پھیل گئے۔ یہاں تک کہ پانچ چھ پشتوں کے بعد موضع شرف آباد عرت پار تھو ضلع پٹنہ میں مقیم ہوئے۔ حضرت غلام مرتضیٰ ابدالی کے دست خاص کا ایک نوسترہ جو نوٹھی صفحات پر مشتمل ہے۔ راقم الحروف کے خاندانی کتب خانے میں موجود ہے اس کی ابتدا میں ان کے خاندان کا نسب نامہ ہے جو تیس صفحات پر محیط ہے۔ بارہ صفحوں میں زاہدیوں کا سلسلہ نسب اور بقیہ چوڑے صفحات سے تیس صفحات تک ابدالیوں کا سلسلہ نسب ہے۔ پھر ذکر و سلسلہ کی حقیقت پر روشنی ڈالی ہے ایک رسالہ ص ۳۱ پر اذکار طریقہ قادریہ فیضیہ وارثیہ بنا رہا ہے جس کا ایک صفحہ حضرت پیر حبیب اللہ قادری کے دست خاص کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اس کے بعد ذکر پر رسالہ ہے اس کے صفحہ ۸ کے آخر میں یہ تحریر ہے۔

رسالہ ذکر بتاریخ چہارم شہر جمادی الاولیٰ بست و چہار جلوس والامطابق ۱۱۳۳ھ عہد بادشاہ عادل عالم

محمد شاہ بادشاہ غازی حقانی خلد اللہ ملکہ و سبطانہ، در آوان نوب مستطاب معالی الاقطاب عبد الرحیم خاں بہادر ارقم ناہید

۱۔ ص ۱۱۱ جلد دوم ص ۶۲۱ مخطوطہ کتب خانہ مشرقیہ خدابخش پٹنہ۔

۲۔ منبع الانساب تابع سید معین الحق بھونیری ص ۱۵۱ مخطوطہ کتب خانہ مشرقیہ خدابخش پٹنہ۔

۳۔ ذریعہ دولت ص ۳۱، تذکرہ ابو نجیب مصنفہ حسن میاں پھولواڑی ص ۵۔

۴۔ آپ کا مزہ چھوٹی درگاہ کے نام سے مشہور ہے آپ حضرت شہاب الدین جن کو زاہدی میرٹھی کے پوتا تھے آپ کے والد حضرت فخر الدین شانی زاہدی سے اور حضرت جلال الدین جہانیاں جہاں گشت سے ملاقات ہوئی اسی ملاقات میں جہانیاں جہانگشت نے بھی ولایت بہار پر آپ کو مامور کیا جیسا کہ تذکرہ گوراد ابراہیم ہے۔ تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے ذریعہ دولت ص ۱۱۱ اور ص ۱۱۲

در بلند عظیم آباد سرکار و صوبہ بہار۔ حمودہ فقیر غلام مرتضیٰ و مد سید صدر محمد بن سید۔ آئینہ ابی ق۔ مدد و ر۔ ق۔ سے
پتہ چلتا ہے کہ اس خاندان کے، فرادے اپنی نسبی عظمت کو سینے اور سفینے دونوں میں محفوظ رکھا۔ اسی در علی دونوں جینوں
سے بھی یہ خاندان ممتاز رہا ہے یہی وجہ ہے کہ افسانہ پادشاہان یا تاریخ افغانی مخطوط ۱۱۸۹ھ مصنفہ شیخ محمد کرم امام
شیخ خلیل بھالی کے صفحہ ۲۹ پر تحریر ہے کہ سکندر یک دور بہادرانہ مدد علی و دیار و مثل شیخ بڑے صفائی و حسن بڑن
میری و شیخ بڑھ طبیب و شیخ فخر الدین زادی و ہمہ مستحقان را اندادہ از بہادرانہ شدہ مذکورہ، رہبارت سے چہ
چلتا ہے کہ ساہ وقت کے دل میں اس خاندان کی کسی بڑی عظمت و دولت تھی۔

حضرت سوتی مشیری کا بہ خاندان بہار شریف محمد دی سہ سے میں کئی بشیر ملک بنو طن رہ کر پاپ محمد سینوں کے
بعد موضع شرف آباد عرب پار تھوٹے میں غلام مرتضیٰ سے محمد علی تک قیام بند رہا۔ جب حضرت سوتی مری کے مدد بہ حضرت
سید محمد علی ابدالی کا انتقال ۱۳۴۰ھ میں ہو گیا تو آپ کے ناموں حضرت محمد علی بن حسین میری کہ کو در آپ کے بیٹے
بھالی اور بہن کو میر شریف سے آئے۔ خاندانی خاندان کوہ کی اطاعت و خدمت میں با نکل صرف کردار و فقر و فاقہ
توکل و قناعت کی زندگی ابن شعار خاص بنا رہا۔

نسب نامہ پوری

سید مرتضیٰ بن سید محمد علی بن سید احمد علی بن سید محمد شرف بن سید
جہانگیر بن سید محمد بن سید محمد بن سید محمد بن سید محمد بن سید محمد بن سید محمد بن
سید احمد بن سید علی بن سید جہانگیر بن سید محمود بن سید محمد بن سید علم بن سید نور زرا سید نبی پوری بن سید سمور
بن سید احمد بن سید محمد بن سید فضل اللہ بن سید عبد اللہ بن سید عبد الغنی بن سید حسین بن سید ابراہیم بن سید سمیع
بن سید جعفر بن سید پوری بن امام محمد دیوانہ بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن سید شہداء امام
حسین بن فاطمہ الزہراء بنت سید الکونین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۱۔ یہ نسخہ برنس میوزیم میں ہے اور اس کا کتابی عکس جیسوال ریسرچ انسٹی ٹیوٹ پٹنہ میں ہے اس نسخہ ایک ر۔ م۔ س۔ کی رسائی
پروفیسر حسن عسکری صاحب کے ذریعہ ہوئی۔

۲۔ شرف آباد عرب پار تھوٹے پٹنہ کا ایک گاؤں ہے جسکی پٹنہ اسٹیشن سے دوری دو میل و نسب ختم زد کھن ہے۔

۳۔ نسب نامہ قدیم مخطوطہ ۱۱۳۳ھ مکتوبہ حضرت غلام مرتضیٰ ابدالی، ذریعہ دولت ۱۳۲

۔ نہاں خبار سے بھی تھوڑی سی خبر کی نسبت مسلم ہے اس لئے کہ موصوف کی ناہاں منیر شریف صلح پٹنہ کے دوران اور مذکورہ میں ایک مقدس دربار کی مقام کی وجہ سے اپنے اندر بڑی عظمت و عقیدت رکھتا ہے آپ کے ناہاں خاندان کے مورث اعلیٰ حضرت امام محمد تاج فقیر نے ۵۵ھ میں بیاب المقدس سے آکر منیر کو فتح کیا اور اشاعت اسلام کے لئے دئی کیا۔ آپ کے بعد اختیار الدین بن محمد بختیار خلجی نے ۵۹ھ میں صوبہ بہار پر مکمل قبضہ کر لیا۔ اس وقت آپ کے پوتے مخدوم یحییٰ منیر منیریت کی نگہبازوں کا انتظام و انصرام کرتے تھے آپ نے اسے بھی اختیار الدین خلجی کو تفویض کر دیا اور خود مستند و رشید و ہدایت بر صلوٰۃ اللہ و ربہ کے دربار میں رہ کر تدریج و اشاعت کی یہ خاندان آپ ہی کے سچے صاحبزادے حضرت مخدوم جہاں کے فوٹو روحانہ سے نہایت اسی صوبہ میں نہیں بلکہ ہندوستان میں بھی کافی شہرت کا حامل رہا۔ علمی اور علمی کا نام اس خاندان کے اس طرح روشن ہوئے کہ علم موصوف میں میرے خیال میں سب سے بڑا سرمایہ اسی خاندان کا ہے۔

صوفی مہر کی مائتہ ان سب کی تفصیلی حالت اس طرح ہے کہ مخدوم یحییٰ منیر کے بڑے صاحبزادے مخدوم جلیل الدین فردوسی کے صاحبزادے مخدوم شرف الدین کی شادی مخدوم یحییٰ منیر کے سچے صاحبزادے مخدوم جہاں کی بڑی صاحبزادی ناطقہ یعنی چچ زہین سے ہوئی ان کے صاحبزادے مخدوم جہاں سے آپ کی پانچویں پشت میں مخدوم شاہ دوست منیر کی شخصیت بڑی عظمت و شہرت کی تاس رہی۔ آپ کی اولاد میں شاہ بدایت اللہ منیر بہت بافیض اور صاحب تصنیف بزرگ تھے آپ کے بڑے حضرت مبارک حسین عرف شاہ دھرم منیر سے شاہ شاہ وقت کو بڑی عقیدت تھی۔ یہ شاہ عالم بادشاہ غازی کے ایک زمانہ سے ظاہر و ناہ ہے جو شاہ منیر شریف میں اب تک موجود ہے۔ آپ کے چھوٹے بھائی اور مجاز و خفیہ حضرت شاہ لطف علی منیر صاحب علم و فضل صوفی بزرگ اور صوفی متاعر تھے۔ کہ سنی تخلص تھا۔ آپ کی صاحبزادی بی بی رحیمہ صوفی منیر کی والدہ ماجدہ تھیں اس طرح صوفی منیر کا ناہاں خاندان حسب نسب، تصنیف و تالیف، بزرگی و تقدس اور عظمت و شہرت کے اعتبار سے صوبہ بہار میں ممتاز رہا اور ہے۔

نسب نامہ مادری

سید فرزند علی بن بی بی رحیمہ بنت شاہ لطف علی منیر بن محمود بن ملک بن عنایت اللہ بن اشرف بن محمود حافظ بن محمد منیر بن جلال بن عبد الملک بن اشرف بن محمود بن سلطان بن جہان نشہ بن مخدوم اشرف بن مخدوم جلیل الدین بن مخدوم یحییٰ منیر بن اسرائیل بن امام محمد فقیر ہاشمی بن امام ابو بکر بن امام ابو اسحاق بن امام ابو الصائم بن امام ابو الدہر بن ابو الیث بن امام ابو شحمہ بن امام ابو الدین بن امام ابی مسعود بن ابو ذر بن زبیر بن عبد المطلب جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۱۔ بعد متبرک صلا مرتبہ راقم الحروف۔ ۲۔ انوار دلالت مصنفہ حضرت شاہ عبد القادر ابدالی اسلام پوری ص ۲۶
۳۔ ابو ذر بن خبیبی تحت درجہ دوست عنک مرتبہ راقم الحروف الدار المنشورہ تاحلہ مصنفہ عبد الرحیم صادق پوری میں ہے جس سے یہ تصحیح ثابت ہو چکا ہے کہ بعض کتبوں میں ابو ذر کی جگہ ابو ذر غفاری ہے۔

پیدائش و تعلیم و تربیت

حضرت سونو منبری کی ولادت نوبہ سوان کی نصف رات
بارہ سو تیرہ ہجری ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۸۱۸ء کو

اپنی تانبہاں قصبہ منیر شریف ضلع بٹنہ میں ہوئی۔ مادہ تاریخ ولادت منظر حق سے اس سبب سے بھی دور ہے
دشگیر شاہ اولاد علی نے یہ مادہ تاریخ کہا اسے خود سونو منبری نے قطعہ ہندو ماہ سے

دردِ شب یہ تہم شب زمرہ عبد الغفر
شبِ شبنم جو فلکند بخیر ست دریا
گفت تختِ جگر و منظر حق خواجہ ما
شاہ اور دھلی سالِ درونِ باز

آپ کا نام فرزند علی اور لقب جلیل الدین جس کے کنیت ابو محمد اور لکھی نام منہ حق درختس ہوئی ہے۔ آپ کے والد ماجد
کا سالہ ۱۲۶۰ھ میں سر سے اٹھ گیا اس وقت آپ کی عمر سات برس کی تھی۔ آپ کے والد شاہ عظیم علی ۲۰ برس تھے
آپ کو اور آپ کے بچے بھائی اور ایک بہن اور آپ کی والدہ ماجدہ کو متعلق بہ نسبت متعلق ہے۔

آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت تانبہاں ہی میں ہے۔ یوں بلکہ منبری کے زمانہ بچہ ہونے میں ہی آپ نے
پڑھیں۔ علمی ذوق و شوق کے سبب فائدہ لائی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا خصوصیت کے ساتھ محمد رسول اللہ کے صحابہ و فضیلت
اور حضرات شطا و طریق و ابستگان خواجہ خواجگان ابوالخیر نجم الدین بکری و غیرہ میں خود کو روز بروز روزی و غیرہ
اور سب دکان مخدوم جہاں یعنی اپنے پیراں سلسلہ کی سعادت و تائید و توثیق پر کامل دستگاہوں میں کی۔ اس پر نفق
ہے کہ اس میں آپ اپنے معلمین میں ممتاز تھے۔ چنانچہ آپ کے مثالِ خلافت ہیں آپ کے دستگاہ نے واقف اصرار لیا
آپ کا لقب تحریر فرمایا ہے۔ حضرت شاہ و امین احمد فروری سجادہ نشین نانک و بہار تریف نے فی سندھ لکھ بھٹی
میں آپ کے قطعہ تاریخ کی شریفی اس طرح قایم کی "از حرمت گزیر گنج استاد، بحر منقہ و رنگہ ی ہند ہفت
بلند، صوفی سانی، جناب شاہ فرزند علی زہدی، فروری، منبری زامن برکاتہ"

مخدوم جہاں سے آپ کو غلو بحد مشق و ماں تک پہنچا کر دو چار مادہ جذب سلوک میں خود کو "توت بدین و الیٰ" لکھ و
سے خطاب کرتے۔ بقول حضرت عبد العیم اسی سجادہ نشین خانقاہ رشیدیہ جو پورہ (پونہ) سے
وہ دل کیا جو دلیری ہو نہ پکڑے وہ مجنوں نہیں ہے جو سبکی نہیں ہے

آپ نے قادیان عربی کی کامل دستگاہ مولوی حسام الدین جہد اور مولوی فیض اللہ شادری سے اسلام و دین حاصل کیا
آپ کی تعینیت "راحت روح" کے مطالعہ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ فنِ طب سے بھی واقف تھے۔ لیکن یہ فن کن کن زنگول
سے حاصل کیا اس کی تحقیق نہیں۔ اسی طرح فنِ بزم و فنِ عرب اور کشتی کا فن راحت روح کے ذریعہ واقف

کرنا ہے۔ اس کی تحقیق نہ ہو سکی کہ آپ اس میں کس شاعر تھے۔ البتہ چودھری شیخ غفور الحق اسلامپوری نے اپنے ہاں اس کے لئے مسلمان مرزا صاحب شاعر دو جانشین است و بنوٹ بہادر زمان خاں زمانہ رپورٹی کو بلوایا اور تعلیم دلائی ہو سکتا ہے آپ نے اس سے یہ فن معلوم کیا ہو۔ شعر و شاعری کا ذوق بھی ورثہ میں ملا تھا۔

شادی خانہ آبادی

حضرت شہزادی منیری کی شادی کی کچھ تفصیلات اس فرد حساب سے معلوم ہو جاتی ہے جو آپ کی شادی کے موقع پر سلامی اور دوسری رسموں کے سلسلے میں مرتب کی گئی تھیں۔ حسن اتفاق سے وہ ہنوز موجود ہے۔ عقد کی صحیح تاریخ اور وقت کے متعلق اس مرد حساب سے کسی شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔

آپ کی شادی آپ کے قریبی رشتہ کے چچا حضرت شہید دلایت علی بہمدنی اسلامپوریؒ کی منجھی صاحبزادی بی بی قدیرن سے ۲۶۹ھ مطابق ۱۸۵۲ء میں ہوئی۔ آپ کے خسر کا خاندان صوبہ بہار میں شرافت و عظمت اور خانہ دینی روایت کے اعتبار سے بڑی اہمیت و عظمت کا حامل ہے۔ چونکہ مبلغ کامل بہمدنی علی بہمدانی جن کا نام کتب میں اشاعت اسلام سے گہرے طور پر درج ہے انھیں کی ازاد ہیں شہید دلایت علی بہمدنی میں ازادنازدی جہت سے حضرت درویش بن ابراہیم سلطان بلخی کی ازاد ہیں۔ آپ کی صاحبزادی بی بی قدیرن کے بطن سے بن صاحبزادے بڑے شہید عبدالقادر، منجھے سید شاہ محمد عمر اور چھوٹے سید شاہ سید علی اور دو صاحبزادیاں بی بی مجیدنا اور بی بی من ہوئیں۔ آپ نے دوسرے نکاح بھی کیا تھا جس سے سید شاہ احمد اللہ منیریؒ تھے۔ جب کہ تحریر ہو چکا ہے کہ آپ کی شادی ۱۸۵۲ء میں حضرت سید شاہ دلایت علی بہمدانی کی صاحبزادی سے ہوئی جن سے بین بیٹے اور دو بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ پور دوسری محل سے در بیٹے پیدا ہوئے جس میں سے ایک محمد بن ہی میں انتقال کر گئے۔ آپ کی ازادگی تفصیل یہ ہے۔

اولاد

(۱) سید شاہ بہادور:- آپ کے بڑے صاحبزادے تھے۔ آپ کی ولادت تیرہ صفر ۱۲۸۵ھ اور سال ۲۹ رمضان المبارک ۱۲۳۹ھ میں ہوئی۔ آپ کی تعلیم علامہ ہری حضرت مولانا سید محمد رفیق سے ہوئی۔ مزید تعلیم ظاہری و باطنی اپنے والد ماجد سے ہوئی۔ چونکہ آپ کے، نا حضرت نساد دل بت علی بہمدنی کی کوئی اولاد نہ رہی نہ رہی اس لئے آپ کو سلسلہ تدریس میں مرید کر کے اپنا

نائب کے ختم حضرت نساد دل بت علی بہمدانی کی ازاد ۳۱۰ھ میں اور ذیاب ۱۳۰۰ھ میں ہوئی۔ آپ کے خسر شاہ دلایت علی خانقاہ اسلامپور کے بچانہ زمین تھے۔ نو ہجری میں دیوان شاہ جیب اللہ قادری، ذہید اعظم علی بہمدانی کی مسند سجادگی کا اسلام پور میں ثبوت ملتا ہے۔ آپ اپنے نانا حضرت شاد ہدایت علی بلخی کے مرید و حواری اور سلسلہ ابوالاعلیٰ کے مشہور بزرگ خذوم شاہ بلخی علی نو آبادی کے مستر تھے۔ نذر محبوب میں شاہ محمد کبریا و نعلانی دنا پوری کے لکھا ہے کہ "حضرت شاہ دلایت علی قدس سرہ اپنے عصر کے رنگارنگ و بے مثل تھے" تذکرۃ الابرار حضرت شاہ محمد واجد میں تحریر ہے "خذوم بلخی علی خاندان شاہ دلایت علی من حضرت تذکرہ ابونجیب ص ۱۱ میں ہے کہ "حضرت شاہ دلایت علی اسلام پوری قدس سرہ ازاد و مرید و حواری حضرت محمد بن علیؒ اور صوبہ بہار میں تیرہویں صدی کے بزرگوں میں عارف کامل شیخ گزرے ہیں" اور دلایت ۲۱۰ھ حضرت محمد تقی اسلامپوری میں آپ کی تعلیمی حالت ہے۔

مجاز دجانشین قرار دیا۔ آپ کی شادی حضرت فیصل الدین جوئی منبری اشاگرد عبد الغفور سناخ کی صاحبزادی بی بی لطیفہ سے ہوئی جن سے متعدد اولاد ہوئیں۔ آپ کے بڑے صاحبزادے علم محترم سید شاہ محمد ابو لیرکات صاحب مدظلہ آپ کے چلنے والے جانشین ہیں آپ کے چھوٹے صاحبزادے علم محترم سید شاہ محمد عثمان صاحب رشتاں ابدالی مدظلہ تعلیم باکسٹن دیوبند میں بڑی شہرت کے مالک ہیں۔

(۲) سید شاہ محمد عمر :- آپ کے بچھلے صاحبزادے تھے۔ آپ کی ولادت ۲ محرم ۱۲۱۱ھ اور دھماں ۳ شعبان ۱۳۲۸ھ میں ہوئی۔ آپ کی ابتدائی تعلیم والد ماجد سے ہوئی بعد میں آپ نے رپٹی میں مولانا عبدالحق صاحب تفسیر حقانی سے تعلیم حاصل کی۔ علم طب کی تعلیم حکیم محمود خاں اور حکیم داحل سے حاصل کی۔ لیکن اس کی تکمیل حکیم مولانا محمد رفیق نے کی۔ آپ مرید مجاز و خلیفہ اپنے والد ماجد کے تھے۔ آپ کی شادی سید مدیح الزماں صفی پور (پٹنہ) کی صاحبزادی بی بی کریمین سے ہوئی جن سے متعدد اولاد پیدا ہوئیں۔ آپ کے صاحبزادے علم محترم سید شاہ محمد کبھی صاحب مدظلہ ہیں۔

(۳) سید شاہ سید علی :- آپ کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ آپ کی ولادت ۳ صفر ۱۲۹۵ھ اور دھماں ۳۶ جمادی الاول ۱۳۶۲ھ میں ہوئی۔ آپ کی تعلیم ظاہری اپنے والد ماجد سے ہوئی۔ آپ نے عربی کی تعلیم مولانا سید رفیق سے حاصل کی۔ سید علیہ مدرسہ دارالعلوم مسجد رنگیان (کاپٹور) میں مولانا احمد حسن خاں صاحب سے حاصل کی مرید دہلی و خلیفہ اپنے والد ماجد کے تھے۔ آپ کی شادی حضرت سید شاہ غلام مظفر بلخی سجادہ نشین خاندان قادریہ (پٹنہ) کی صاحبزادی بی بی وجہین سے ہوئی جن سے دو صاحبزادے اور کئی بیٹیاں ہوئیں۔ آپ کے بڑے صاحبزادے راقم الحروف کے والد ماجد حضرت سید محمد ایوب ابدالی صاحب نیز اسلامپوری دام ظلہ اعلیٰ جناب سید شاہ محمد شعیب ابدالی صاحب مدظلہ منسجم پاکستان ہیں۔

(۴) آپ کی دو صاحبزادیاں تھیں۔ بڑی بی بی مجیدہ مادر۔ چھوٹی بی بی اما من جن کی شادی سید لطف الرحمن جانیزی سے ہوئی۔ ان سے سید عطا الرحمن پیدا ہوئے مرید اپنے نانا مولوی منبری سے اور سرشار اپنے چھوٹے ماموں شاہ سید علی کے والد مجاز، اپنے بڑے ماموں شاہ عبدالقادر کے بھی تھے۔

(۵) سید شاہ اسد اللہ :- آپ دوسری محل سے تھے۔ آپ کی ولادت ۱۲۹۱ھ اور دھماں ۱۰ رجب ۱۳۵۸ھ میں ہوئی۔ تعلیم ظاہری مولانا سید محمد رفیق صاحب سے ہوئی پھر تعلیم ظاہری دیباٹنی اپنے والد ماجد سے حاصل کی مرید مجاز و خلیفہ اپنے بڑے چچا سید شاہ اولاد علی کے تھے۔ آپ کی شادی موضع چندن پورہ (من مضافات اسلامپور) کے میر گل صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی جن سے کئی اولادیں ہوئیں۔ آپ کے صاحبزادے علم محترم سید شاہ محمد علی صاحب مدظلہ ہیں۔

آپ کے والد ماجد کا جب دھماں ہوا تو آپ اور آپ کے بڑے بھائی سید اولاد علی دونوں کس تھے اور ناہال میں تھے اس لئے ابتدائی سلسلہ جواباً عن جد چلا آ رہا تھا اسکی

خود خلافت

ابارت و خلافت نہ مل سکی جیسا کہ کہا جا چکا ہے کہ آپ کی تعلیم و تربیت ناہنال ہی میں ہوئی۔ آپ کے نانا حضرت شاہ لطف علی میری متخلص بہ کرتھی اپنی سند سجدگی کو اپنے بھتیجے اور مرید و مجاز حضرت شاہ قطب الدین فردوسی کے حوالہ کر کے خود اس منصب سے کنارہ کش ہو کر اپنے صاحبزادے شاہ اعظم علی عرت بیکس میری کے ساتھ آبائی اجمالی مکان کی خلوت میں توکلًا علی اللہ بیٹھ رہے اور اور دہشت و ہدایت دی۔ پھر اپنے صاحبزادے کی تعلیم و تربیت بالنی و ظاہری کر کے اپنا مرید و مجاز و جانشین بنایا۔ آپ کے بعد شاہ بیکس میری نے اپنے پھانچے شاہ اولاد علی کو اپنا مرید و مجاز و جانشین نامزد کیا۔ اور حضرت شاہ اولاد علی نے اپنا مرید و مجاز و جانشین حضرت صفوی میری کو بنایا۔ اس طرح یہ سلسلہ حضرت صفوی میری کے ماموں شاہ بیکس میری کے توسط سے جاری و ساری ہوا۔ مختصر یہ کہ صفوی میری کو ابارت و خلافت اپنے اور دیگر سلاسل کی ناہنالی و ساطت سے ملی۔

عام مشاغل

آپ کا سب سے محبوب مشغلہ تصنیف و تالیف تھا جس کا بین ثبوت ہے کہ اردو ، فارسی میں متعدد کتابیں اور رسائل آپ کے قلم سے معرض وجود میں آئیں۔ جن میں سے بعض زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں۔ حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد بھینی میری اور آپ کے جانشینوں اور اپنے خاندان کے بزرگوں کی اکثر و بیشتر تصنیفات کو اپنی پاکیزہ کتابت میں منتقل کیا ہے، جن کی تعداد آخری باباً سو تک پہنچتی ہے۔ اس سے جو ذلت، پختا تو اس میں آپ اور اولاد ظائف میں مشغول رہتے۔ دشت و ہدایت بھی آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ آپ کی داریہائی آمدنی کافی تھی لیکن کبھی اس کی طرف راغب نہ ہوئے۔ اول تو ناہنال میں رہے اور والد کے کمسنی میں انتقال پا جانے اور داریہائی سے دور رہنے کی وجہ سے وہاں کی جاگیر و املاک سے خاطر خواہ فائدہ اٹھانے کا موقع نہ ملا دوسرے یہ کہ طبیعت کی فقیہانہ بے نیازی نے ناہنال ہی کے ترکے برتن امت کی اور داریہال سے جو کچھ ملا تھا وہ تو آپ کی والدہ کے مصارف میں رفتہ رفتہ ختم ہو گیا۔ آپ نے پھر بھی کوئی توجہ نہ فرمائی اور توکل اللہ فقر کی زندگی پسند فرمائی۔ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ایمان رکھا۔

اوصاف و کمالات

آپ غایت منکسر المزاج تھے۔ ایک باعمل صوفی اور خاندانی شکوہ و عظمت کے باوجود جبر و دستا سے دلچسپی نہ رکھتے تھے۔ ابتر

۵۔ شاہ اعظم علی عرت بیکس میری فارسی کے شاعر تھے اور علم اصول تکسیر میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ تمام طرق سلاسل کے اشغال و افکار کو جو کہ ایک کتاب تزییب دی ہے جس کا نام ”ذخیرۃ السوکر عرت مجمع الافکار“ ہے یہ تالیف مخطوطہ ہے اور راقم الحروف کے خاندان میں موجود ہے۔ آپ کی تفصیلی حالت ”ذریعہ دولت“ مرتبہ راقم ملاحظہ میں درج ہے۔

۶۔ ذریعہ دولت ملاحظہ

کبھی کبھی موسم سرما میں دستار کا استعمال کرتے۔ روض فردوسہ کے بہت دلدادہ تھے۔ آپ کو فن تصوف پر کامل عبور تھا۔ اور اس طرف توجہ خاص تھی۔ تصوف کی اصطلاحات میں مصطلحات المتصوفین، مشائخ کے تذکرے میں وسیلہ شرف و ذویعہ دولت، تصوف کے نکات کو داستان کے پیرایہ میں راحت روح، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فنائیت و محبت میں عروۃ الوثقیٰ اور اس کے علاوہ متعدد کتابیں تصنیف کیں۔

خلق و خلاقیت

ہر دور میں صوفیائے کرام کچھ ایسے لوگوں کی تعلیم و تربیت باطنی کرتے ہیں جو ان کے بعد ان کے رشد و ہدایت کے کام کو جاری رکھیں چنانچہ حضرت صوفی منیری نے بھی اس کام کے لئے اپنے اولاد و اخلاط اور مریدین کو اجازت و خلافت سے نوازا جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

حضرت شاہ محمد عبدالقادر سریدو جانشین تو اپنے نانا شاہ ولایت علی ہمدانی کے ہیں لیکن حضرت شاہ ولایت علی ہمدانی نے اپنے داماد صوفی منیری کو وصیت کی تھی کہ جو کچھ انہیں تعلیم باطنی کی ہے وہ سب عبدالقادر کو بتا دی جائیں۔ اسی نے آپ کی تعلیم باطنی صوفی منیری ہی نے کی اور اپنی طرف سے بھی انہیں مجاز و خلیفہ بنایا۔ اپنے منجھلے بیٹے شاہ محمد عمر کو مرید فرمایا اور ان کی تعلیم باطنی فرما کر اپنا مجاز و خلیفہ بنایا۔ اپنے چھوٹے بیٹے شاہ سید علی کی تعلیم ظاہری و باطنی دونوں کی اور اپنا مرید و خلیفہ و مجاز کیا۔ ان تینوں بیٹوں کو ایک ہی سال یعنی ۱۳۱۱ھ میں اجازت و خلافت سے نوازا۔ موصوفہ الذکر کو مرید و منظر اور دونوں مقدم الذکر کو مرید و منظر کو مثال خلافت تکریم فرمایا۔ شاہ اسد اللہ تو اپنے بڑے چچا شاہ اولاد علی کے مرید و مجاز تھے لیکن انہیں اپنے والد حضرت صوفی منیری سے بھی اجازت و خلافت حاصل تھی۔ حکیم مولانا سید محمد رفیق نے بھی آپ سے اجازت و خلافت حاصل کی آپ کے برادر زادہ سید احتشام الدین حیدر مشرقی منیری کو بھی اجازت و خلافت سے نوازا۔ شاہ موسیٰ کاظم کی بھی تعلیم باطنی کی اور انہیں بھی اپنا خلیفہ و مجاز و مرید بنا اس کے علاوہ منبر، آرمہ اور اسلام پور میں بھی آپ کے خلق و تھے۔ رشد و ہدایت کا یہ سلسلہ آپ کے خلفائے عظام سے جاری و ساری رہا اور ہے۔

اسفار

حضرت صوفی منیری کے سفر کے متعلق خطوط سے اتنا ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے کہیں دور کا سفر نہیں کیا ہے۔ شرف آباد عورت پار تھو سے آنے کے بعد آپ مستقل طور پر منیر شریف رہا ہیں قیام پذیر رہے۔ شادی کے بعد اسلام پور میں قیام رہتے رہے چونکہ آپ کے اہل و عیال اسلام پور ہی میں قیام پذیر تھے۔ اور یہاں کا علمی اور صوفیانہ ماحول آپ کی طبیعت کے موافق تھا اور منیر شریف سے جو فطری انس و محبت تھی اسی کی وجہ سے آپ منیر شریف جا کر کئی کئی ماہ قیام فرماتے۔ اسلام پور میں بیوی اور بچوں کی محبت، منیر شریف میں اپنے پیر اور بزرگان سلاسل کا مدفن ان دونوں کی وجہ سے دونوں ہی جگہ بار بار آتے جاتے۔ دونوں جگہوں کے اعوا

میں شرکت کا التزام رکھئے۔ اس کے علاوہ آپ ہمارے شریف عرس کے موقع پر تشریف لے جاتے۔ راہگیر جا کو قیام فرماتے کبھی کبھی آ رہ اور اس کے علاقوں میں اپنے متوسلین کی طلب پر تشریف لے جاتے۔

شخصیت و انفرادیت

حضرت ستونی منیری کی شخصیت انفرادیت کی حامل تھی۔
حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد بکینی منیری سے

غایت عقیدت کی بنا پر آپ کی روش اور مسلک کے شدت سے پیرو تھے۔ آپ کی تعلیمات اور تصنیف و تالیف کو اپنی زندگی کا رہبر بنایا تھا۔ اور اس سلسلے کی اشاعت کو اپنا فرض سمجھتے تھے۔ چنانچہ جب آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالقادر سلسلہ قادریہ میں سرید ہوئے تو آپ کو بہت افسوس ہوا۔ مجلس سماع میں کم شریک ہوتے۔ مزار کے بارے میں حضرت مخدوم جہاں کے مسلک پر سختی سے پابندی کرنے۔ اپنے بڑے بیٹے کو اس سلسلہ میں خط لکھا ہے جو ان کی تصنیفات کے ساتھ مسلک ہے اس سے آپ کے نظریہ کا تجزیہ کیا جاسکتا ہے۔ شعر و شاعری کی اصلاح میں بھی آپ نے اپنے اساتذہ کے انتخاب میں بہت احتیاط سے کام لیا ہے۔ آپ کے فاراداد بھائی، جوش منیری نے عبدالغفور نساخ سے اصلاح لی اور آپ کو بھی مشورہ دیا لیکن آپ نے غالب دہلوی کو اس کے لئے منتخب کیا۔ شاعری میں بھی انفرادی رنگ تھا۔ جب بذریعہ ڈاک جناب غالب کی خدمت میں بغرض اصلاح ۲۸۲ھ میں منیر شریف سے عریضہ تلمذ کے ساتھ چند شہنویاں، رباعیات اور قطعات دہلی کیلئے تو غالب نے آپ کے اعتبار پر اصلاح دی اور وجہ اصلاح بھی تحریر کی چنانچہ شبلی کشش عشق کے اس شعر کو فہمزد کر دیا اور قلمزدگی کی وجہ نہ لکھی وہ شعر یہ ہے۔

ہوں کسی ڈھب جدا مگر نہ ہوں نہ ہوں وہ علحدہ پر نہ ہوں

ہمارے استاد جناب شاہ اکرام الدین احمد عرفان اسلام پوری شاگرد رشید عتو فی منیری نے فرمایا کہ "انا (عتو فی منیری) یہ فرماتے تھے کہ خدا غریق رحمت کو ہے استاد مرحوم (غالب) نے بہ شعرا کا دیا اور اس کی کچھ وجہ تحریر نہیں کی۔ شاید ان کو لفظ غلطہ درست نظر نہ آیا۔ اور اس کے پہلے کا ایک مصرع ع ایک جان اور ایک قالب تھے۔ اور مابعد کا ایک مصرع ع دونوں اشیاء ہم کئے مدفون، ہی پوچس کرنا مناسب سمجھا۔ مگر اشتباہ ہو سکتا ہے کہ گنج ہشید ان کی طرح ایک ہی قبر میں دونوں راہیں جدا جدا ہم مدفون کئے یہاں وصل غیر ممکن الفصل کی صورت "جدا نہ ہمے" کا صریح اظہار بہتر اور مناسب تھا۔ بہر کیف اس وقت کتاب راحت روح میرے زیر تصنیف تھی۔ خیال تھا کہ اس کتاب کی اصلاح کے موقع پر اس کی طرف بھی توجہ دلاؤں گا کہ ان کے انتقال کی خبر آگئی۔" عتو فی منیری نے قلمزد شعر کو تو نہیں لکھا لیکن اسی مفہوم کا دوسرا شعر کہہ کر اس

نہ عرفان اسلامپوری ہے اہل خانہ ان کی بیعت کی نسبت سے اپنے استاد لکھنوی منیری کو نانا اور اپنے حقیقی نانا چودھری شیخ ظہور الحق صاحب مرحوم اسلامپوری کو چودھری صاحب کہا کرتے تھے۔

غالب سے عقیدت کا یہ حال ہے کہ ”پراحت روح“ لکھ کر آپکی خدمت میں انہیں بھیجنے کی تہ تیغی بلکہ گزشتہ زمانہ سے جب آپ کے انتقال کی خبر آئی تو بیس برس تک لکھنا توقوت کر دیا جس کا اظہار اس طرح کیا ہے۔

پھر بیس برس اسے لکھنے لگا ہوں میں ڈالا ہے غم میں دل کو مرے اس کتاب نے
 افسوس! میرے دل میں یہ حسرت ہی رہ گئی دیکھا نہ اس کو غالب غفراں آپ نے

حضرت صفوی منیری نے ۲۲ رزی الحجہ ۱۳۸۲ھ کو قصیدہ شیر شریف سے تین شوبان۔ بوار الحمد، کشش عشق، روشن عشق ایک ندرسی قصیدہ جو عربیہ تلمذ پر مشتمل تھا، دور باعیات مرزا غالب کی مدح میں تاریخ وصال حضرت شیخ محمد انظم علی عرف بلکہ منیری قدس سرہ بذریعہ ڈاک مرزا غالب کی خدمت میں دہلی روانہ کیا، عنوان پر یہ رباعی لکھی۔

رباعی :-

ایں دیدہ کہ گل اشدے میخو اهد غالب ز در تو مدوے میخو اهد
 عنوان قبالہ نصیب صفوی از مہر سیماں سندے میخو اهد

مرزا غالب نے اصلاح شروع کرنے سے پہلے قصیدہ مدحیہ کے پہلے ”الافرق الاوب“ لکھ کر اپنے حسن ادب کا اظہار کیا ہے۔
 قصیدہ مدحیہ میں صفوی منیری کا ایک شعر ہے :-

فلک جناب اسد اللہ خان والا قدر بھدر مرتبہ مسند نشین جاہ و جلال

یہاں مرزا صاحب نے اسد اللہ خان کو خط کشیدہ کر دیا اور سامنے حاشے پر لکھا: ”علی کا غلام اور تمہارا خاں زاد“ پھر قصیدہ اور شتوی کی اصلاح شروع کی۔ بعض اشعار پر دو دو ماد بنائے ہیں۔ غالب کا وہ خط بھی پیش کر دینا مناسب ہو گا جسے انھوں نے صفوی منیری کے خط کے جواب میں لکھا ہے، نقل مکتوب غالب بحوالہ عربیہ تلمذ حضرت صفوی منیری۔

”زبدہ اولاد حضرت خیر الانام قبلہ و کعبہ مجموعہ اہل اسلام حضرت پیر و مرشد کی خدمت میں فقیر غالب کی ہمدی قبول ہو۔ اپنے ابوالآباد کے بوڑھے غلام کو آپ نے اتنا کیوں بڑھایا کہ وہ بیچارہ شرم سے پانی پانی ہوا جائے۔ کافی تھا اوراق اشعار کا بیج دینا اور حکم اصلاح کی اجازت دینی۔ میری مدح آپ کے غلاموں کو موجب ننگ و عار اور میرے آبا و اجداد کو ذریعہ عروا و افتخار۔ حکم بجالایا دو ایک جگہ املا کی صورت بدی گئی کہیں مصرع کی جگہ شعر لکھا گیا۔ بے غائلہ تسکوت و تملق آپ کا کلام معجز نظام ہے۔ لفظ عمدہ ترکیب اچھی معنی بلند۔ فقیر اپنا حال زار لکھتا ہے۔ اکثر برس کی عمر پانچ سو سے اپنی کالوں سے بہرا دن رات پڑا رہتا ہوں۔ دو سطریں لکھیں بدن تمہارا حرف سوچنے سے رہا تو تین سافط حواس مختل

لہ اس قطعہ تاریخ میں صرت پانچ اشعار ہیں جن سے سات سو تیس طریقے سے سزا و نجات نکلتا ہے۔

عمر بھر دیکھا کئے مرنے کی راہ مر گئے پر دیکھئے رکھلاؤں کر

ایام شباب میں بحر طبع روانی بہ نجاتی ہیں کیا کہ خدات صاحب ذوالفقار لکھا چاہیے۔ حمد و نعمت و منقبت و ساقی نامہ و مشن نامہ لکھا گیا۔ داستان ملازمت کی توفیق نہ پائی تا چار برس سچا سو سو شعر کو کئی جیسو سیرا غلاط بہ بان قلع از دل سے انصاف نکالے اور اس کا ایک رسالہ مرتب کیا۔ قاطع بہ بان ادس کا اسم اور درنش کا وی بی ادس کا علم ان دو رسالہ نامہ مطبوع اور مطبوع کو ایک پارسل میں اور حضرت کے بھتیجے ہوئے اور ان کی بھی ادسی پارسل میں اور یہ خط بہ گانہ ڈاک میں بجا دیا اور توقع رکھتا ہوں کہ دسکی رسید روز درو دیا ادس کے دوسرے دن ملے گی۔

چونکہ غائب اور صفوی میری کے ادبی تعلقات پر خاطر خواہ تحقیق نہیں ہوئی ہے اس لئے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض ضروری مسائل کی طرف اشارہ کر دیا جائے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ صفوی میری کی شاگردی کا سلسلہ اس وقت شروع ہوا جب غائب ضعیفی اور بیماری کی وجہ سے جواس شاعری جو وہ کرتے پھر بھی انہوں نے جس توجہ اور دقت نظر سے صفوی میری کی ان شاعریوں کا مطالعہ کیا ہے جو ان کی ذہنیت میں بھیجی گئی تھیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ غائب کو صفوی میں ایک ایسا جزو ترنایں نظر آیا جس کا کلام ان کی داد و تحسین کا مستحق تھا چنانچہ انہوں نے صفوی کے جن اشعار پر اپنی گہری بسندیدگی کا اظہار کیا ہے درج میں اصلاح دی ہے اور اصلاح کے ساتھ حاشیے پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے وہ ساری جہریں ہر محقق کے لئے توجہ کی مستحق ہیں۔ جیسا کہ کہا گیا ہے صفوی میری نے اپنے شاگردی کے سے پیش کرتے ہوئے جو غریبہ بھیجا تھا اور اپنی جن شہزادوں کی نقابوں روانہ کی تھیں وہ سب غالب کی اصلاح سے مزین ہو کر مہربان و پس آئیں تو صفوی کو نہ صرف ان کی شاعرانہ کوششوں کی داد ملی بلکہ انکی ہمت افزائی بھی ہوئی اور انہوں نے تصنیف و تالیف کی رفتار اور تیز گردی۔ راحت روح کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں غالب کی شاعرانہ بصیرت سے فائدہ اٹھانے کا کس قدر شوق تھا لیکن ابھی ان کے تعلقات کو دو ہی تین سال گزرے تھے کہ غائب ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئے۔ اور صفوی میری پر اس کا ایسا اثر ہوا کہ انہوں نے وہ کتاب

۱۔ اس خط کو سب سے پہلے سید سلیمان ندوی نے سعادت اعظم گڈ "ماہ نومبر ۱۹۲۸ء میں در نشی ہمیش پر شاد نے ہندوستانی
الہ آباد ۱۹۳۵ء میں شائع کیا۔ غلام رسول مہر نے کتابت غالب ڈاکٹر محمد الدین احمد آرزو نے علی گڑھ میگزین غالب نمبر
اور احوال غالب میں۔ ڈاکٹر خواجہ سعد مدنی نے آج کل دہلی ۱۹۵۴ء کے مکتب نمبر میں طبع کر دیا اس کے علاوہ بھی متعدد
تصنیفات و تالیفات اس خط کی نقل ہیں علم حضرات نے پس کی ہیں۔

جو غائب کی خدمت میں پیش کرتے ہے اس سرور کی نفی سے جس سال تک کے ہے اٹھ کر الگ رکھ دیں۔ اس کا تنقیدی ذکر حسب روح کے تنقیدی جائزے کے ذنب سامنے آئے گا۔

جہاں تک غائب کی اصلاح اور مشوروں کا تعلق ہے وہ آج بھی زمانہ کے رعبہ دست نفوذ و اثر شروں کے خاندان میں محفوظ ہے اور ان کے مطالعے سے محقق رہنے طور پر نتائج اشد کر سکتا ہے۔ مثال کے طور پر چند اصلاحات پر حواشی کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ شہنوی لود احمد، کشت عشق، روض عشق اور فسیدہ کی اصلاحیں پیش کی جا رہی ہیں۔ غائب نے اصلاح کے وقت کہیں مضرع کی جگہ مضرعہ در شعر کی جگہ شعر بدلا ہے۔ بعض شعر قلمزد کے ہیں۔ کہیں دو دو صار بنا ہے ہیں وہ غائب بھی لکھ دیا ہے۔ اصلاح نثر لکھی ہے۔ جہاں وجہ لکھی ہے وہاں اصلاح کے ساتھ وجہ اصلاح بھی لکھی ہے۔

تفسیر کے اشعار

اصل شعر:-	بنور ہوش خرد جست دوش را دکال	یکو چہ دم افروخت بیع آغ خیال
اصلاح:-	فخوش	غائب
اصل شعر:-	قرار و صبر یہ تعظیم اور جاں برداشت	لگا ہ شوق دوید از برائے استقبال
مرزا غائب نے جاں کے نون کو قلمزد کے جا بنا دیا یعنی سے		
اصلاح:-	قرار و صبر یہ تعظیم اور جا برداشت	لگا ہ شوق دوید از برائے استقبال
	(غائب)	
اصل شعر:-	خیال گفت کہ ایں یوسف است من در خواب	نہ زید و بود بہ بیداری اینچنین چو جمال
اصلاح:-	یوسف بخوابم آمد است	(غائب)
اصل شعر:-	نشان سعد نظر بر سپہر خوبی او	قرآن مشتری و ماہ بود از رخ و خال
مرزا صاحب نے اس شعر کو قلمزد کر دیا اور کوئی وجہ نہ لکھی۔		
اصل شعر:-	شگفتہ گفت کہ روزے بخاک بودن تو	بر آوردن دل خیزات مراد ہن
اصلاح:-		دہد مگر کہ بر آورد خیزت تو (غائب)
اصل شعر:-	نہے مکان فلک منزلت رفیع نشان	خجے مکیں ملک مرتبت ستودہ خصال
اصلاح:-	"پایہ" (غائب)	"رہبر" (غائب)

اصل شعر:-	گرفتہ شمع بے نور خود ز مہر فلک	بشرق و غرب بگم و پید روز و شب مہر سال
اصلاح:-	"ہنہ وہ عینک شمس و قمر بہ پید و فلک"	(غالب)
اصل شعر:-	فلک جناب اسد اللہ خان والا جاہ	بصدر مرتبہ مسند نشین عز و جلال
اصلاح:-	"قدر"	"جاہ" (غالب)

علی کا غلام
اور ہتھارا
خانہ زاد

اسد اللہ خان خط کشیدہ کا حاشیہ "علی کا غلام اور ہتھارا خانہ زاد" لکھا ہے دوسرے مصرعہ کے نیچے یہ نوٹ لکھا
"لفظ 'جاہ' حک کردہ غالب بندہ بوقت اصلاح تبدیل کرد"
اصل شعر:- یہ بخت بخت ذلیل از دیں خصم تو باد کہ قطرہ عرش نقطہ باد بر رخ دال (غالب)

رباعی

۴ سب تیغ زباں سے انھیں پہچانتے ہیں ۴ غلب وہ ہیں سب اہل سخن جانتے ہیں ۴
۴ یہ شیر خد کے نام کی ہے برکت ۴ لوہا اسد اللہ کا سب مانتے ہیں ۴
اس رباعی میں کوئی اصلاح نہیں ہوئی ہے البتہ غالب نے ہر مصرعہ پر دو دو (۴) بنا دیئے ہیں۔

شنوی مرأت حقیقت

اصل شعر:-	دے رسانی کر یہ ہو عرش خرام	ذہن میرا کرے ملہم کا کام
اصلاح:-		"الہام" (غالب)
اصل شعر:-	طاؤم صدرہ بنا دے اس کو ۴	پہر جبریل لگا دے اس کو
اصلاح:-	(غالب)	
اصل شعر:-	نوبت نعت نبی ائی ہے	خامہ سرگرم جبین سائی ہے ۴
اصلاح:-		(غالب)
اصل شعر:-	نور حق جلوہ رب شانِ الہ	ہے تو بندہ مگر اللہ اللہ ۴
		(غالب)

۱۔ اس سنوی کی اصلاح منشی بہیس بر شاد کچھار ہندو یونیورسٹی بنارس نے رسالہ ہندوستانی اشاعت جلد پنجم میں ہمارے خاندان سے حاصل کردہ شائع کرا پایا ہے۔

اصل شعر :- اک مقام اون کا اور کا تو کہیں عرض دوسری نہ جیوں نفسی

اصلاح :- اس شعر کو قلمزد کر کے حاشیہ میں نوٹ لکھا "یہ شعر دو مجاہد سے لیا گیا ہے۔" (غالب)

دونوں جگہ تشبیہ کا بے لوث ہے یہ تافیر جائز نہیں دوسرے سے یہ کہہ نہیں سکتے ۱۶ (غالب)

اصل شعر :- خلق سے تھا رد دل فرور مراد صبح کے بوسے سے ہے رد مراد

اصلاح :- "افروز" (غالب)

اصل شعر :- ۴ پہلے سورج سے بھر ہوئی ہے ۴ اداس کے آمد کی خبر ہوئی ہے

اصلاح :- مرزا اوشہ نے ہر مصرعہ کے شروع میں ایک ایک نماد بنایا ہے۔

اصل شعر :- راہ میں اداس کے ہزاروں فرنگ رنک سے بھر تھی ہر پڑ سنگ

اصلاح :- "غیرت" (غالب)

اصل شعر :- حق نے دی اداس کو شہنشاہی دیں کی عت مہ نبوت کی عین

اصلاح :- مونس کو مہ نبوت کی عین (غالب)

نوٹ :- "نگین اور نگینہ مذکور ہے مونس نہیں ہے"

اصل شعر :- ہم ہیں یا گوشہ محرومی ہے تحت مغربی ہے مغربی ہے

اصلاح :- محرومی و (غالب)

اصل شعر :- شب معراج فلک سے گزرا رستہ جن و ملک سے گزرا

اصلاح :- "سرحد ملک" (غالب)

ثنوی کشش عشق

اصل شعر :- آج ہی کل میں بڑے گی تو یہ میکشی ہم سے چھوٹے گی تو یہ ۴

اصلاح :- (غالب)

اصل شعر :- مرحلہ اتفاقا طے ہے آج راتہ بیکہ نسل سے ہے آج ۴

اصلاح :- (غالب)

اصل شعر :- ناک میں تنکا بالین کا گواہ دفعہ مریدی مگر خدا کی پناہ ۴

اصلاح :- (غالب)

۱۷ یعنی تقطیع میں حزن لڑی گرتا ہے۔

اس شعر :- بھرنشوں بھی مرا بت دینا کوئی نقش قدم مٹا دینا
اصلاح :- "اوسکے دروازہ کا پتہ" (غالب)
اصل شعر :- گھر میں تو فرش گل پہ مائل خراب اور در پہ تیرے میں خانہ خراب
اصلاح :- "میں در پہ تیرے" (غالب)

دریہاں میں سلسلہ کلام کی مناسبت سے ایک غزل آگئی ہے ذیل کے دو اشعار سی غزل کے ہیں۔

اصل شعر :- آب جوں با تھو مت بڑھا کہ یہاں نہ گریبان ہے نہ دامن ہے
اصلاح :- "اے" (غالب)

اصل شعر :- جام تجھ میں ہے حلقہ دم مجھس بادہ بزم شیون ہے
اصلاح :- "میں تیرے" (غالب)

اصل شعر :- ٹکڑے بہہ دشہر کے با شش طغیوں سے درختوں کے زمیں خراش
اصلاح :- "طغی" (غالب)

اصل شعر :- دس شکل فرار مشکل ہے ایک میں ہوں ہزار مشکل ہے
اصلاح :- "ار" (غالب)

اصل شعر :- ہوتا ہوں بے جس سے فراری مجھ پہ کزتا ہے منہ جلا دی
"جس سے ہوتا ہوں جاگے" (غالب)

مصرعہ اول میں ہوتا کا اعتدائی طرح دب رہا تھا اور مصرعہ کی دونوں شکلوں میں کوئی شکل بھی اس عیب

سے خالی نہ تھی صورت سے مدحیہ رفع ہو گیا۔

اصل شعر :- بھوے بچی میری یاد گاہ نہ کی رحم کی مجھ پہ اک نگاہ نہ کی
اصلاح :- "آہ" (غالب)

اصل شعر :- جان تجھ ہی ہے آن کر لب نک ہے ترا انتظار پر کب تک
اصلاح :- "اگلی جان مضطرب" (غالب)

اصل شعر :- نو نماش میں داں رہی ہمہ دم شکیا ہیں بزرگ نقش قدم
اصلاح :- "ہر" (غالب)

اصل شعر:-	بہنیں حمد سے رہا نہ رہا	دور بخ بھر بس اسیر عذاب
اصلاح:-	"یوں ہی" (غالب)	
اصل شعر:-	حسرت دید بس نکل جائے	دل سے دلکی بوس نکل جائے (غالب)
اصلاح:-		
اصل شعر:-	جی دیا ہم نے مدعا نہ مر	خوں بہا اور حوں بہا نہ ملا (غالب)
اصل شعر:-	دن کو چاک جگر سے راہ ہوئی	بیقرار سی قرار گاہ ہوئی (غالب)
اصل شعر:-	نہ رکھ ضعف نے یکڑ کو پاؤں	آبلوں نے نہ روکا پڑ کر پاؤں
	"پاؤں" (غالب)	
اصل شعر:-	سہ سے پانک بندے نہ بد روز	کو پی غرق آب محل دگر
اصلاح:-	"بہا دیا نہ بد روز"	(غالب)
اصل شعر:-	گر بڑی تہمت سے اکبر راویں	بصر رہا تھ نہ بس غبار اویں
	"دھم" (غالب)	
	"نوٹ دھم بریں مفتوح دہائے مسمرہ دیمہ (غالب)"	
اصل شعر:-	جب اٹھا قل ک از دہام ہوا	وگ دوڑے مجوم عام ہوا
اصلاح:-	زور	غالب
	"از دہام بر وزن افتدال غت عربی ہے زلسہ موزونہ سے معنی سے (غالب)"	
اصل شعر:-	ہوں کسی ڈھب جدا مگر بنوے	نہ ہوئے وہ عکدہ پر بنوے
غالب نے اس شعر کو نامزد کر دیا یکس وجہ نہ لکھی۔ شخصیت و انفرادیت میں اس پر روشنی ڈالی گئی ہے		
اصل شعر:-	داغ کے گل سے یہ اتاریں گلاب	کھینچیں انگور زخم سے مئے ناب
اصلاح:-	"کھینچتے ہیں"	"اور" (غالب)

شہنوی روش عشق

اصل شعر:-	بام پر رشک ماہ کو دیکھا	دختر بادشاہ کو دیکھا
اصلاح:-	"ایک" (غالب)	

اصل شعر :-	غم دنیا نہ فکرِ معنی کنی	نو ۔ تو میں کارفرما تھی
اصلاح :-	”غم دین تھا نہ فکرِ دنیا“	(غالب)
اصل شعر :-	ٹھہرے اس آگ پر دل بیتاب	ہے مزا کشتہ جو جو یہ سیما
اصلاح :-		”یکمیا ہے جو کشتہ ہو“ (غالب)
اصل شعر :-	دور سا غریب نکو گودش بخت	ہے چکیدہ کبابِ دل یک لخت
اصلاح :-		”خوں چکاں ہے“ (غالب)
اصل شعر :-	عشق کا راز تھا جو طشتِ ازبام	شد جہراں بھ سیرچ کو بھام
اصلاح :-	”کھل گیا تھا تمام“	(غالب)

نوٹ۔ طشتِ ازبام افتادہ ایک مش ہے فارسی میں اردو میں بھی مستعمل ہے اب اہل اردو طشتِ ازبام لکھتے ہیں اور شہرہ مراد لیتے ہیں فقیر کے نزدیک جائز نہیں ہے بلکہ قبیح ہے۔

اصل شعر :- تو ہے عالم میں نرِ محبوباں فخرِ عشاق ہے دے خوباں
اصلاح میں حضرت غالب نے پورے شعر کو بدل دیا ہے اور یہ شعر لکھا ہے

اصل :- حس میں تو ہے شہرہ افق لاک خوابے زبدہ عشق
اصل شعر :- اسی کو چہرے در پہ پہنچا وہ اسی رستہ سے گھر پہ پہنچا وہ
”پہنچا“ (غالب)

نوٹ پہنچا مصدر اور اس کے سب مشتقات کا الٹا ہے (پہنچا) (غالب)
اصل شعر :- کاش سودوں میں عاشقی کا گھر سر کے جی میں ہو کاش اس کا گھر
اصلاح :- سب (غالب)

مذکورہ بالا اصلاحات پیش کرتے اور غالب کے خط کی نقل سے میری مراد یہ ہے کہ ادب تو ان حضرات کے سامنے یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ صفوی میری اور غالب دہلوی میں کتنے گہرے تعلقات تھے اور دونوں کو ایک دوسرے سے کتنی عقیدت تھی جس کا ثبوت یہ ہے کہ صفوی میری کو جب غالب کے انتقال کی خبر ملی اس وقت وہ ایک تمثیلی داستانِ راحتِ روح نو تیب دے رہے تھے اور ان کی تمنا تھی کہ اس کو بغرض اصلاح غالب کی خدمت میں پیش کر دیں گا لیکن جب یہ خبر ملی کہ غالب کو حج کر گئے ہیں تو اس حد میں نہیں برس تک راحتِ روح کا لکھنا ترک کر دیا اور اس کا اس طرح اظہار کیا ہے

پکھڑ پیسوں برس اسے لکھنے لگا ہوں ہیں ڈال دے غم میں دل کو مرے اس کتاب نے
افسوس میرے دم میں یہ حسرت ہی رہ گئی دیکھنا اسکو غالب غمراں مآب نے
یاں تک میں لکھ چکا تھا کہ وہ کوچ کو گئے پھیری سمنہ غم کی باگ انقلاب نے
دل کو مگر خیاں لگا تھا کہ ان دنوں قصہ وہی شروع کیا فکر خوب نے

مہربان محتاج بیان نہیں کہ غالب ذرا اردو روزوں میں علی مقام رکھتے تھے اور نظم و نثر کے مخصوص طرز کے موجد اور بانی قرار دیے جاسکتے ہیں۔ یہ ناممکن تھا کہ صوفی منبری جس روحانی اور ذہنی کشتش کے ماتحت غالب تک پہنچے تھے اس سے انہوں نے پورا فیض حاصل نہ کیا ہو۔ جو شخص بھی صوفی کے شری اور شعری تخریروں کا مطالعہ کرے گا سے غالب کے اندر سخن کی جھلکیاں برابر نظر آئیں گی چونکہ اس مقام میں صوفی کی شاعری زبردست نہیں ہے اس لئے اس موضوع پر تفصیل سے کچھ کہنے کی گنجائش نہیں۔

تصنیفات

چونکہ تصنیف و تالیف کا آپ کو قس ذوق و شوق تھا اس سے متعدد نظم و نثر کی تصانیف آپ کے زیر قلم کا نتیجہ ہیں جن سے آپ کے سنجیدہ اور گہرے علمی مذاق، ادبی ذوق اور سلیقہ نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔

(۱) لواء الحمد آپ کی مشہور منظوم ہے جو زیر طبع سے مرتب ہو چکی ہے۔ اس میں صوفی منبری کی شاعرانہ عظمت و مہارت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ اس کے ایک شعر پر غالب جیسے معروف صاحب فن، استاد نے چارہاں (۲) بندے ہیں اور اپنی عانت پسندیدگی کا اظہار کیا ہے وہ شعر یہ ہے

تو حق جلوت رب شان اہ ۴۴ ہے تو بندہ مگر اللہ اللہ ۴۴

(۲) تنویر کشش عشق اردو مطبوعہ انجمن ترقی اردو کراچی ۱۹۵۰ء

(۳) تنویر روش عشق اردو مطبوعہ انجمن ترقی اردو کراچی ۱۹۵۰ء

(۴) عروۃ الوثقی منظوم اردو ۱۳۱۸ھ میں مطبع حنفیہ طینہ سٹی سے اشاعت پذیر ہوا۔

(۵) اصول تکسیر (فارسی) مشتمل بر نقوش و تعویذ و عملیات مطبوعہ

(۶) دعائے گار دینہ (عربی) حضرت ابراہیم ابوالحسن شہر یار گار دینی سے ہے اور آپ اس کے جامع ہیں چار مرتبہ طبع ہو چکی۔

(۷) سرود ستوں (فارسی) مطبع نول کشور سے طبع ہوئی ہے۔

(۸) وسیلہ شرف و ذریعہ دولت، چار مرتبہ چھپ چکی ہے۔

(۹) راحت روح اردو نثر میں تمثیلی داستان ہے۔ دوم تہ طبع ہو چکی ہے۔

غیر مطبوعہ

(۱۰) مصطلحات التصوفین، فارسی میں اصطلاحات صوفیہ میں ضخیم کتاب ہے۔

(۱۱) خطِ راست، اردو نثر میں ترویج مذہب اہل تشیع

(۱۲) ارمغان، منظوم فارسی

(۱۳) مخزن، نثر فارسی

(۱۴) نمونہ قیامت، اردو منظوم

(۱۵) نتیجہ بانچہ، تنوی اردو

(۱۶) اردو میں خطبہ جمعہ، منظوم اور مناجات منظوم

ان تصانیف پر تفصیلی بحث آگے آئے گی اس لئے یہاں اختصار سے کام لیا گیا۔

تلامذہ صوفی منیری | صوفی منیری نے جس طرح امتداد کے انتخاب میں غور و فکر سے کام لیا۔ اسی طرح انھوں نے شاگردی کے انتخاب میں بھی بڑی احتیاط برقی۔ آپ کے حلقہ تلامذہ

میں مشرقی منیری، عطاء بھاری، عرفان اسلام پوری، عارف اسلام پوری اور اسد اللہ منیری اشد قابل ذکر ہیں۔ ان لوگوں کے احوال نمونہ کلام کے ساتھ پیش کئے جاتے ہیں۔

مشرق منیری | آپ کا نام شاہ اقصیٰ الدین حیدر اور تخلص مشرقی ہے۔ آپ کی ولادت ۱۲۸۲ھ میں منیر شریف میں ہوئی۔ آپ کے والد شاہ خلیل الدین احمد جوش منیری متوفی ۱۲۹۱ھ

صوفی منیری کے خالہ زاد بھائی تھے اور فن شاعری میں عبدالغفور نساج کے شاگرد تھے۔ مشرقی منیری نے ذوق شاعری ورثہ میں پایا۔ آپ کی ابتدائی تعلیم صوفی منیری ہی سے ہوئی اور اس سلسلے میں آپ صوفی منیری کے ساتھ اسلامپور میں بھی رہے بعد ازاں حکیم مولانا سید محمد رفیق صاحب سے اور تمام علوم و فنون کی تکمیل حکیم عبدالحمید پریشان عظیم آبادی سے کی۔ آپ شاعر و نثر نگار و روحانیت سے مشہور ہیں۔ ابتدا میں صافی تخلص کرتے تھے۔ بعد میں مشرقی تخلص کیا۔ آپ کو تلمذ کی نسبت صوفی منیری سے حاصل ہے مشرقی منیری نے کچھ اپنے حالات قلمی بیاض میں قلمبند کئے ہیں۔ یہ بیاض اب کتب خانہ قادریہ اسلامپور کی زینت ہے اس کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

تھا اس میں شاہ عظیم آبادی، فضل حق آزاد، اختر ہزاری، عشرت گاہی، شوق نیوی وغیرم شاہ شہزاد شریک شاعر تھے
اس میں آپ بھی شریک تھے۔ اس شعرے میں آپ کا یہ شعر بہت مشہور ہوا ہے

شب چکی جوئے، بگئے یہ میوش ہونی دھوپ جڑائے کراٹھ ساقی مد ہوش ہونی دھوپ

تصانیف (۱) الفاظ اردو کی تحقیق اور تصحیح اغلاط پر ایک رسالہ موسوم بہ تحقیقات لکھا تھا بعد میں
سے ضایع کر دیا (۲) کلیات فارسی موسوم بہ بضاعت مزجات (۳) کلیات اردو مسمیٰ بہ مغنیات

(۴) فارسی الفاظ کی تحقیقات میں ایک رسالہ ضافہ نامی بھی لکھا۔ کلیات فارسی میں گیارہ قصیدے تین ٹنویاں حسن المآب،
دعوت الداع، رتیق الخوم اور اردو کلیات میں سات تصانیف در ایک ٹنوی موسوم بحقیقت العبرت (سرودستان مصنفہ صوفی میری
کا منظوم ترجمہ) اور کچھ نہیں موجود ہیں۔ نوٹ: کلام یہ ہے۔

کعبہ جاتے تھے سہرا دستان بیٹھ گئے ہائے جاتے تھے کہاں اور کہاں بیٹھ گئے

میاں زبان و موش و خرد صحت چل بے اک درد آپ کا دل ویراں میں رہ گیا
اشک در نور دونوں گئے مشرقی مگر رونے کا شوق رہا گریاں میں رہ گیا

صنعت غیر منقولہ

دوم رکا عالم ہوا دن کا دگر آد دل ہمدم رسا ہو کس طرح

دو قافیہ میں نفس میں میرے مری شکل کی آسانی تو ہے لیکن اس میں پھر میرے قاتل کی حیرانی تو ہے
تم زبان سے کچھ کہو لیکن تمہارے قلب نے عاشقی مجھ بندہ بیدل کی پہچانی تو ہے

آپ شریں بھی بڑا مہربان لکھا کرتے تھے۔ لیکن کسی تصنیف کا پتہ نہیں چلتا ہے البتہ آپ عظیم آباد کے ظریف اخبار
"الپنچ" (۱۸۸۵ء تا ۱۹۰۱ء) کے مشہور نامہ نگار بھی تھے۔ جب تک اپنچ جاری رہا بڑا مہربان لکھتے رہے۔ یہ مضامین
الف نون صافی (جو اس وقت آپ کا تخلص تھا) اور بعض آپ کے کسی دوست ع. ب. ن. قلاش کے نام شایع ہوئے۔
طوالت کی وجہ سے نمونہ نشر اپنچ نہیں پیش کر سکتا۔ دس شواہد ۱۳۲۳ھ کو آپ کا دعوا مال منیر شریف میں ہوا اور وہاں
کی جیلوری درگاہ حلقہ مخدوم دولت منیری میں مدفون ہوئے۔

عطا بہاری شاہ عطا کریم عطا تاریخی نام مظاہر الحق تھا اور تخلص عطا۔ آپ میر تقی حسین ابدالی
کے صاحبزادے تھے جو دیہہ باکمال حضرت بی بی ابدال کی اولاد میں تھے۔ آپ کا خاندان

اپنی میادیت، شرافت اور علم و فضل میں شہر میں ممتاز تھا۔ بہار شریف کا محمد مراد جو آب کا مولد، اس کا چچا کی۔ بخاریہ
 ۱۳۱۵ھ میں ہے۔ ابتدائی تدریسی تعلیم گھری پر ہوئی۔ بارہویہ درس کی منزل تک پہنچی۔ تدریسی کی جامعہ تدریسی دوست بہت بڑی
 اور مولانا وحید الحق بانی مدرسہ اسلامیہ بہار شریف سے بولی۔ شعر و سخن کا ذوق بچپن ہی سے بھلا نہیں ۱۳۱۵ھ میں مستشرقین
 فرماتے لگے اور دو کلام کی اصلاح کے لئے ۱۳۱۲ھ میں منشی امیر امتہ تسلیم لکھنؤ کی تعلیم تلمذ میں داخل ہوئے۔ وہ بندہ بیخود و گزشتہ
 سلسلہ اصلاح جاری رہا۔ فارسی کلام شروع میں حضرت امین احمد تدریسی ثبات عبادت نہیں بہار کو بغیر میں اصلاح دیکھی اور آخر
 میں حضرت شوقی میزبانی کے آگے نہ گئے تلمذ تہہ کیا۔ دراصل میں اس ایک منہم زد و گزشتہ جو تمام اصناف سخن، غزلیات، قصائد،
 قطعات، رباعیات، مسموں اور محسن پر حاوی ہے اب کی یاد کا رہے ہے۔ چند نامہ مشاعر کا رد و منتقد ترمیمہ شعر و سخن کے، اس سے کیا
 ہے جو مطلوبہ ہے۔ فارسی کا دیوان مکمل تو نہیں ابنت معتد بہ نرلیں اور بعض دیگر اصناف کلام ہیں۔ آخر میں آپ نے قدیم طرز
 اردو شنگاری میں ایک خوبیل افسانہ بھی لکھ جس کا نام دن ہے۔ اس کی روایات ۱۳۵۱ھ کو قیام کو قیام سال کی عمر
 میں ہوئی اور محلہ سوہ سرائے قصبہ بہار شریف میں مدون ہوئے۔ مولد کلام ہے

اب اے صبح تمنا کے ہم آغوش ہو جانا شب غم کی نین ہے شمع کا خاموش جوبان

زور اپنا دکھانے کو ہے آدھ سحری آج دوسرے ریچان نہ کرے بے اثری نہ

سراپا صورت رنج دالم درد و تعب میں ہوں بھر اس پر دہ تک کرتا نہیں ہوں کچھ غیب میں ہوں

کہاں کی غفلت یہ چھا گئی ہے دھیان مطلق نہیں کہیں کا
 خیال دلیں نہ سر میں سودا نہ آہ لب پر نہ ہشتم پر غم
 دنا سے لذت جفا سے کلفت عطا ہے عشق و ہوس کی ہر حد
 یہ عالم اپنے جہود کا ہے نہ فکر دین نہ غم سے دس کا
 مکان قالی پر ہے ہیں پتا نہیں ہے کہیں کہیں کا
 مگر دو عالم سے ہے نیازی اثر ہے اغت کی سرزمین کا

شاہ اکرام الدین در عرفان تخلص تھا سلام پور ضلع پٹنہ کے
 رئیس جودھری شیخ طہور الحق مرحوم کے نوامہ ورنہ جی شامیں میں

عرفان اسلام پوری

(آپ حضرت مخدوم شیخ شعیب کی اولاد میں تھے) شعیبی کے خلف اکبر تھے۔ آپ کی ولادت ۱۳۵۱ھ میں ہوئی اس کی اولی

نے میں تو ہوں تسلیم شاگردیم دہوی نے مجھ کو طرز شاعران لکھنؤ کی کیا غرض
 تھے یہ کلیات مخطوط کتب خانہ قادریہ اسلام پور پٹنہ میں محفوظ و موجود ہے۔

تعلیم ایک جیدہ لم جمع الامت و بزرگ الحاج حکیم مولانا سید محمد رفیع شہ سے ہوئی اور تنوینی منبری سے مکمل طور پر فارسی کی تعلیم حاصل کی پھر بے شمار سخن کا ذوق پیدا ہوا تو حضرت تنوینی منبری ہی سے مشورہ معنی کیا اور ایک درگزر حکم گری پر عمل پیرا رہا۔ اصلاح اشعار پر کافی غور و خوض کرتے اور سناہ سے ہر نمونہ سمجھنے کی کوشش پیش کرتے۔ تنوینی منبری کے اشعار پر بو غالب نے اصلاحیں دی ہیں اس کی ہر اصلاح کے متعلق عرفان اسلام پوری نے تنوینی منبری سے استفسار کیا ہے۔ سناہ ولایت علی ہمدانی کے عرس کے موقع پر ہر سال ۱۵ ارکرم کو ایک مدت تک بڑا شاندار مشاعرہ ہوا کرتا تھا جو آپ کے ادبی ذوق و شوق کا نتیجہ تھا۔ جس میں قریب و جوار کے شعراء حافظ عبد المجید اثر رئیس موضع انڈھوس (پٹنہ) شاگرد آغ دہلوی مولوی سید ولی الحق دلی (موضع سندھ) متضامن اسلام پور، شاگرد حاتی پانی پتی، امقر بہاری، شاگرد ازل نکستوی، نسیم لہوسی شاگرد آغ دہلوی، علامہ فضل حق آزاد، عظیم آبادی، عطا کرم عطا بہاری، نور الہدی نور بہاری، ڈاکٹر مبارک عظیم آبادی شاگرد آغ دہلوی، شاہ ایساں یاس بہاری شاگرد ربیع نکستوی شیخ بہاری، فلس گبادی، منشاوری بھواری، وغیرہ شریک بزم رہا کرتے تھے۔

اس مشاعرہ کا سلسلہ زمانہ حال تک رہا جس میں عرفان، عمارت، مبارکت، باتس نور شاہ الابرکات صاحب مشرب شاہ محمد بدلی شائق، شاہ یحییٰ صاحب بہاب، شاہ محمد یوب بدلی تیر، شاہ محمد عثمان رشتاں ایدالی، شاہ سعد الدین بہاؤں، شاہ علی شہاری، حکیم شاہ نسیم فردوسی، پروفیسر عطا کا کوئی ڈاکٹر کبیر احمد عاتق، ڈاکٹر برہی، شمس عظیم آبادی، ڈاکٹر حکیم احمد عاتق، حافظہ یحییٰ یحییٰ، محسن دیوردی، ڈاکٹر ایساں یاس اسلام پوری، بستر خدم پوری وغیرہ بھی شرکت فرماتے تھے، آپ کے تعلقات اپنے معاصرین شعراء سے بید و نشوونو رہتے۔

عرفان اسلام پوری کو غالب کے شاگرد تنوینی منبری سے شہرت ملنے لگا۔ لیکن سلاست دروڑ مرہ میں داغ کا اسلوب بیان و زبان پسند تھا، اپنے تلامذہ سے بھی اسی رنگ کو اختیار کرنے کی تاکید فرماتے تھے۔ آپ نے اپنے مجموعہ کلام کا ایک قلمی نسخہ راقم الحروف کے والد ماجد حضرت سید محمد یوب ایدان تیر اسلام پوری (جو آپ کے تلامذہ میں ہیں) کو ازراہ عنایت عنایت فرمایا۔

آپ کی وفات ۸۲ برس کی عمر میں ۱۳۷۳ھ میں ہوئی اور اسلام پور ہی میں حضرت تنوینی منبری کے پائیں دائیں جانب مدفون ہوئے۔

آپ حضرت شاہ ولایت علی ہمدانی کے مرید و خلیفہ تھے اس کے علاوہ زیارت قبر میں اکثر بھیس کے موقع پر حضرت مولانا شیخ عبدالحق صاحب مکتی حاجی امداد اللہ صاحب مکتی، مولانا عبدالحق سراج عینی مکر، سید محمد امین بن احمد و مولانا شیخ امداد مائل مدرس حرم نبوی، شیخ فانی بن عبد السلام براہ مدنی، قطب الرحمۃ مقدس، مولانا بواحسن شاذلی کے بچاؤ حضرت اسماعیل شاذلی مکر، مولانا عبدینہ طہر میں سندھ حدیث و روایات و مسائل حاصل ہوئی۔ شاہ قیام الصدق (پیر بگاہ بن مسنات اسلام پور) اور تنوینی منبری سے بھی اجازت و خلافت حاصل کی۔ ۱۳۷۵ھ کو وصال فرمایا۔ اور قبر مبارک درگاہ محمد فاقہ اسلام پور میں ہے۔ آپ کے جانشین بھی حضرت والد ماجد سید محمد یوب بدلی ہیں اور ہر سال عرس و قہر کی رسم ادا فرماتے ہیں۔

دور مقصود ہی جب ہاتھ نہ آیا اپنے ڈوب جاتا ہے پہنچنا لب ساحل میرا
آپ اُس گے نہیں کیا یہ غلط دعویٰ ہے اُسے کیجئے رو دعویٰ باطل میرا

کیوں دل کو ان سے خواہش پیون وصل ہے اسکو دنائے وعدہ کی امید اگر نہیں

نہیں اب اس میں باقی طاقت ضبط سنبھالے کوئی میرے رازداں کو

کعبہ تھا سمت سے بتخانہ وہ پھر کعبہ ہے اب دل کا یہ کعبہ مگر بتخانے کا بتی ز ہے

آپ نے بوٹ کے فن پر اردو نثر میں ایک کتاب دو حصے میں لکھی جو ہنز مخبوطہ ہے۔ آپ کے استاد سلطان مرزا خاں بہادر زماں خاں زمانہ (یو۔ پی) کے شاگرد تھے انھوں نے عزناں اسلاپوری کی تعلیم فن حرب میں کی۔ اور آپ کو اس فن سے اس قدر متغیر رہا کہ "تاریخ فن بوٹ" کے نام ایک کتاب لکھی جو ۴۰۰ صفحات پر مشتمل ہے اس میں سلسلہ تعلیم و تلمذ، بوٹ کے مقاصد، اصول حربے کی گرفت کی ترکیبیں، اس کی ضربیں، اس کے اصطلاحات واضح کئے ہیں۔ یہ کتاب ۱۳۱۸ھ میں ترتیب دی گئی ہے اور آپ ہی کے دست خاص کا نوثر ہے جو آپ کے منجھلے عابدزادے شاہ بشید لدین صاحب کے پاس محفوظ ہے۔

("تاریخ فن بوٹ" عام فہم ہے اور اس کی نثری عبارت کے نمونے پیش کئے جاتے ہیں) جیسا کہ عام دستور ہے کہ سپہ گری کے وہ فن جو ہندوستان میں رائج ہیں جیسے کشتی، بانک، تلوار، بڑ وغیرہ، ان کی ایجاد کی نسبت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف کی جاتی ہے۔ اور بکیت پھکیت اس آیت فاضلہ فوق الاعناق راضی لبو ابینہم کل بمنان کو اپنے فن کا ماخذ بتاتے ہیں، اسی طرح اس فن کے اساتذہ بھی یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت خاص اسی فن کی تعلیم کے لئے حضرت سرور کائنات صلعم پر نازل ہوئی۔ اور آپ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اور دوسرے اصحاب نے سیکھا اور پھر حضرت کی اولاد نے اپنی اولاد کو بتایا۔ اسی طرح پھیلتے پھیلتے ہندوستان تک یہ فن پہنچا۔ یہ تو ممکن ہے کہ عقیدہ تہذیب طور پر یہ مان لیا جائے مگر جب غائر نظر سے اس کی جاچ پڑتائی کی جاتی ہے تو یہ بات بالکل بے بنیاد معلوم ہوتی ہے کیونکہ خاص صحابہ یا عربوں کی بڑائی میں کوئی ایسی بات نہیں پائی جاتی جو ان کی بڑائی کو اس وقت کے مردہ طریقہ جنگ

سے اُنک کو رکھا ہے بلکہ کہ صحابہ اور کبار عرب ان سب کی بڑائی میں بالکل دی اندر نہ جاتا ہے جو اس زمانہ سے پہلے بھی خود عرب اور دوسرے ممالک میں جاری تھا یعنی یہی تکرار اور سپر باصفت تلواریں تھیں اور کج بھی اسی ہندوستان میں یہ طریقہ جاری ہے جسے پھکیتی کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن اس کو بوٹ سے کوئی علاقہ نہیں۔ اور قد آن شریف کی کیت سے سنا رہے ہیں۔ بس کہ بطلیموسی اور نشہ غوری ہنسات کے تکرار سے ان سے ملے گئے جاتے ہیں۔ حالانکہ وہ کیتیں اس غرض کے لئے تواری نہیں ہیں۔ اسی طرح کیت کا مقصد بھی اس فن کی تعلیم نہیں ہے بلکہ اس کا طرز بن خود بتا رہا ہے کہ یہ اعناق اور بیان کے لفظ صرف زور کلام کے لئے آئے ہیں نہ کہ بوٹ یا پھکیتی وغیرہ کے قاعدے بتانے کے لئے، مگر تو خیال ہے کہ اس کی کل چیزیں بھی اردو زبان میں ہیں اور عربی، فارسی الفاظ کی قدر وہی ہیں جو اردو میں مستعمل ہیں اور یہ فن ہندوستان کے سوا اور دوسری جگہ کیا ایسا نہ ہو کہ وہاں کبھی بھی باب نہیں جاتا حالانکہ وہ قدیم طریقہ کیت آج بھی ان ممالکوں میں موجود ہے، تو اس سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ایسی خاص ہندوستان ہی سے ہوئی ہوگی کہ چہ یہ ٹھیک نہیں کہہ سکتے کہ اس کے موجد ہندو ہیں۔ مسلمان کہہ سکتے ہیں اسی میں اشتباہ ہے کہ ہندوستان میں اس کی ایجاد ہوئی یا اور کہیں تو پھر کسی خاص قوم کی خصوصیت کیونکر ہو سکتی ہے۔ لیکن نہ غائب یہ ہے کہ اہل اسلام ہی اس کے موجد ہیں کیونکہ اس اردو زبان کو مسلمانوں کے ساتھ ایک خاص تعلق ہے اور اس کا پورا پورا حق کچھ بھی ادا کر سکتے ہیں اور اس کی چیزوں کے نام بھی بالکل اسلامی شان کا پتہ دیتے ہیں جیسے حملہ حیدری، اسلام کیلی، بند کوڑی، سلیمان گوندھن، ہندو قاسمی وغیرہ۔

عامر اسلامپوری

آپ حضرت صفوی منیری کے منجھلے صاحبزادے تھے، آپ کے حالات اولاد کے باب میں لکھے جا چکے ہیں، آپ کو بھی شاعری کا ذوق تھا اور اپنے والد حضرت صفوی منیری سے اصلاحیں لیں، یہ سلسلہ زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکا، اس لئے آپ کو یہ کاغذ محفوظ رہ سکا۔

اسد منیری

آپ بھی اپنے والد حضرت صفوی منیری کے شاگرد تھے۔ یہاں حسن خاں صاحب ریاض شاگرد داغ دیوی کے سوتیلے بھائی احسان حسن خاں صاحب انسان کے پاس آپ کا کلام موجود تھا لیکن افسوس زمانہ کے دستبرد سے محفوظ نہ رہ سکا آپ کے قطعات تاریخ کتب وسیلہ شرف اور شہنوی لوا را الحمد اور مسجد مخدوم جہاں شرف الدین منیری کی دوبارہ تعمیر میں مرمیں کتبہ پر یہ شعر ثبت ہے۔

وفات، قبر، عرس

حضرت صفوی منیری کا فیم اسلام پورہ منیر شریف میں مستقل رہا۔ اپنے بڑے بھائی اور پسر و مرشد حضرت سید اسادات اور ادعلیٰ منیری کے وصال کے بعد آپ زیادہ تر اسلام پورہ میں رہنے لگے، اس سے کہ وہاں کا علمی اور صوفیانہ ماحول اور پھر ولادت کی حلیم و تربیت نے آپ کو



[illegible]

تمت بالحسن والوفاء

المستفاد من اس کتاب بہتر منافع سے سرفراز است روح کی تحریر جمادی الاولیٰ کی نوین صفت
شب کو منیر تر ہے جس میں ذخیرینِ فوز و غنی پیری کی آئینہ ترشح ہوئی ہو رہا ہے شعلہ کی
سایہ چمنِ دلزدہ ہشتنگہ کو مستحسن پاکیزہ ترین سوجھ بوجھ میں قضا ہے ہم ہم میں انکسار کو چھوڑنا

بہت مسنون کر دیا گیا۔ آخر بیسٹھ سال کی عمر میں ۱۳۱۸ھ کو مدینہ منورہ کو مدینہ منورہ کو تلبہ میں مبتلا ہوئے۔ در ششم ذیقعدہ ۱۳۱۸ھ کو واصل بحق ہوئے۔ آپ کی منتقلی کو بہ نہایت کی منتقد میں زمین آپ کی رہی۔ اور کاہ پور میں سب آپ کے بیٹوں کو ستم کو بردار کرنے کی بڑی فکر تھی۔ جب انتقال کروہ پیگ کا زمانہ تھا درجہ عہدت کی طرف سے صیحا غار میں جلادی باقی تھیں اس سے آپ کی یہ تمنا پوری نہ ہو سکی۔ در اسلام پوری میں ہی سسران خانہ کی مقبرہ میں مدفون ہوئے۔ آپ کا مزار مبارک اسلام پور خانقاہ کی مسجد کے محل میں جنوبی حصہ میں ہے اور آپ کے محل میں جات مشرق آپ کے چھوٹے صاحبزادے حضرت جدی شاہ سید علی اور ان کے محل میں حضرت ولد سید سید محمد بوبابا کا مزار مبارک ہے۔ آپ کی انا کی عظمت، رزاع مشرقی مینہ کی بھی ہے۔

شاہ نیر زہد علم دان سنا دم ستم سناے بخت از افسرد
داشت صوتی تخلص ندر شعر بود معرشت ہمہ تنار و درود
سار نقش زول بھی جستم عسرت مدد دے نہ نمود
ناگہ از ہا قسم رسید بگوش صوفی وقت و مشہدیں بود

۱۸ — ۱۲

آپ کا عرس آپ کے چھوٹے صاحبزادے حضرت جدی شاہ سید علی کرتے رہے آپ کے بعد ب اسلام پور میں آپ کے بولتے یعنی راقم الحروف کے ولد ماجد حضرت سید محمد ایوب ابدالی اور میر شریعت میں عمر شریف شاہ محمد علی میری عرس کے فرائض انجام دیتے ہیں، والد ماجد کے خمداد کے ہاتھوں ہندوستان کے مختلف مقامات میں حضرت نقوی میری کا عرس ہوا ہے، مدد پور میں کے موضع سی پور، ضلع سیوٹی، ضلع پور پور کے موضع بیگن اور سیام پور میں در پور۔ کی خانقاہ رشیدیہ جو پور میں ذیقعدہ کو یہ عرس ہوتا ہے۔ ۱۳۸۵ھ مطابق ۲۰ فروری ۱۹۶۶ء کو راقم الحروف اور پروفیسر سید حسن عسکری صاحب ڈاکٹر جمیل سوال ریسرچ انسٹی ٹیوٹ پٹنہ خانقاہ رشیدیہ جو پور میں آئے آپ کے عرس میں جو خانقاہ رشیدیہ کی طرف سے ہوتا ہے شریک ہوئے۔ اس عرس میں قرآن خوانی بیصال ثواب اور فقرہ کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔

تصنیفات صوفی منیری

حضرت صوفی منیری کی ذات مجموعہ کمالات تھی، ان کی شخصیت گوناگوں ہی سن اور ادھات کا مجموعہ تھی ایسی جامع صفات ہستی، ایسی جوہر رنگ شخصیت اور ایسی ہمہ پہلو ذات ان کے عہد و عصر میں اگر نایاب نہیں تو کیا بضرور ہے، ان کی زندگی کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ مدرسہ و خانقاہ دونوں ہی جگہ کی خصوصیات ان کے اندر جمع تھیں۔ وہ عالم شریعت بھی تھے اور سالک طریقت بھی۔ وہ سلوک و معرفت کی محض کے صدر نشین بھی تھے تعلیم و آگہی کے مجلس کے مندر نشین بھی۔ وہ ایک طرہ زاہد شب زندہ دار تھے تو دوسری طرہ اشاعت اسلام کے لئے سرگرم کار بھی اگر وہ صرف انہیں کمالات کے حامل ہوتے تو یہ بھی ان کی عظمت اور جلالت کے لئے کافی ہوتا لیکن ان کی بقولمیں اور بہر آفرین شخصیت کا ایک رنگ یہ بھی ہے کہ وہ ادب و شاعری کی صفت کا بھی پاکیزہ ذوق رکھتے تھے اور ان پر انھیں کامل دستگاہ حاصل تھی۔ غائب جیسے عظیم المرتبت شاعر نے ان کی شاعرانہ مہارت اور فنکارانہ چابک دستی کا اعتراف کیا ہے۔ ان کی ادبی شخصیت اور فنکارانہ اہمیت کے مستقل صحیح رائے اسی وقت قائم کی جاسکے گی جب ان کی تصانیف کی گوناگوں خصوصیات کا مطالعہ تفصیل سے کیا جائے۔ یہاں مختصراً ان کی تمام اہم تحریروں کا جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

یہ ثنوی چار سو پینتالیس اشعار پر مشتمل ہے، ۱۳۶۱ھ میں یہ ترتیب دی گئی، اس کے آخر کے شعر سے تاریخ تصنیف نکلتی ہے۔

کشش عشق

اس کی تاریخ سال خاطر خواہ

شورش عشق ہے سخن کوتاہ

۱۳۶۱ھ

اس ثنوی کا قصہ عام عشق ہے جسے صوفی منیری نے ایک پرائز ثنوی کی شکل میں منظم کر دیا۔ اسی قسم کے قصے چند رہن مہار (مجموعی) ادبیات عشق میر، بحر المحبت مصطفیٰ، جذب عشق، راسخ میں بھی پائے جاتے ہیں۔

(۱) یہ ثنوی ۲۲ ذی الحجہ ۲۸۳ھ کو تھبہ منیرے ثنویوں اور قطعات کے ساتھ غالب دہلوی کی خدمت میں بغرض اصلاح بھیجی گئی تھی غالب کی اصلاح سے مزین ہو کر واپس آئی جو راقم الحروف کے کتب خانہ میں ابھی تک محفوظ ہے۔

(۲) اس کا دوسرا نسخہ غالب کی اصلاح کے بعد صاف کر کے صوفی نے اپنی کلمات میں شامل کیا۔ اس کی کتب کی تاریخ روز چہار منہ ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۰۶ھ مطابق دس بھادوں ۱۳۹۶ھ فصلی درج ہے۔

(۳۱) اس ثنوی کا تبسرا نسخہ مشرقی منبری کے دست خاص کا نوشتہ ہے مشرقی منبری نے صفوی منبری کے بعض نسخوں کی نقل اپنے پاس محفوظ رکھا ہے۔ سن کتابت ۱۲۹۰ھ ہے۔ یہ کتب خانہ قادریہ قصبہ اسلام پور ضلع پٹنہ میں موجود ہے۔

(۳۲) یہ ثنوی کنش غسن انجمن ترقی اردو کراچی کے رسالہ اردو سنہ ۱۹۵۰ء میں شائع ہو چکی ہے۔

جس کا دوسرا نام "مرآۃ حقیقت" بھی ہے۔ یہ ۱۲۲۱ اشعار پر مشتمل ہے، اس ثنوی کو صفوی منبری نے اردو ثنویوں کے ساتھ بغرض اصلاح غائب دہوی کی خدمت میں بھیجا تھا جو اصلاح کے بعد

نوار احمد

واپس آئی سن تصنیف ۱۲۸۰ھ ہے۔ اس کے آخری شعر سے تصنیف کا سنہ درجہ کی وضاحت ہوتی ہے۔

اور اک مادہ باقہ آیا ہے دیکھو مرآۃ حقیقت کا ہے

۱۲۸۰ھ

اس ثنوی میں حضور رسوں اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپا کھینچا گیا ہے اس کا ایک شعر غائب کو تذہیب دیا کہ میں یہ اردو ۱۵۵۰ بنا کر اپنے پسندیدگی کی مہر ثبت کر دی۔ شعر یہ ہے:-

نور حق جلوہ رب شان الہ ۱۵۵۰ ہے تو بسندہ مگر مدد ۱۵۵۰

یہ اصل حقی نسخہ اب تک ہمارے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

(۳۱) اس ثنوی نوار احمد کا دوسرا نسخہ کلیات صفوی منبری میں اصلاح کے بعد تحریر کر لیا گیا۔ اس میں پہلے نسخہ کے اعتبار سے اضافہ ہے، حضرت صفوی منبری کے خاندان زاد بھائی خوش منبری نے یہ قطعہ تاریخ لکھی ہے:-

بودم در نکو سال تاریخ سے خوش دن گفت کہ جزا سراپائے رسوں

۱۲۸۱ ۱۳ھ

اس نسخہ کی کتابت بمقام اسلام پورہ بروز جمعہ ۱۲ ذی الحجہ میں ہوئی۔

(۳۲) تبسرا نسخہ مشرقی منبری کا نوشتہ ہے جس کی کتابت ۱۳۱۰ھ میں ہوئی۔ یہ نسخہ کتب خانہ قادریہ قصبہ اسلام پور ضلع پٹنہ میں محفوظ ہے۔

(۳۳) اس ثنوی کا چوتھا نسخہ صفوی منبری کے صاحبزادے حضرت شہدائے منبری کے اہتمام سے شمس پریس گیا میں طبع ہو چکا ہے۔

یہ تصیدہ ۱۳۱۴ھ میں لکھا گیا اور ۱۴۲۲ اشعار پر مشتمل ہے، قرآن و حدیث کی روشنی میں اہل سنت کے عقاید کو منظم کیا ہے اور عقاید پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے بعض اصطلاحات

عروۃ الوثقی

لے خاندان شہید صاحب نے اپنے مقارنہ علیہ میں اس تصیدے کو شامل کیا ہے لیکن اس کے محرک حضرت سید شاہ محمد عبد القادر کا نام نہیں دیا ہے، حالانکہ اس کے آخری شعر میں اس کی وضاحت ملتی ہے، اس کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

ادریات کی حاشیہ پر وضاحت بھی کر دی ہے خصوصاً قرآن و احادیث کے اشارے کی وضاحت مدلل طریقہ پر کی ہے۔ شرح
آداب المریدین مصنفہ حضرت مخدوم جہان، عمیق امارت مصنفہ مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی وغیرہم کی کتابوں کے بھی حوالے
ہیں۔ اس قصیدہ کے اشعار سے بہت چلتا ہے کہ اس کے محرک آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت سید شاہ محمد عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ
ہیں اشعار یہ ہیں۔

غیر ہم نے لکھے صفت و جہالت کے	کہ راہِ اسلم و احوط ہے مذہبِ حنفی
کتاب میں لے کے عقیقہ کے ختمکار کے ساتھ	لکھا قصیدہ رکھا نام عروۃ الوثقی
شما، ہم نے کے اس کے نام کے اعداد	جو ہوتے چار عدد اور سال تقابلاً
موتہ اس میں جگر گوشہ عبد قادر تھے	الہی کیجیو توفیق خیران کو عطا
بھوں کو فائدہ پہونچے برائیں صوفی کے	مقاصد فی فیہا ماریبِ آخری

اس کا ایک نسخہ حضرت صوفی منیری کے دستِ خاص کا نوشتہ ہے۔ کتابت ۱۳۱۴ھ میں ہوئی ہے۔ یہ نسخہ ہمارے خاندانی
کتب خانہ منیر میں محفوظ ہے۔

(۲) دوسرا نسخہ کتب خانہ قادریہ اسلام پور میں موجود تھا لیکن اب اس کا پتہ نہیں ملتا ہے۔

(۳) تیسرا نسخہ ۱۳۱۸ھ میں مولوی عبدالوجہ صاحب مدیر رسالہ تحفہ حنفیہ کے اہتمام سے مطبع تحفہ حنفیہ محلہ بوری کٹرہ پٹنہ
میں طبع ہو چکا ہے۔

اس مثنوی میں کل ۳۷ اشعار ہیں، تصنیف کا سن ۱۳۰۶ھ ہے، امام محمد غزالی کی
ایک تمثیلی نظم کو نظم کیا ہے۔ اس مثنوی میں دنیا کو مردار سے تشبیہ دی گئی ہے۔ حدیث
شریف میں ہے "الدنیا جیفۃ و طالبوہا کلاب" اس پر اثر مثنوی میں یہ دکھلایا گیا ہے کہ جو لوگ دنیا اور اس کے
سوا سامان کو اپنا قبلہ منظور بندے ہوئے ہیں اور جی کھول کر دارمیں دیر ہے ہیں وہ اپنا زندگی کے غامد پر اسی طرح بھڑ
اور پشیمان ہوں گے جس طرح ایک شخص نشہ کی حالت میں ایک جنازہ کو شبِ عروسی کی آراستہ دہن سمجھ لیا اور اس کے ساتھ
آلودہ گناہ ہو جھٹکا اور صبح کے وقت تیب اسے ہوش کیا تو نادام و رسوا ہوا۔ اس کی کتابت روزِ شنبہ ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۱۶ھ
کو، سرام پور میں ہوئی۔

یہ مثنوی فارسی زبان میں ۶۲۱ اشعار پر مشتمل ہے اور ۱۳۹۲ھ کی تصنیف ہے۔ اس میں حضرت
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور بزرگانِ دین کے مشہور واقعات کو نظم کیا ہے یہ مثنوی بھی کلیاتِ صوفی
منیری میں شامل ہے۔

(۲) دوسرا نسخہ مشرقی میزبانی کے دستِ حاس کا نوشتہ ہے۔ اس کی کتابت ۱۲۹۰ھ کی ہے۔ کتب خانہ قدس، روبرو اسلام پور ضلع پٹنہ میں موجود ہے۔

قصیدہ در مدح میرزا اسد اللہ | یہ قصیدہ فارسی زبان میں ۶۴ شعرا پر مشتمل ہے، اس قصیدہ کو صفوی میزبانی نے ۲۲ رزمی بحر کو غالب کی خدمت

میں عربیہ تائید کے ساتھ سیر شریف سے بذریعہ ڈاک ارسال کیا تھا۔ قصیدہ کے اس شعر پر:

۵ فلک جناب اسد اللہ خاں دارا قدر | مصدر مرتبہ منہ نشین جاہ و جلال

غالب مرحوم نے اسد اللہ خاں پریشان لگا کو حاشیہ پر تحریر فرمایا ہے کہ: علی کا غلام در تہار خانہ زاد اس قصیدہ میں قسامت کی فنی خصوصیتوں کو استعمال کیا ہے، مخفی لفظ غالب کے معنی اس کے نکتہ کفرین دو شعر ملا تھے جوں سے

یہ بحث بحث ذیل از دلیل خصم تو ہار | کہ نظرہ عرش نقطہ باد بر رخ دال

مخوطہ از خط در باد دے دشمن تو | یہ بحثی دے باد خال بمبہر حال

یہ قصیدہ بھی غالب کی اصلاح سے مزین ہو کر آیا اور راقم الحروف کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

(۳) دوسرا نسخہ کلیات میں شامل ہے، اس کی کتابت درج نہیں ہے۔

قطر تاریخ | یوں تو صفوی میزبانی کو تاریخ گوئی میں کمی حاصل تھی لیکن اس قطر تاریخ میں وہ تمام متقدمین و متأخرین تاریخ گو شعرا پر سبقت لے گئے۔ پانچ شعرا اس قطر میں

۲۰ طریقے سے تاریخ نکالی ہے۔ تذکرہ نصر آبادی میں محترم کاشانی نے بھی اپنی تاریخ گوئی کا کامل ذکر کیا ہے اور اس

اشعار میں ایک ہزار طریقے سے تاریخ نکالی ہے، صفوی میزبانی نے اپنے مامور شاہ اعظم علی عرف بیگن میزبانی کے وصال پر

یہ تاریخ لکھی ہے۔ یہ قطر ۱۲۸۰ھ میں لکھا گیا، لیکن وہ نسخہ جو غالب کی خدمت میں بغرض اصلاح بھیجا گیا تھا وہ۔

۱۲۸۲ھ کا نوشتہ ہے اور میرے پاس محفوظ ہے۔

نتیجہ بالخیر | یہ ہزیرہ شنوی اردو میں ہے، ۱۳۱۰ھ۔ ۱۳۱۱ھ کے درمیان کی تصنیف ہے اور۔ ۱۵۷۵ اشعار پر مشتمل ہے، یہ تنوی مطابقت سعدی کے موزون بھی ہے جس سے نتیجہ زکام

گیا ہے، چونکہ یہ غائبت سنو نے کی حکایت سے پڑ ہے اس لئے اس کا نام ”نتیجہ بالخیر“ رکھا گیا۔ اس کا ایک نسخہ میر شیر علی کے

کتب خانہ میں ہے۔

(۴) حضرت صفوی میزبانی کے پوتا راقم الحروف کے والد ماجد حضرت شاہ محمد بدالی میزبانی بوری مدظلہ کے دستِ قلم کا نوشتہ

ہے، جو میرے پاس محفوظ ہے۔

اس تنوٰی کے علاوہ بہت سی نظمیں، مسدس، رباعیات، قصائد، نوحہ بھی صفوٰنی میزری نے لکھے ہیں جس کا مختصر تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے۔

(۱) **تنوٰی خطبہ جمعہ** یہ تنوٰی جمعہ کے خطبہ میں پڑھنے کے سہ عام فہم زبان میں لکھی گئی ہے جو شتر شاعر پر مشتمل ہے۔ اس تنوٰی کا سہ تصنیف درج نہیں ہے، کلیات میں درست خاص کا نوشر شامل ہے۔

(۲) **شادی نامہ** یہ انیس شاعر پر مشتمل ہے، اس کو آپ نے کسی عزیز کی شادی کے موقع پر لکھا تھا جو ماہ ذی الحجہ میں منعقد ہوئی تھی، کلیات میں موجود ہے۔

(۳) **نامہ اردو** گیارہ اشعار پر مشتمل ہے، سہ تصنیف درج نہیں۔ یہ منظوم خط صفوٰنی میزری نے اسلام پور سے اپنے ایک عزیز نذیر حسین کے نام لکھا ہے اور نذیر شریف کے عرس میں شرکت کی خبر دے ہے، یہ کلیات میں شامل ہے۔

(۴) **قصیدہ در مدح سلطان عبد الحمید خاں غازی** یہ قصیدہ باب سو چودہ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس قصیدہ میں سلطان موصوت کورم کی فتح پر مبارک دہش کی ہے۔ سہ تصنیف درج نہیں ہے۔ کلیات میں شامل ہے۔

(۵) **قصیدہ در تہنیت جوبلی شہرت سالہ ملکہ و کٹور یہ** بائیس اشعار پر مشتمل ہے۔ ملکہ موصوفہ کی جوبلی ۱۸۵۷ء میں منائی گئی تھی۔ اسی موقع پر یہ قصیدہ لکھا گیا۔ یہ قصیدہ بھی کلیات میں شامل ہے۔ سہ کتابت ۱۸۹۷ء ہے۔

(۶) **مسدس** یہ پنڈہ بند کا مسدس ہے، کسی دعوت میں لکھی خراب تھا، اسی لکھی کی خرابی اور اس کے اثرات کو مزید پیرایہ میں اس مسدس میں بیان کیا ہے۔

(۷) **رباعیات** آپ نے رباعیات بھی لکھی ہیں، جس میں ہستی و عدم اور خاصیت خاک و باد، آب و آتش کے ساتھ ساتھ چائے، اور آم کی مدح بھی ہے۔ فارسی میں بھی چند رباعیات ہیں جو کلیات میں شامل ہیں۔

(۸) **نوحہ** حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ نوحہ ہے، ۱۵۱ اشعار پر مشتمل ہے، جس سے بے پایاں عقیدت کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ بھی کلیات میں شامل ہے۔

قصیدہ یہ قصیدہ شیخ محمد آفندی کلید روداد کو بلای معلیٰ کی مدح میں ہے، ۳۳ اشعار پر مشتمل ہے، ۱۳۰۲ھ میں لکھا گیا ہے۔ کلیات میں شامل ہے۔

حضرت صفوٰنی میزری نے شاعری کے علاوہ نثر نگاری میں بھی اپنے ذوق کی آبیاری کی ہے، اور ان کی فارسی اور اردو نثری تصانیف بھی ہیں۔ اختصار کے ساتھ ان کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

یہ رسالہ عربی میں خطبہ عیدین پر تحریر فرمایا ہے جو ۲۸ صفحات پر مشتمل ہے، ابتداء میں قرآن شریف کی آیتیں ہیں اور درمیان میں فارسی

خطبہ عید الفطر و عید الضحیٰ

اشعار اور خاتمہ پر پھر عربی عبارتیں۔ حدیث میں داروسہ "یقرأ القرآن ویذکر الناس" اس اصول پر پورا عمل کیا ہے۔ چودہ صفحات پر مشتمل خطبہ عید الفطر ہے، اس کے آخر میں تحریر ہے: "تمت خطبۃ عید الفطر فی یوم الاربعاء من شہر شعبان ۱۲۹۴ھ کتبہ فرزند علی میری غفرلہ عنہ" اس کے بعد خطبہ عبد الغنی شروع ہے۔ یہ بھی چودہ صفحات پر مشتمل ہے، خطبہ اولیٰ میں اردو کے اشعار درج ہیں، جس میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے خواب کا تذکرہ ہے، پھر دوشتر میں قربانی کا مسئلہ بیان کیا ہے، اور جو قربانی نہ کر سکتا ہو اسے کتنی نمازیں کس طرح پڑھنی چاہیے اس پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ اس سارے اختتام پر سن کتابت اس طرح تحریر ہے: "تمام شد بروز پنجشنبہ شعبان ۱۲۸۷ھ نسلی مرد فرزند علی صوفی میری" اس خطبہ میں اردو شریکی عبارت عام فہم ہے۔

راحت روح

یہ تصنیف اردو شتر میں ہے جو کلیات صوفی میری میں شامل ہے اور ۱۶۵ صفحات پر مشتمل، جس کی تقطیع ۱۲ x ۹ ہے۔ یہ زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہے۔ یہ ایک تمثیلی داستان ہے جس میں صوفیانہ خیارات کو حسین پیرانہ میں پیش کیا ہے۔ اس میں نفس و روح کی لڑائی ہے۔ اس کی عبارت متفنی و کج ہے۔ یہ کتاب اپنے استاد حضرت غالب دہلوی کی زندگی ہی میں لکھ رہے تھے اور ان کا ارادہ تھا کہ اسے بفسر حق اصلاح اپنے استاد کی خدمت میں پیش کریں گے، جب ۱۳۸۵ھ میں غالب کا انتقال ہو گیا تو حضرت صوفی میری کو اس کا بہت صدمہ ہوا اور آپ نے بیس برس تک اس کتاب کا لکھنا بند کر دیا۔ بیس برس بعد جب پھر لکھنا شروع کیا تو آپ نے یہ اشعار بھی اس کتاب میں قلم بند کئے:

پھر بیسویں برس اسے لکھنے لگا ہوں میں	ڈالا ہے غم میں دل کو مرے اس کتاب نے
افسوس میرے دل میں یہ حسرت ہی رہ گئی	دیکھا نہ اس کو غالب غفراں مآب نے
یاں تک میں لکھ چکا تھا کہ وہ کوچ کر گئے	پھیری سمنہ عزم کی باگ انقلاب نے
دل کو مگر خیال رگھا تھا کہ ان دنوں	تیرے وہی شروع کیا فکر خواب نے

اندازہ کیا جاتا ہے کہ بیس برس کے معنی ۱۳۸۵ھ سے ۱۳۰۵ھ تک اس تصنیف پر کوئی توجہ نہیں کی گئی، پھر اس کے بعد اس کی طرف توجہ ہوئی اور اسے ۱۳۰۶ھ میں مکمل کیا۔ اس کتاب کو راقم الخرد نے حواشی سے مزین کر کے باجا دکات کی توثیق کی ہے، اس لئے اس پر تفصیلی بحث بعد میں کی جائے گی۔ اس کتاب کا مخطوطہ میرے زیر نظر ہے جس کی کتابت نستعلیق میں بہت دیدہ زیب ہے، کتاب کے آخر میں تحریر ہے: "المنشۃ للہ کہ اس کتاب سراسر فتوح ماسوم براحت روح کی تحریر جمادی الاولیٰ کے نویں روز شنبہ کو منیر شریف میں بندہ ضعیف فرزند علی میری کے ہاتھ سے شروع ہوئی اور ماہ شعبان کے ستائیسویں روز دوشنبہ کو ۱۳۰۶ھ ایک ہزار تین سو چھ ہجری میں قصبہ اسلام پور میں اتمام کو پہنچی"۔

وسیلہ شرف

بزرگان سلسلہ افرودیہ کے حالات میں یہ پہلا تذکرہ ہے جو اردو زبان میں لکھا گیا ہے، اس کتاب میں سلسلہ افرودیہ کے بزرگوں کے حالات کے علاوہ منیر شریف کے فتح کی تاریخ کا بھی پتہ چلتا ہے۔ حضرت مخدوم جہاں شاخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری اور ان کے خلفاء کے حالات، روش اور مشرب پہلی دفعہ اس کتاب میں اس تفصیلی سے پیش کئے گئے ہیں۔ وسیلہ شرف، مناقب الاصفیا مصنفہ حضرت مخدوم شاہ شعیب کا عام فہم اردو ترجمہ ہے، اس کے علاوہ گنج لا۔ مخفی ملفوظ حضرت مخدوم شاہ حسین نوشہ توحید بلخی، بونس القلوب ملفوظ حضرت احمد لنگر دیبا بلخی سے بھی استفادہ کیا گیا ہے، اردو روایتیں بھی شامل ہیں جو حضرت صفوی منیری کو اپنے اسلاف سے سببہ بسبتہ پہنچی ہیں۔ حضرت مخدوم جہاں شاخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ فارسی زبان کی تاریخ اور تذکرہ کی کتابوں میں آپ کے حالات کثرت سے ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک مختصر رسالہ "آثار شرف" نامی ۱۳۸۲ھ میں قاضی سید محمد نور الحسن نے فارسی زبان میں لکھا اور طبع کر لیا ہے، لیکن اس میں بہت مختصر اور غیر مربوط طریقہ پر آپ کے حالات ہیں۔ وسیلہ شرف میں صفوی منیری نے پہلی بار آپ کے احوال، اخلاق و عادات، آپ کے معاصروں سے تعلقات، عبادات و ریاضات آپ کی روش اور آپ کا مسلک وغیرہ پر شرح و بسط کے ساتھ روشنی ڈالی ہے اور متعدد مستند کتابوں سے دلائل پیش کئے ہیں۔ جس کی وجہ سے اس کتاب کی اہمیت واضح ہے۔ درمیان میں جا بجا فارسی کے کچھ الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جن کی وجہ سے دلچسپی اور دل کشی کا اضافہ ہو گیا ہے۔ یہ کتاب اصل میں صفوی منیری کی غایت عقیدت اور نفسی تعلق اور سلسلہ بیعت کی نسبت کے جذبہ کے تحت تالیف ہوئی ہے۔ دوسری وجہ رشد و ہدایت کی کمی ہے کہ اس تالیف کے ذریعے عوام اور خواص اردو داں طبقہ اس کے مطالعہ سے فیض یاب ہو کر اپنے اخلاق و عادات کی اصلاح کر سکیں۔ اس کتاب میں کثرت و کرامت کے واقعات سے احتراز کیا گیا ہے۔ اور مخدوم جہاں کے اقوال کا اضافہ کیا گیا ہے۔ ۶۳ صفحات پر مشتمل ہے۔

ذریعہ دولت وسیلہ شرف کا تتمہ ہے اور اسی کے ساتھ شامل ہے، اس میں ۲۲ انفاس قدسیہ کے حالات لکھے گئے ہیں۔ ذریعہ دولت میں حضرت مخدوم جہاں کے جانشین اور سلسلہ بیعت کے بزرگوں کا تذکرہ ہے حضرت مولانا مظفر بلخی، حضرت حسین نوشہ توحید بلخی، حضرت پیر بدر عام زاهدی (ان کا ضمتا تذکرہ ہے) حضرت جلیل الدین بلخی، حضرت احمد لنگر دیبا بلخی، حضرت ابراہیم سلطان بلخی اور حضرت درویش بلخی کا تذکرہ ہے۔ چونکہ حضرت درویش بلخی کے بعد سلسلہ افرودیہ کی ایک شاخ منیر شریف پہنچ گئی اس لئے صفوی منیری نے منیر کے بزرگوں کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ آپ کا تائیدی اور بیعت کا سلسلہ بھی وہی ہے۔ ان بزرگوں کے حالات سفینہ کے بجای سیر میں زیادہ تھے اس لئے ان تمام حالات کو اس کتاب میں یکجا کر دیا ہے۔ خاص کر اس سلسلہ میں حضرت مخدوم شاہ دولت منیری کی ذات یا کمال اس توجہ کی مستحق تھی۔ اسی مناسبت سے آپ نے اس تذکرہ کا نام ذریعہ دولت رکھا۔ اس میں آپ نے اپنے پیر و مرشد اور بڑے بھائی حضرت شاہ اولاد علی رحمت علیہ

تک کے حالات لکھے ہیں۔ صوفیائے کرام کی جو روش اور مسلک ہے اس کا ہر مقام پر خیال رکھا گیا ہے، جن بزرگوں سے تعلیمی تربیت ہوئی اور فیض پہنچا ہے اس کا بھی ذکر خیر ہے۔ مریدین و متوسلین کے ذریعہ تزیینہ روحانی اور اخلاقی اصلاح جو ہوئی ہے اس پر بھی روشنی پڑتی ہے غرض کہ یہ تذکرہ بزرگوں کے حالات میں ہے اس لئے اس میں ارطی چاشنی تو اتنی نہیں ہے پھر بھی زبان و بیان کے لحاظ سے اس کی اہمیت تسلیم کی جاتی ہے۔ اس کتاب میں واقعات کے ساتھ ساتھ نام سی اور ردو کے اشعار بھی حسب موقع جا بجا پیش کئے گئے ہیں۔ ذریعہ دولت ۱۳۷ صفحات پر مشتمل ہے، اس طرح پر دونوں تصنیف لاکھ یہ کتاب ۲۱۰ صفحات کی ضخامت سے آراستہ ہے۔

خط راست

یہ تصنیف اردو نثر میں ہے اور رد شیعیت میں لکھی گئی ہے۔ اصل میں یہ ایک خط ہے جو کاشف سرا لکھنؤ نامی کتاب کے جواب میں اپنے ایک مرید احمد علی نامی ساکن موضع سرین کڑی ضلع گیا کو لکھا جو طوالت کی وجہ سے ایک رسالہ کی شکل میں ہو گیا، اس رسالہ کے لکھنے کا سبب مصنف کے ایک خط سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مذکورہ مرید کے بہنوئی شیعیت کی طرف مائل ہو گئے تھے اور انہوں نے اس مسلک کی تبلیغ بھی شروع کر دی۔ مرید کو زلزلے اپنے پیر (صوفی منیری) کو رسالہ کاشف سرا لکھنؤ مطالعہ کے لئے دیا اور اس رسالہ کا جواب لکھنے کی استدعا کی، صوفی منیری جواب میں مثال مٹول کرتے رہے، لیکن جب مرید بعقد ہوئے تو اس رسالہ کا جواب اس خط کے ذریعہ دیا جس کا نام بعد میں خط راست رکھا۔ اس رسالہ میں صحیحین، ذائق الاخبار، احیاء العلوم، مہناج العابدین، کیمای سعادت، غنیۃ الطالبین، فتوح الغیب، پنج گنج، اہل چشت، تذکرۃ الاولیاء، روضۃ الاحیاء، مدارج النبوة، معارج النبوة اور جامع التواریخ وغیرہ سے دلائل پیش کئے ہیں۔ یہ ۷۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کی عبارت میں روانی نہیں ہے، مناظرہ کی زبان ہے۔ آخر میں یہ قطعہ تاریخ ہے۔

لکھا ہے ہم نے یہ خط راست راست بے کم و بیش دلیل ملت حق روز باز خواست ہے یہ

تلاش سال میں روح القدس سے لیکر داد کہا یہ پیک نظر نے کہ خط راست ہے یہ

۱۳۰۹ھ

۹

رسالہ کے خاتمہ پر یہ عبارت ہے: والسلام علی من اتبع الهدی راقم فرزند علی منیری مرقومہ روز شنبہ شانزدہم

جمادی الاولیٰ ۱۳۰۹ھ صلعم

العروة الوثقی

اردو نثر میں یہ ایک تامل تصنیف ہے اور ۶۰ صفحات پر مشتمل ہے، اس میں تین ابواب اور انیس تعلیمیں ہیں۔ پہلا باب عقاید میں ہے۔ اس میں عقاید شرعی،

ملفوظ حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری کا ترجمہ بطور خلاصہ لکھا ہے۔ اس میں عقاید و ایمان پر

بحث کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ ایمان کے لئے کس قسم کے عقاید ضروری ہے۔

باب دوم اقوال حضرت رسالت پناہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں، اس باب میں حضرت رسول اکرم کے علیہ مبارک اور احوال وغیرہ پر پیلا دے کے پیرایہ میں روشنی ڈالی ہے۔ قرآن و حدیث سے دلائل پیش کئے ہیں۔

تیسرے باب میں خلفاء راشدین کا تذکرہ ہے لیکن وہ نامکمل رہ گیا، صرف حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مختصر تذکرہ ہے، اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا تذکرہ دو سطروں میں نامکمل ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کو اس کے مکمل کرنے کا موقع نہ مل سکا، اس کی سن کتابت ۱۳۱۸ھ ہے اور یہی مصنف کا سال وفات بھی ہے۔

مخزنہ

فارسی ثنوی میں یہ ایک رسالہ ہے۔ پیمانہ پیمانہ کر کے تصوف کے زکات بتائے ہیں۔ اس میں تیس پیمانے ہیں بجایا صوفی شعراء کے اشعار پیش کئے ہیں۔ یہ رسالہ کلیات صوفی منیری میں صفحہ ۲۸۵ سے صفحہ ۳۲۷ تک تحریر ہے۔ ہر صفحہ میں ۱۹ سطریں ہیں۔ "جان اہل خرابات" سے تصنیف کی تاریخ ظاہر ہوتی ہے۔ اس کی کتابت ۱۳۱۸ھ کی ہے۔

مصطلحات المتصوفین

حضرت صوفی منیری کی یہ مایہ ناز تصنیف ہے۔ اس میں صوفیائے کرام کے مصطلحات کی وضاحت و تشریح بڑے اچھے پیرایہ میں کی ہے۔ اقوال و اشعار صوفیائے دلائل پیش کئے ہیں اور مصنف یا شاعر کا نام بھی لکھ دیا ہے۔ اپنی نوعیت کی یہ ایک گرانقدر تصنیف ہے اس میں الف سے یکم ہائے ہوز تک کے مصطلحات صوفیہ کی وضاحت ہے۔ اس کتاب میں جو آپ نے مسلک شطار طریق پیران فردوسیہ پر روشنی ڈالی ہے، کہا جاسکتا ہے کہ ایسی سیر حاصل بحث کسی نے نہیں کی ہے۔ یہ فارسی زبان میں ہے۔ بڑی تقطیع میں دوسرے چھپا لیس صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کی ابتداء اس طرح ہوتی ہے: "ی گوید بندہ فرزند علی بن سید محمد علی زاہدی الفردوسی المنبری غفر ذنوبہ و استغویہ کہ این رسالہ ایست موسوم مصطلحات المتصوفین کہ نامش ہم سہین حال خود است و ہم متقن سال خود کہ این گوہر گنج دس ہزار و دودھشتاد و پنج بدستار کاک گہر تاج از خزائن خواطر قدسیہ و معادن جواہر انیسویہ یعنی الف س تبرکہ و کتب معتبرہ بزرگان دین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین فراہم آید" کتاب کے آخر میں یہ عبارت بھی تحریر ہے جس سے سن کتابت کا پتہ چلتا ہے: "کتاب ہذا سنی بہ مصطلحات المتصوفین بر روز و شبہ پنجم ماہ ربیع الآخری ۱۳۱۸ھ نوی از دست مولفہ فرزند علی منیری بن سید محمد علی بن احمد علی غفر لہم یا ختم رسید" مصطلحات کی توضیح تصنیف میں اس طرح ہے جو بطور نمونہ پیش ہے۔

سجادہ :- مصطفیٰ کو دراصل سہ جادہ باشند یعنی شریعت و طریقت و حقیقت ثنوی سے

طریقت بے شریعت نیست حاصل	حقیقت بے طریقت نیست حاصل
بیک معنی تعلق ہر سہ دارد	کے شان تفرقہ کردن نیارد
در سجادہ نشین کے واسطے بود کہ این ہر سہ داشتہ بود۔	

ماخذ اور فرق نسخ

میں نے اپنے اس مقالہ کی ترتیب کے سلسلے میں جو چھان بین کی تو متعدد تصانیف حضرت صفوی میری کے دستیاب ہوئیں جو راقم الحروف کے خاندانی کتب خانوں میں اب تک محفوظ ہیں، ان میں سے بعض میر شریف میں ہیں اور بعض اسلام پور کتب خانہ قادریہ کی زینت ہیں۔ کلیات صفوی میری کا نسخہ صفوی میری نے اپنی زندگی ہی میں اپنے چھوٹے صاحبزادے یعنی راقم الحروف کے دادا حضرت شاہ سید علی رحمۃ اللہ علیہ کو عطا فرمایا تھا جو راقم الحروف کے پاس ہے، اس کلیات کی تقطیع "۱۴" x "۹" ہے۔ کاغذ دبیر ہے اور خط نستعلیق میں حضرت صفوی میری کے دستِ خالص کا نوشتہ ہے۔ صفوی میری ایک اچھے خوش نویس بھی تھے۔ ان کی خطِ طلی کا گویا ایک نمونہ ہے۔ اس کی ابتداء راحت روح سے ہوتی ہے، اس کے علاوہ ثنویات، رباعیات، تصانیف وغیرہ فارسی کے کلام اور فارسی شاعر کے نمونے وغیرہ بھی تحریر ہیں۔ اس کلیات میں بکثرت اشعار اور عبارتیں قلم زدہ بھی ہیں۔ حاشیہ میں تصحیح یا اضافہ ہے، بعض جگہ تو رقم زد کر کے اس کے نیچے ہی اس کی تصحیح کر دی ہے۔ اب مختلف نسخوں میں جو اختلاف پائے جاتے ہیں ان کی وضاحت کی جاتی ہے۔

کلیات صفوی میری کی ابتدا اسی کتاب راحت روح سے ہوتی ہے۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے۔ (نسخہ نمبر ۱۵۵) مملوکہ :- سید شاہ محمد ارب صاحب ابدالی مدظلہ پور راقم الحروف۔

تعداد صفحات :- ۱۶۵۔ نیز شمار ہر صفحہ پر تحریر ہے۔

تقطیع :- "۱۴" x "۹"۔

کاغذ :- سفید اور دبیر ہے، لیکن کنگلی کے سبب گدلا رنگ کا ہو گیا ہے

سطر :- ۱۹ سطریں

کتابت :- نستعلیق۔ خوش خط بدست مصنف۔

سن کتابت :- ۱۲۷۰ شعبان ۱۲۷۰ھ مقام اسلام پور۔

محفوظات :- ک :- کلیات قلمی۔ م :- میر شریف۔ ق :- کتب خانہ قادریہ اسلام پور

اس کی ابتداء اس طرح ہوتی ہے :- بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہے لفظ ساز اس کے نوا ہائے راز کا کہتے ہیں جس کو لفظ وہ پردہ ہے ساز کا

اس میں مقدمہ شکر ہے۔ قطعہ تاریخ راحت روح منیر اور بہار شریف، مخدوم جہاں، مولانا مظفر علی، مخدوم احمد چیم پوش، مخدوم بدر الدین بدر عالم زاہدی اور مخدوم شاہ دولت منیری کی شان میں کچھ اشعار ہیں۔ صفحہ ۲۵ پر سبب تالیف ہے۔ صفحہ ۲۷ میں حضرت غالب دہلوی کا مادہ تاریخ وفات انہی کے ایک مصرعہ "اسد اللہ خان تمام ہوا" میں آج۔ آہ اضافہ کو کے لگا رہا ہے۔ صفحہ اٹھائیس سے قصہ راحت روح کا آغاز کیا ہے۔ جو جلی جودیت سے تحریر ہے۔ کہ داروں کے نام بھی جلی تلم سے تحریر فرماتے ہیں بعض بعض باتیں خود مصنف کی قلم زدہ ہیں، کہیں قلم زد کہ اس کی تصحیح یا اضافہ اس کے حاشیہ میں ہے۔ قرآن شریف کی آیتیں اور احادیث عربی خط میں تحریر فرمایا ہے۔ عنوان تالیف کیا ہے لیکن فصل یا باب نہیں لکھا ہے بلکہ عنوان جلی قلم سے تحریر فرمایا ہے۔ صفحہ ایک سو سولہ میں تصنیف کے تعویق کی وجہ لکھی ہے، جس میں فرماتے ہیں کہ "غالب نے افسوس اس کتاب کو نہیں دیکھا جس کا افسوس رہا اللہ بینیں میں تک اس کتاب کو مکلف چھوڑ دیا۔" خوران کے الفاظ یہ ہیں :-

پھر جیوئیں برس اسے لکھنے لگا ہوں میں ڈالا ہے غم میں دل کو مرے اس کتاب نے

افسوس میرے دل میں یہ حسرت ہی رہ گئی دیکھا نہ اس کو غالب غفراں مآب نے

آخری صفحہ ۱۶۵ میں تحریر ہے کہ "تمت بالخیر والحمد للہ" کہ اس کتاب سراسر فتوح و بوم بہ راحت روح کی تحریر جمادی الاولیٰ کے نویں روز شنبہ کو منیر شریف میں بندہ ضعیف فرزند علی منیری کے ہاتھ سے شروع ہوئی اور ماہ شعبان کے ستائیسویں روز دوشنبہ کو ۱۳۰۳ھ ایک ہزار تین سو چھ ہجری میں قصہ اسلام پور میں اتمام کو پہونچی۔ اس نسخہ کے متعلق اتنا عرض کرنا ہے کہ حضرت متوفی منیری نے اپنے چھوٹے صاحبزادے حضرت شاہ سید علی علیہ الرحمہ کو جو راقم السطور کے جد امجد میں عطا فرمایا تھا، اور ابتدا میں سرور قی بطور یادداشت اپنے دست مبارک سے جلی قلم میں "این کتاب نور چشم سید علی سلمہ راعطا کردم" تحریر فرمایا تھا۔ جب حضرت شاہ اسد اللہ منیری علیہ الرحمہ (جو دوسری محل سے تھے) کو اپنے والد حضرت متوفی منیری کے تمام تصنیفات کی نقل اور اصل کو جمع کرنے کا شوق ہوا تو اپنے چھوٹے بھائی حضرت شاہ سید علی علیہ الرحمہ کو خط لکھا کہ کلیات متوفی منیری نقل کر کے بھیج دو۔ چونکہ یہ کلیات بہت ضخیم ہے اس لئے آپ نے معذرت کر کے یہ کلیات ادن کے پاس بھیج دی اور لکھا کہ اس کی نقل کر کے مجھے واپس فرما دیجئے، زمانہ دراز تک یہ کلیات منیر شریف ہی میں آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے عم محترم شاہ محمد علی صاحب منیری مدظلہ کے پاس رہا، جب مجھے حضرت متوفی منیری کے نثری کارناموں پر تحقیقی کام کرنے کا موقع ملا تو یہ کتاب منیر شریف سے ۱۹ جولائی ۱۹۶۳ء کو واپس ملی تو اس میں سے وہ ورق غائب تھا جس پر حضرت متوفی منیری کے دست خاص کی وہ تحریر تھی منیر شریف جا کر بہت تلاش کیا تو وہ ورق تو نہ مل سکا البتہ جد محترم حضرت شاہ سید علی کا وہ خط ملا جس

میں کتاب کے نقل کرنے کا تذکرہ تھا۔ اب یہ کلیات راقم الحروف کے والد حضرت سید شاہ محمد الیوب ابدالی مدظلہ کی ملکیت ہے۔ جن کے توسط سے وہ میری ملک میں ہے۔ ۱۹۶۳ء میں محترمی قاضی عبدالودود صاحب نے یہ کلیات، صوفی منیری کی غزل کے اشعار انتخاب کرنے کے لئے مجھ سے لیا، کچھ دنوں بعد جب انہوں نے مجھے واپس کیا تو اس کے کچھ اوراق کوم خورہ تھے۔

نسخہ ۲ ملکیت :- کتب خانہ قادریہ۔ خانقاہ اسلام پورہ۔ ضلع پٹنہ۔

تعداد صفحات :- ۱۳۵

تقطیع :- $\frac{1}{4} \times \frac{1}{4}$

کاغذ :- سفید اور دبیر

سطر :- ۱۵ سطریں

کتابت :- نستعلیق بدست حضرت سید شاہ احمد اللہ منیری رحمۃ اللہ علیہ

سن کتابت :- ۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۵ھ مقام منیر شریف

یہ نسخہ (ک) کے نسخہ کی نقل ہے۔ اس کی نقل حضرت مصنف کے صاحبزادہ شاہ احمد اللہ منیری نے مصنف کی زندگی ہی میں ۱۳۱۵ھ کو منیر شریف میں کی تھی۔ اس میں پہلے نسخہ کی قلم زدہ عبارتیں تحریر نہیں ہیں، اس کی نقل طباعت کے لئے کی گئی تھی۔ راحت روح کی طباعت کا ارادہ خود صوفی منیری کو تھا، لیکن ان کی زندگی میں وسیلہ شرف جو چھپی تھی اس میں طباعت کی بہت سی خامیاں تھیں، اس لئے کبیرہ خاطر ہو کر اس کی طباعت کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ آپ کے وصال کے بعد جیہ راحت روح طبع کرانے کی فکر آپ کے نواسہ شاہ عطار الرحمن کو ہوئی تو اسلام پورہ میں نقل شدہ نسخہ نمبر ۲ جو شاہ احمد اللہ منیری کا نوشتہ تھا وہ مطبع حنفیہ پٹنہ بخشی محلہ میں طباعت کے لئے بھیجا گیا اور اسی نسخہ سے راحت روح کی طباعت ۲۳ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۱ھ کو جناب مولانا قاضی عبدالوہید مرحوم رئیس پٹنہ کے مطبع حنفیہ میں ہوئی۔

اس نسخہ کے شروع میں کتب خانہ قادریہ اسلام پورہ پٹنہ کی ہر ہے تیسرے صفحہ میں دو صفحہ کا ایک مکتوب از شاہ احمد اللہ منیری بنام قاضی عبدالوہید صاحب مالک مطبع حنفیہ کا ہے، اس خط میں طباعت کے لئے ہدایت ہے تحریر ہے کہ ”فردی یہ ہے کہ راحت روح شاہ صہیر الحق صاحب کی معرفت صحت کے لئے میں نے طلب کیا تھا آج اصل نسخہ سے مقابلہ کر کے واپس ترسیل خدمت ہے آپ کی توجہات سے زیادہ ترمیم ہے کہ اس کتاب کی صحت میں پوری کوشش فرمائیے کیونکہ یہ کتاب استعارۃً لکھی گئی ہے، اس کے مضامین ایسے تھے کہ صاف صاف اظہار ظاہر لکھے جانے کے قابل نہ تھے پس اگر اس کا کوئی لفظ بدل گیا یا غلط ہوا تو اصل مطلب کا پتہ لگنا مشکل ہو گا کیونکہ صاف صاف عبارت میں معنوں کی رعایت سے غلطی کا پتہ لگانا آسان ہوتا ہے اور استعارات کا ادلا صاف عبارت ہی میں سمجھنا مشکل ہوتا ہے تو غلطی میں کیونکہ

ذہبی نشین ہو گا چنانچہ حضرت مصنف نے اسی کتاب میں یہ

پائیں گے شاہ مطلب کو میرے پاک نظر اللہ الحمد نہیں خون رقابت مجھ کو

اور اس کتاب کی بزرگی مضامین وغیرہ کی نسبت میر زیادہ لکھا طول ہے، صاحب نظر خود ہی جان لیں گے کہ لکھنے والے نے کیا لکھا ہے، چنانچہ اس مضمون کو بھی خود اس کتاب میں مصنف نے یوں فرمایا ہے

مضامین میں سادات علوی نسب اعیان و نجیب و شریف عرب

کہ پہتا ہے پیرایہ اہل ہند یہ صورت میں صالح ہیں سیرت میں رند

یعنی مضمون وہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لائے اور حضرت علی کا فیضان ہوا۔ التماس ہے کہ صحت کا خیال بہت بہت رکھا جائے بلکہ آپ یہ خیال فرمائیں کہ یہ کتاب گویا آپ بطور خود چھپوا رہے ہیں۔ عرۃ الوثقی کے چھتے وقت بھی بندہ نے صحت کے بارے میں عرض کیا تھا مگر اللہ اعلم کیا ہوا کہ اکثر غلطیاں رہ گئیں، ہمیں خیال اس دفعہ مزید احتیاط کے خیال سے مکرر عرض کی ہم امید کرتے ہیں کہ عنایت نامہ کے ذریعہ سے میرے قلب کی اس یاد سے میں تسکین فرمائیے اور دوسری التماس یہ ہے کہ اس کتاب میں اکثر جگہ تثنوی اور نظم وغیرہ جو چار چار پانچ پانچ شعر کے ہیں یا اس سے زیادہ ہیں وہ ایک سطر میں ایک شعر لکھا جائے اس طرح..... اور جہاں کسی بیان کا آغاز بطور داستان کے جلی قلم سے لکھا گیا ہے جیسے خشم و علم کا مقابلہ۔

زیادہ نیاز مند

از اسد اللہ عفی عنہ

راحت روح کے سرور حق جلی قلم سے ان فی ذلک ذکرى لمن كان له قلب تحریر ہے اس سطر کے نیچے یہ عبارت نفی

قلم سے تحریر ہے "حسب فرمایش جناب سید شاہ عطاء الرحمن صاحب نمبر مصنف مرحوم و مغفور" پھر وسط میں راحت روح جلی قلم سے ہے۔ اور سب سے نیچے کتب خانہ قادریہ اسلام پور ڈاکخانہ عطا سرانے ضلع پٹنہ قائم شدہ ۱۳۱۳ھ کی مہر ہے

میں نے پہلے ہی عرض کر دیا ہے کہ اس نسخہ میں نسخہ اول بدست خط مصنف کی قلم زد عبارتیں نہیں ہیں اور اس کی وجہ ظاہر ہے آخری صفحہ ۱۳۹ پر یہ تحریر ثبت ہے "المنتہا للہ کہ اس کتاب سر اسر قیوس موسم بہ راحت روح کی تحریر جمادی الاول کے چھبیسویں روز چار شنبہ کو منیر شریف بن بندہ ضعیف اسد اللہ بن فرزند علی میری کے ہاتھ سے ۱۳۱۵ھ ایک ہزار تین سو اٹھارہ ہجری میں اتمام کو پہنچی فقط" اب یہ نسخہ کم خوردہ صورت میں موجود ہے۔

راحت روح کی طباعت مطبعہ حنفیہ پٹنہ بخشی محلہ میں ۲۲ جمادی الاول ۱۳۲۱ھ میں سید شاہ

نسخہ الف مط

عطاء الرحمن صاحب مصنف کے نواسے کی فرمائش سے ہوئی، یہ کتاب ۲۳۶ صفحات پر مشتمل

ہے (پہلے اور دوسرے قلمی نسخوں میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ پہلا نسخہ اصل ہے اور دوسرا نسخہ اسی کی نقل ہے جو حضرت مولانا بزرگ

کی زندگی میں تیار ہو گیا تھا۔ اور بہت ممکن ہے کہ خود مصنف نے اس پر نظر ڈالی ہو اس لئے ایک اور لفظی فرق کے علاوہ دونوں نسخے مطابقت رکھتے ہیں۔ مطبوعہ نسخہ میں البتہ بعض ایسی تبدیلیاں ملتی ہیں جس کی وضاحت ضروری ہے حالانکہ یہ بات صحیح ہے کہ یہ مطبوعہ نسخہ بھی کہ جس کا ذکر اوپر کیا گیا اسی دوسرے تلمی نسخہ پر مبنی ہے لیکن ایک لفظ اس طرح تبدیل ہو گیا ہے جو ارادۂ بد پر جو معلوم ہوتا ہے، تلمی نسخہ اول کے صفحہ ایک سو سولہ پر مرزا غالب کے انتقال کا تذکرہ کرتے ہوئے صفوی میزبانی نے یہ شعر لکھا تھا کہ

انفوس میرے دل پر حسرت ہی رہ گئی دیکھا نہ اس کو غالب غفران مآب نے

لیکن مطبوعہ نسخہ میں اس شعر کا دوسرا مصرع اس طرح پایا جاتا ہے کہ

دیکھا نہ اس کو غالب والا جناب نے

صفوی میزبانی کا مرزا غالب مرحوم کو غفران مآب کہنا غالب سے ان کی عقیدت اور محبت کے منعق ان کی نیک خواہشات کا ائینہ دار ہے (مطبوعہ نسخہ میں اس کا بدل جانا ممکن ہے اس لئے کہ تاحی عبد الوحید صاحب مرحوم ایک راجح التفسیرہ کئی ہونے کی حیثیت سے مرزا غالب کے لئے معفرت کا کوئی تصور نہ رکھتے ہوں۔ اس لئے موصوت نے یہ غلط تبدیل کر دیا۔

نسخہ مطبوعہ

مرتبہ راقم الحروف۔ مقالہ زیر نظر کے لئے راحت روح کوئے سرے سے مرتب کو نا ضروری معلوم ہوا اس لئے راقم الحروف نے کوشش کی ہے کہ اسے جدید تحقیقی نقطہ نظر کے مطابق ترتیب دے کہ

شائع کیا جائے۔ میرے پیش نظر بنیادی طور پر وہ نسخہ (ممبر) تھا جو خود مصنف یعنی حضرت صفوی میزبانی کے دست خاص کا نوشتہ ہے، پہلے ظاہر کیا جا چکا ہے کہ اس نسخہ میں تبدیلیاں فرمائی ہیں۔ پہلے یہ خیال ہوا کہ اس کو اسی حالت میں شائع کر دیا جائے، لیکن غور و فکر کے بعد مناسب معلوم ہوا کہ قلم زدہ عبارتوں کو متن سے ہٹا کر ذیلی حاشیہ میں جگہ دی جائے تاکہ عام پڑھنے والوں کو کسی قسم کی دشواری پیش نہ آئے اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوسکے کہ مصنف نے جو عبارتیں قلم زدہ کی ہیں وہ کیہ ہیں اکثر و بیشتر وہی عبارتیں قلم زد کی گئی ہیں جو زوائد کی حیثیت رکھتی تھیں یا مفہوم کے سمجھنے میں رکاوٹ ڈالتی تھیں موجودہ نسخہ میں یہ ساری عبارتیں متن کی بجائے حاشیہ میں موجود ہیں۔

راحت روح میں تصوف اور اخلاق کے اعلیٰ ترین مسائل تمثیلی انداز میں پیش کرتے ہوئے مصنف نے جگہ جگہ آیات قرآنی، احادیث شریف، صوفیائے کرام کے اقوال اور ایسے تلمیحی اشاروں سے کام لیا ہے جن سے معنویت میں اضافہ ہوتا ہے۔ صاحبان علم کے لئے تو ان باتوں کا بگھٹنا کچھ ایسا دشوار نہیں لیکن عام مطالعہ کرنے والے ان اشاروں سے ناواقف ہوتے ہیں اس لئے مطلب سے پوری طرح لطف اندوز نہیں ہوسکتے۔ راقم الحروف نے حتی الوسع ایسے تمام اشاروں کے لئے حوالہ جات اور تشریحی نوٹ فراہم کئے ہیں جو حواشی میں پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح متن میں جا بجا جو نادر سی شعار آئے ہیں ان کی تشریح بھی حاشیہ میں کر دی گئی ہے۔

مملوکہ بہ خاندانی کتب خانہ منیر شریف ضلع پٹنہ
تعداد صفحات :- ۲۱۰

وسیلہ شرف ذریعہ دولت نسخہ ۱

تقطیع :- ۹ ۱/۴" x ۶"

کاغذ :- زرد رنگ اور باریک

سطر :- ۱۴ اور ۱۵ سطریں

کتابت :- نستعلیق بدست مصنف

سن کتابت :- ۱۳۱۱ ہجری

یہ مخطوطہ مصنف کے دستِ خاص کا خوش خط نوشتہ ہے۔ اس کے پہلے صفحہ پر سرخ روشنائی اور جلی قلم سے وسیلہ شرف تحریر ہے، دوسرے صفحہ سے کتاب کی ابتدا ہوتی ہے، ثنوی اور شعر جہاں پر لکھا گیا ہے اس کا عنوان جلی قلم اور سرخ روشنائی سے لکھا ہوا ہے کہیں کہیں حاشیہ میں عبارت کا اضافہ ہے عبارت "نقل یا سن ہے" سے شروع ہوتی ہے تو یہ لفظ جلی قلم اور سرخ روشنائی سے لکھا ہوا ہے، بعض جگہ جلی قلم سے لال روشنائی میں "ن" تحریر ہے، اس سے ذمہ مراد ہے اور مصنف نے خود اس کی وضاحت کی ہے۔ عنوان کی ابتدا بھی جلی اور سرخ روشنائی سے کی ہے۔ وسیلہ شرف کی کتابت صفحہ ۱۱، صفحہ ۶۴ ہے، آخر میں تحریر ہے: "الحمد للہ کہ کتاب موسوم بہ وسیلہ شرف اس کے جامع فرزند علی کے ہاتھ سے روز جمعہ آخر عمر ۵ ذی الحجہ ۱۳۱۳ھ میں لکھی گئی و الحمد للہ علی ذلک۔ صفحہ ۶۵ پر جلی قلم اور لال روشنائی سے ذریعہ دولت تحریر ہے اور صفحہ ۶۶ سے اس تصنیف کی ابتدا ہے، روشنائی بدلی ہوئی ہے یعنی بجائے سیاہ آسمانی رنگ کی روشنائی ہے، صفحہ ۹۲ تک اسی طرح پر ہے، صفحہ ۱۳ سے سیاہ روشنائی سے کتابت ہے، اس میں ججا عبارتیں قلم زدہ ہیں اور حاشیہ پر اس کی تصحیح یا اضافہ ہے آخر میں ذکر حضرت شیخ ابوالبرکات امیر ابن حسین عزت شاہ اولاد علی کا ہے، صفحہ ۲۱۰ پر آخر میں یہ تحریر ہے الحمد للہ کتاب مستطاب ذریعہ دولت تمام ہوئی بروز یکشنبہ ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۱۳ھ راقمہ فرزند علی منیری مافی عنہ" اس کے بعد دستِ صفحہ ۲۱۱ سے صفحہ ۲۲۰ تک غایت ہیں، صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ صفحات کسی چیز سے کاٹ کر علیحدہ کر دیا گیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان صفحوں پر کچھ اور باتیں تحریر تھیں جو علیحدہ کر لی گئی ہے۔ اس غائب شدہ صفحات کی کوئی دوسری نقل بھی تک دستیاب نہ ہو سکی ہے۔

وسیلہ شرف و ذریعہ دولت کی پہلی اشاعت حضرت مصنف کی زندگی ہی میں ...

احسن المطابع پٹنہ سے ۱۳۱۸ھ میں ہوئی، اس کی طباعت مصنف کی پسند کے

نسخہ الف مرط

مطابق نہ ہو سکی، جس کی شکایت ایک خط کے ذریعہ انھوں نے اپنے صاحبزادہ حضرت شاہ اسماعیل منیری سے کی ہے، جس

میں خریدتے ہیں۔ وسیلہ شرف تو بیعت بھی ہندی محنت بربادی، مجھ کو ابدتہ نہایت جوتی۔ رفت بھی بدست، کہیں کم نما اور کہیں بہت کم نما، بہر کیفیت راحت روح کے چھاپنے میں جلدی نہ ہو۔ نہ زندہ علی غشی متہ۔

راقم الحروف نے قلمی نسخہ محرقہ بدست خاص مصنف اور نسخہ مطبوعہ دل سے مقابلہ کر کے وسیلہ شرف و ذریعہ دوست کو ترتیب دیا ہے اور طبع کیا ہے، اس سے راقم الحروف کے مطبوعہ نسخہ نمبر ۴ ان بی دونوں نسخوں میں نسخہ نمبر (ک) اور نسخہ نمبر ۲ مطبوعہ تیار پر مبنی ہے۔

نسخہ ب مط

وسیلہ شرف و ذریعہ دوست کی دوسری شامت بطبع اخبار اپنچ "بانک پورہ" سے ۱۳۳۹ھ میں جوتی پر پہلے مطبوعہ نسخہ کی بنی تھی ہے۔

نسخہ ج مط

تیسری اشاعت وسیلہ شرف و ذریعہ دوست کی طبع مسلمہ لیتھو اینڈ پرنٹنگ پریس پتہ پورہ چنگام مشرقی پاکستان سے ۱۹۶۶ء میں ہوئی ہے، جس میں برادر عزیز محنتی بدنی منبری سلمہ نے ترتیب اور فقہ مستفقین کا اضافہ کیا ہے، اس کے علاوہ حضرت حقانی منبری کے حالات اور اپنے دارا حضرت شاہ سلمہ منبری کے حالات کا اضافہ کیا ہے۔

نسخہ د مط

چوتھی اشاعت مطبعہ سلیمی برقی پریس، یحییٰ پورہ آباد سے ۱۳۵۹ھ میں ہوئی جس کی ترتیب اور طباعت کی سعادت راقم الحروف کے حصہ میں آئی، اس کی ترتیب میں میں نے قارئین کی بہت سے پیش نظر کچھ اضافے کئے ہیں یعنی بعض ضروری معلومات کا اضافہ حاشیہ پر کیا ہے۔ یاد رہے میں، یا سلاطین کا تذکرہ و ہر نامہ بھی کتابوں میں مل جاتا ہے۔ لیکن بزرگوں سے ان سلاطین کو کی غیبت رہی ہے یہ بھی حاشیہ پر درج کر دیا ہے۔ بعض موقوفیہ کرام کے نام کے صرف اشارے تھے ان کے حالات کی وضاحت بھی میں نے حاشیہ میں کر دی ہے۔ ان قلمی کتابوں کی بھی وضاحت کر دی ہے جن کا تذکرہ یا حوالہ اس کتاب میں ہے۔ بعض مقامات کی معلومات بھی فراہم کر دی ہے جس کی واقفیت کم لوگوں کو ہے، ان تمام اشارات کی توضیح سے کتاب کی افادہ حیثیت میں اضافہ ہو گیا اور کتاب کی ضخامت بھی بڑھ گئی ہے۔

ملکیت :- کتب خانہ حقانی منبری۔ میز شریف پتہ
تعداد صفحات :- ۵۷

خط راست نسخہ ۱

تقطیع :- ۹" x ۶"

کاغذ :- ہر کا زرد رنگ

سطر :- ۱۱ سطریں

کتابت :- بحفظ مصنف

من کتابت :- روز شنبہ شانزدہم جمادی الاولیٰ ۱۳۰۹ھ

یہ رسالہ شیعوں مذہب کی تصنیف "کاشف سراخفی" کے جواب میں لکھا گیا ہے، جس کی وضاحت صوفی منیری کی تصنیفات کے اجماعی مانزہ میں کر دی گئی ہے اس کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے "بعد اس کے صاحب ہر ایہ توفیق طالب سرمایہ تحقیق عزیز سراپا دانش تیز کی خدمت میں فقیر فقیر فرزند علی منیری کا تحفہ اسلام موصول ہو" جا بجا کچھ تحریر قلم زد ہے۔ قرآن شریف کی آیتیں سرخ روشنائی سے خط کشیدہ ہیں۔ آخر کے صفحہ پر تحریر ہے "یہ خط اخلاص منطاب وجود ختم کردی درق ہو گیا تو خط راست اس کا نام بھی رکھ دیا قطعہ تاریخ سے

لکھا ہے ہم نے یہ خط راست راست بے کم دیش

تلاش سال میں روح القدس سے لیکر داد

۱۳۰۰ھ

۹

والسلام علی من اتبع الهدی۔ راقم فرزند علی منیری مرقومہ روز شنبہ شانزدہم جمادی الاولیٰ ۱۳۰۹ھ

ملکیت :- حضرت سید شاہ محمد ایوب ابدالی بن شاہ سید علی بن شاہ فرزند علی صوفی منیری
(والد ماجد راقم الحروف)

نسخہ بقی

تعداد صفحات :- ۵۵

تقطیع :- ۱۰" x ۷"

کاغذ :- سفید دبیر

سطر :- ۱۱ سطریں

کتابت :- نستعلیق بدست مصنف

یہ نسخہ بھی حضرت صوفی منیری کے دست قاص کا نوشتہ ہے، اس میں منی تحریر کا پتہ نہیں چلا، اس لئے کہ پہلا صفحہ غائب تھا۔ جس کو دوبارہ حضرت والد ماجد سید شاہ محمد ایوب ابدالی مدظلہ نے تحریر فرمایا ہے۔ سینتالیسویں صفحہ کے بعد کے اوراق غائب ہیں۔ پہلے نسخہ سے متبادہ کر کے آپ نے اس کی کتابت صفحہ ۴۸ سے صفحہ ۵۵ تک کی ہے۔ ہر صفحہ میں بجائے گیارہ کے دس سطریں ہیں، اس نسخہ میں قلم زدہ جہتیں چھڑ دی گئی ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ پہلے نسخہ کی نقل ہے لیکن قلم زدہ عبارتوں کو متر وک کو کے تبدیلی کی گئی ہے، روشنائی سیاہ ہے، آیتوں اور احادیث پر سرخ نشان لگا دیا گیا ہے۔ ابیات، ثنوی، شعر، منقول وغیرہ کو سرخ روشنائی سے تحریر کیا گیا ہے۔ نسخہ کاشف سراخفی کے بدلے صرف مولف کاشف تحریر ہے۔

نسخہ جاق

مرتبہ راقم الحروف میں نے اس رسالہ یعنی "نسخہ راست" کو کچھ مع حواشی ترتیب دیا ہے۔
حاشیہ میں ضروری معلومات فراہم کر دیے گئے ہیں۔ احادیث، آیات قرآنی، اقوال موفور کا

ترجمہ اور اس کی وضاحت کر دی ہے۔ بعض اشارات کی وضاحت کو ضروری سمجھ کر اس پر روشنی ڈالی ہے۔

ملکیت :- خاندانی کتب خانہ منیر شریف ضلع پٹنہ

تعداد :- ۶۰

عروۃ الوثقی

تفصیل :- ۱۰ " ۶ "

کاغذ :- زرد رنگ باریک

سطر :- ۱۶ اور ۱۷ سطریں

کتابت :- نستعلیق بخط مصنف

یہ نسخہ حضرت صفوی میری کے دست خاص کا نوشتہ ہے۔ جو نامکمل ہے۔ اس میں پہلے صفحہ کی عبارت سے کچھ جملے نہیں چلتا۔ دوسرے صفحہ کی چودھویں سطر میں یہ عبارت درج ہے "غریزوں کی فرمائش سے یہاں عقائد میں یہ رہا نہیں مجھ پر ذوق ہوا معتبر کتابوں سے لکھتے ہوں۔ عروۃ الوثقی اس کا نام اور تاریخ ہے۔ اس میں باب ہیں اور فصل پہلے سے صفحہ سے کتاب شروع کر دیا۔ نویں صفحہ کے آخر میں اصح ان میں لکھا اور دسویں صفحہ ۱۵ ہے۔ اس میں صرف اصح ان میں لکھا ہے جو پہلے تیسویں صفحہ کے آخر میں تحریر ہے کہ "باب دوم حضرت رسالت پناہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں" تیسرا نسخہ صفحہ تک باب دوم ہے۔ آخر کی عبارت "خلیفہ نے ردضہ باب رک کے چاروں طرف سے زمین کھدوا کر آٹھ دھات کی دیو بہت رو تک نبوذا کر زمین کو برباد کر دیا اگر جس طرح پر کہ اب ہے جالی وغیرہ درست کر دیا کہ قبر مستحکم بنوا دیا۔ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب اجمعین الی یوم الدین" اور سٹھویں صفحہ سے پھر اس طرح شروع کیا ہے "مقدمہ تیسرا پیغمبروں کے بعد افضل البشر ابو بکر صدیق ہیں۔" سٹھویں صفحہ پر کتاب ختم ہے اور ناقص ہے، اس سے کہ آخر کی عبارت یہ ہے "سعد نے کہا یہ لوگ تیرے ہاتھ کا ذبح کھائیں گے، عمر آگے بڑھے۔"

عنوانات حلی قلم سے تحریر ہیں، خاص کر پہلے باب کی تمام تفصیل اس طرح شروع ہوتی ہیں۔ اس میں قلمزرد عبارتیں بہت ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب نقش اول ہے، اس لئے نسخہ جیوں کا تیار رہ گیا۔

اس رسالے کے آخر میں دوسرے کاغذ پر عروۃ الوثقی منظوم کی بھی کتابت مصنف کے قلم سے تحریر ہے جس کی کتب کتابت

۱۳۱۸ھ ہے۔

اردو ادب میں تصوف کی روایتیں

(۲) اردو ادب کے کئی ماخذ اور کئی روایتیں ہیں۔ (۱) عربی اور فارسی ادب کی روایات کا اثر اردو ادب پر گہرے طور پر پڑا ہے۔ (۳) قدیم سنسکرت اور پرگت ادب کا اثر تو بھی ایک حد تک پڑا ہے۔ (۳) اردو ادب مغربی روایات سے بھی متاثر ہے۔ اس کی بنیاد پر رگای سے ورتکھیل نگریزی ادب سے ہوئی۔ ان تینوں سرچشموں کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ بالخصوص عربی و فارسی ادب کی روایات میں صوفیانہ میلانات نمایاں طور پر ملتے ہیں۔ صوفیت، مذہب و اخلاق کی طبیعت شریک ہے۔ اور اس میں خارجی مراسم سے زیادہ کیفیتِ دل اور عرفانِ حق پر زور دیا ہے۔ سنسکرت اور پرگت ادب کی روایات میں بھی اخلاقی اور عرفانی عناصر موجود ہیں۔ شاعری کے علاوہ ان دونوں مشرقی سرچشموں کی نثر میں ہمیں اخلاقی و روحانی تجربہ اور رب مکی روشنی ملتی ہے۔ بیناں پچھپی، طوطا کہانی، پرمات و غیرہ ایک طرف اور سکایات لکھان اور بہت سے صوفیانہ اور اخلاقی قصے دوسری جانب خصوصاً شکارنامہ، سب دس، راحت روح، اخلاقی اور روحانی معارف صوفیانہ سے بھرے ہوئے ہیں مغربی ادب میں بھی صوفیانہ میلانات نشر و نظم دونوں میں جاتے ہیں مثلاً اسپنسر (SPENCER) اور پلانک (PLANK) کی شاعری میں اور بونین (BUNYAN) کی ایمانی اور تمثیلی پلگرم پروگرام (PILGRIM) میں صوفیانہ خیالات ملتے ہیں۔ تصوف اور اس کے تدریجی ارتقا اور میلانات کا اگر تجزیہ کیا جائے تو اس کے تمام حقائق روشن ہو سکتے ہیں۔

تصوف کی ابتدا مختلف جہتوں سے ہوئی ہے اور اس میں اختلاف بھی پایا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مذہب میں علیحدہ علیحدہ صوفیانہ میلانات پیدا ہوئے ہیں جیسے نوافلاطونیت، بودھ مت، ہندو فلسفہ، ایران اور مانویت، مسیحیت اور اسلامی عورتیت۔ پھر سہل نوں میں بھی مختلف مسلک تصوف کا متصادم اثر پڑتا رہا ہے۔ بہت مشکل ہے کہ ہم ان سارے تصوفانہ تدریج کو جو مسلم قوم نے پیش کیا ہے ایک مضبوط اسلامی صوفیت کے دھاگے میں پروسکیں۔ خود ہندوستان کے صوفی بزرگوں کے تصورات میں فرق پایا جاتا ہے۔ صوفیانے ہند اور صوفیانے عربی عجم کے مشربوں میں بھی اختلاف پائے جاتے ہیں۔ سماع اور وجد و حال کے حوازد عدم حوازد قطع نظر شریعت اور طریقت کے اہتمام اور اہمیت میں بھی فرق ہے۔

اسلامی تہذیب میں صوفیت کی ابتدا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات باریکات سے ہوئی۔ قرآن مجید میں ہے:

لَا تَزِجُ بَیْنَهُمْ رَہْمَہُمْ سُوکًا مِّنْہُمْ یَتْلُوْا عَلَیْہِمْ اٰیٰتِہٖ وَ یُزِکِّیْہُمْ وَ یُعَلِّمُہُمُ الْکِتٰبَ

حضرت علیؓ کو مانتہ وجہ پر ہی نظر نہیں ہوتی بلکہ حضرت صدیق کبرؓ، عمرؓ، ذوق و عثمانؓ ذی النورینؓ، ابوذر غفاریؓ پر بھی طاری تھی۔ صحابی کے بعد تابعی کا دور آتا ہے اس دور میں کچھ ایسے تابعی بھی تھے جنہوں نے اپنے افعال و اقوال سے تصوف پر گہرا اثر ڈالا ہے ان میں حضرت ادریسؓ، قرقیؓ اور حسن بصریؓ مشہور ہیں۔ آپ کے بعد تبع تابعین کا دور آتا ہے۔ اس دور میں اسلامی تصوف کو بہت فروغ ہوا لیکن ان سب..... باتوں کے باوجود تصوف فن اور علم کی حیثیت سے ایک منفرد مقام حاصل نہ کر سکا اور صوفی کے لقب سے کوئی مشہور نہ ہو سکا۔ خانقاہ کی بھی ایجاد نہیں ہوئی اس کی مختلف وجہیں ہیں۔

عہد صحابہ، تابعین اور تبع تابعین میں علم حدیث، تفسیر اور فقہ کی طرٹ رجحان زیادہ تھا اور اس کی ترویج و اشاعت میں مشغول تھے اس لئے علم تصوف کی طرٹ توجہ نہیں کی گئی صوفی کا لقب اس لئے نہیں قابلِ عظمت و بزرگی سمجھا گیا چونکہ اس عہد میں صحابی، تابعی اور تبع تابعی کے لقب کو عظمت و فضیلت حاصل تھی۔ ابوہریرہؓ کوئی پہلے بزرگ ہیں جو صوفی کے لقب سے مشہور ہوئے۔ قرون و دون میں مسجدوں کو ادریت اور فضیلت حاصل تھی اس لئے تمام مسائل مسجد ہی میں طے پاتے تھے۔ دنیاوی مسائل طے کرنے کے لئے والگ الگ بگس نہیں تھیں سیکس امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ جب عام مسائل دنوں سے صوفیہ رکاوٹ گودہ لگ ہو، تو ان کی روحانی تربیت کے لئے ایک لگ مقام کی ضرورت پیش آئی۔ حانتہ کا وجود دراصل اسی ضرورت کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ دوسری صدی ہجری میں ابوہریرہؓ نے صوفیہ کے تعلیم و تربیت اور ذکر و فکر کی غرض سے شام کے مقامات میں جیسا یوں کے صومرہ کے مانند ایک خانقاہ تعمیر کی۔ اسوم میں نہایت حیثیت سے یہی پہلی خانقاہ ہے۔ علم تصوف کا، اگر جائز یہ جائے تو یہ حقیقت، شرکاء ہوتی ہے کہ تصوف ایک ایسا مسلک ہے جس کی کج نمک کوئی جامع تعریف نہیں ہو سکی ہے، اس لئے کہ یہ ایک ذاتی، تجرباتی، ذوقی اور وجدانی شے ہے ایسی حالت میں تمام اصحاب رائے کا، تفان ایک ہی بات پر ہونا محال ہے کیونکہ ہر ایک کا ذوق و وجدان مختلف ہے۔ جس کا ذوق جتنا زیادہ لطیف ہوگا اتنا ہی زیادہ وہ حقیقت الامر کو سمجھا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ مسلک تصوف نے کسی زمانہ میں بھی کوئی واحد و مستقل صورت اختیار نہیں کی ہر عہد میں اس کی شکل و صورت بدلتی رہی، ادارائل اسلام میں تصوف محض زہد و تقویٰ کی صورت میں موجود تھا۔ زمانہ مابعد میں اس میں بڑے مختلف رنگوں کی آمیزش ہوتی رہی اس لئے اس کی کوئی جامع تعریف ممکن نہیں۔ تاہم صوفیہ کے کرام نے اپنے اپنے ذوق و وجدان کے مطابق اس کی جو تعریفیں کی ہیں ان میں سے چند پیش کی جاتی ہیں تاکہ ان کے ذریعہ تصوف کے مفہوم و مطالب پر روشنی پڑ سکے۔

① شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف کی تعریف اس طرح کی ہے، "تصوف وہ علم ہے جس سے تزکیہ نفس، تصفیہ اخلاق، تعمیر ظاہر و باطن کے احوال کا علم ہوتا ہے تاکہ سعادت، بہی حاصل کی جاسکے۔"

۱۰ تاریخ تصوف و اسلام ص ۱۹

۱۱ نفحات الانس۔ عبد الرحمن جامی ص ۱۳

۱۲ رسالہ تشریح ص ۱۰

۱۳ تاریخ تصوف و اسلام ص ۱۹

حضرت جنید بغدادی قدس سرہ منوفی، شہسوار سے مروی ہے صوفی وہ ہے جس کا دل دنیا سے متنفر و زہد
الہی کو ماننے والا ہو، اس میں نسیم، سمیع علیہ سلام کی طرح، اندر حضرت داور میر سدر کی طرح، اندر جینی عیدہ سلام کی طرح،
..... صبر حضرت ابوب عبدہ سدر کی طرح اور صدق رسول کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہو۔

حضرت ذوالنون مصری منوفی، شہسوار سے کہی گئی کہ صوفی کون ہے تو نے کہا کہ وہ ہے جس کا دل دنیا سے متنفر و زہد
صوفی وہ ہے جس کی ہر چیز پر خدا کے عز و جل کو فوقیت دی ہو، اسی کو پسند فرماتا ہے۔

حضرت محمد زکریا جاناں شہسوار الدین محمد عینی مرئی شہسوار، شہسوار سے کہی گئی کہ صوفی وہ ہے جس کا دل دنیا سے متنفر و زہد
اس طرح لکھا ہے: "نور معبود ہو کر دنیویات و دنیویہ سے دور ہو، اور خدا کے سامنے بھی ہو۔" اس زمانہ میں
چونکہ برائی کا غلبہ ہے اس لیے صوفیوں کا دل بھی لوگوں کی نگاہ میں زہد و زہد کے لیے ہے۔ یہ نہایت ہی دلچسپ و دلچسپ ہے۔
محبت کے متعلق آپ کے مضمون میں اس طرح لکھا ہے: "محبت کے لیے ہر چیز کو معبود سے بیجا کرنا، مگر خدا کو نہ دیکھنے سے
باطن میں عشق و محبت فرض ہے جس کی پوری زندگی خدا کے ساتھ ہے۔ مستحق بندے کو خدا تک پہنچانے کے لیے اس میں کہ عشق و عشق
راہ ہے زندگی کو عشق کے ذریعہ پہنچانے اور موت کے عشق کے بندہ کو باقی رکھنے۔"

پہلے اپنے ذوق و بصیرت کے اعتبار سے صوفیت کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں لیکن عمر نہیں مسد کی نوعیت کے اعتبار
سے بھی بڑی ہیں۔ فی حاکم ہمیں اسلامی صوفیت کو بتیں نظر آتا ہے مسلم ہدیب میں بھی صوفیت کے مختلف فواید
اور سلاسل ابھرے اور اس میں اختلاف بھی ہے بعض عناصر مسلم صوفیت میں ایسے بھی آئے جنہیں مفسر اسلامی کہیں گے۔
یہ عناصر خصوصاً یونان اور ہندوستان سے آئے ہندو متاثرات پیدا ہوئے۔ حضرت حافظ اردشیر علی صاحب نے اپنی
تصنیف میں لکھا ہے کہ قرآن حکیم میں جو تعلیمات ملتی ہیں ان میں زکیہ روح کی داخلی تعلیم بھی درپردہ اندر نسبت
کے لیے خارجی تعلیمات بھی پائے جاتے ہیں جو زکیہ روح کے لیے مناسب ماحول کا کام کرتی ہیں۔

حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم صوفی اعظم تھے قرآن کریم میں جتنی تعلیمات ہیں آپ نے سب پر عمل کر دیا اور
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام پر پہنچے ہوئے آپ میں باطنی اور ظاہری پسرگیوں کی ہر قسم پانی گئی قرآن حکیم مجمع البحرین ہے اور
محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم مجمع البحرین ہیں۔ قرآن حکیم میں روحانی اور مادی باتوں کے سمندر میں مارتے ہیں اور نبی کریم
کی ذات و صفات میں بھی غرض خالص اسلامی صوفیت سلام سے پیچیدہ کوئی چیز نہیں۔ اسلامی شریعت اپنے اندر

۱۔ راجع فیشر یہ ص ۱۲۰ ۲۔ تذکرۃ الاولیاء مصنفہ حضرت فرید الدین عطار ص ۲۳۳ ۳۔ مکتوبات صدی مکتوب بہت بڑا مجموعہ۔

۴۔ فوائد کئی فوائد اول مکتوبات محمد بن جہاں ص ۱۵۰ ۵۔ مجمع البحرین مصنفہ حافظ اردشیر علی۔

طریقت کو بھی سمجھئے ہوئے ہے۔ دراصل شریعت اور طریقت کے یکساں معنی ہیں۔ ”وہ سنت“ اسلام قرآن مجید کے ذریعہ بہترین رستے کی رہنمائی کرتا ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے شریعت اور طریقت میں کوئی تضاد نہیں بعد میں لوگوں نے اختلافات پیدا کئے۔ اسلام کی تعلیم ہمہ جہتی اور کلی ہے وہ افراد پر زور نہیں دیت۔ تکمیل پر زور دیتا ہے۔ اسلامی اصول یہ ہے کہ تزکیہ روح بھی ضروری ہے اور تعلیم کتاب بھی لازمی ہے۔ اسلامی تعلیم پر مکمل عمل کئے بغیر تزکیہ روح ناممکن ہے مثلاً روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ قرآن کریم کی بظاہر تفسیروں سے چھوٹی تعلیم بھی کمال اہمیت رکھتی ہے۔ شریعت قرآن کو کسی حالت میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن خود شک نہایت کا قائل نہیں۔ شریعت کی بیجا پابندی کو وہ مکرور قرار دیتا ہے۔ اذن تو وہ شریعت کی علامت سمجھتا ہے۔ قرآن خود علمائے یہود پر تعمیری طنز کرتا ہوا فرماتا ہے: ”مَثَلُ الْإِسْمَارِ يَخْمِلُ أَسْفَارًا“ ان کی متوں نے انہیں علم کی طرح ہے جو کتاب کا صحیح علم اور بصیرت نہیں رکھتے صرف کتاب ڈھونڈ چلتے ہیں۔

اسلامی دور میں جب بزرگ دنیا پرستی کی طرف مائل ہو گئے اور علماء میں روح مذہب باقی نہ رہی صرف فشرہ گیر معزز نہ رہے۔ نوابوں حضرات نے قرآن مجید کی ان تعلیمات پر زور دینا شروع کر دیا۔ جو خشیت الہی اور داخلی مکارم اخلاق کو پیش کرتی تھیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اور تعلیمات کو انہوں نے نظر انداز کر دیا۔ وقت کی ضرورت کے لحاظ سے انھوں نے علاج بخوبی کیا۔ اس طرح صالح صوفیوں کا ایک گروہ پیدا ہوا اور ملت اسلامیہ میں وقتاً فوقتاً اعلیٰ درجہ کے اصفیاء پیدا ہوتے رہے۔ مثلاً حضرت عبد اللہ درویشی، حضرت مخدوم جہاں شاہ، شمس الدین عظیمی، میر تقی میر، حضرت مجدد ملت ثانی سرہندی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ان میں سے ہر ایک علم شریعت کا ہمہ جہتی حسترام فرض سمجھتا تھا۔

اصل صوفیت عین اسلام ہے۔ صوفی وہ ہے جو مومن و مسلم کے ساتھ باطنی حسن و اخلاق پر بھی نظر رکھے اور دوزندگی کی اصل مرض داخلی اور روحانی اصلاح کو فراموش نہ کرے۔ خشیت اللہ سے مومن اور محبت الہی سے سرشار ہو۔ اس کی زندگی سادہ، صاف اور بے داغ ہو۔ اس میں دکھلاوا، سکر نہ پایا جائے وہ سختیاں پہنے گا، رک ہو اور دنیا کے عیش و غم کو مقصد جت نہ سمجھے۔ دنیا مٹ جائے نظر نہ ہو۔ آخرت کا علم نظر ہو۔ ایک طرف اس میں اگر خدا کا عشق ہو تو دوسری طرف خدا کے بندے کی محبت بھی پائی جائے۔ ایک سچے صوفی وہ ہے جو عیاری مسموم ہے۔

قرون ادنیٰ میں اور قرون ادنیٰ کے بعد جو مسلمانوں پر دنیاوی نعمتوں کی بارش ہوئی تو پھر فطری میلانات کی تحت اہل اسلام کا ایک طبقہ دین سے غافل ہو گیا اور جو دین پر فائز بھی رہے ان میں رقت قلب نہ رہی۔ یہاں تک کہ علماء کی ایک بڑی تعداد بھی محض ظاہریوں اور امر کلمات دین کی سطح پر بیرونیوں میں بھٹک رہے تھے۔ انھوں نے

خدا نے تعالیٰ ہی کا ہے۔ اور ہم میں سے کچھ بھی نہیں۔ بعض صوفیوں نے اس خطرے سے بچنے کے لئے محتاط طور سے یہ کہا کہ اس کائنات کے ذرے ذرے میں صرف خدا نے تعالیٰ کی عظمت کا مشاہدہ جوتا ہے اور اسی کی ذات صوبہ کن ہے۔ ہرے میں ہم اسی کی گہریائی کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

اسلام کی چودہ سو سال کی تاریخ میں مختلف شیعہ و فرز پیدا ہوئے۔ اور مسلمانوں کے صوفیہ خیالات میں دوسرے ادیان کے خیالات کی ملاوٹ بھی ہوئی کہیں تو فلاطولی تیاراب داخل ہوئے تو کہیں اوراق خیرات کہیں عیسائیت نے عقائد پہنچایا تو کہیں یہودیت نے۔ اور سب سے بڑھ کر ہندو تہذیب کے ابھنے ہوئے دہدانی فلسفے نے۔ ویدانتی فلسفہ و ویدانت کو بھی پیش کرتا ہے۔ درہتہ ہندو دھرم الوجود ہندو کو بھی۔ ہندو فلسفہ ایک ایسا فلسفہ ابھام جس میں خیالات کی تنظیم نہیں ملتی وہ ایک الجھ بوا نار مشبوت ہے اس سارے بیرونی ذکر و خیالات کے بعض کمزور ذہن اور ناتواں قلب رکھنے والے صوفیوں کو متاثر کیا۔ یہاں تک کہ اسلامی صوفیت میں امراض پیدا ہو گئے۔ کہیں ربیت اور فنا فیہیت نے جنم لیا اور کہیں ہندو خیالات نے سرائی۔ اور اسلامی صوفیت اپنی پاک و منزه صاف صاف ہندو مذہب کی سیکن اس کے باوجود ہر دور میں صحیح اسلامی ذہنیت رکھنے والے صوفی بھی بڑے مثال و جس سے نمودار ہوئے۔ اور انھوں نے غیر اسلامی بتان ازکار کو توڑا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہندوستان کے بہت بڑے بت خانے کے خطرے کو دور کرنے کے لئے یہاں بکثرت ایسے صوفیوں کو مامور کیا جنھوں نے وحدانیت کا مصفا و منزه چہرہ دکھلایا۔

ہندوستان میں صوفیوں کے دور ادبی کی خانہ میں عظیم ذہنیت کی عظیم ذہنی اور روحانی یونیورسٹیاں تھیں۔ یہ عظیم ادارے اسلام کی تبلیغ کے مراکز تھے اور ان میں مسلمانوں کی ذہنی اور روحانی تربیت کی جاتی تھی۔ یہ فعال مراکز تہذیب تھے، لیکن جب مسلمانوں پر ذل و آزار کا یہ خانہ خانہ ہی اغیار کی روت مائل ہوتے لگیں اور ان میں عرس و توالی ہونے لگی، سجادہ نشین گوشہ گیر و خانہ نشین ہو گئے۔ اور ان مراکز سے زندگی کی روشنی پھوٹی بند ہو گئی۔ پھر بھی وقتاً فوقتاً انہی خاکستریوں میں کوئی دلی ہوئی چنگاری چمک اٹھتی تھی اور ان برسے ہوئے بادلوں کی خوابیدہ بجلیاں شب و دن میں ہر آن لگتی تھیں۔

تصورات ایک غلط بھی ہے اور ایک فن بھی۔ فن میں تجربات حیات، احسانات، جذبات اور واردات، تخیلات ذکر معنی اور تصورات کو متوازن تر شید و، بایہ اور منظم حسین اور پرتا نیر انداز میں پیش کرتے ہیں۔ تجربات کی نوعیت خواہ کچھ ہو گی۔ ہو یا حقیقت انھیں جذبی و تخیلی طور پر باندازہ توارن حسن پیش کرنا شکاری ہے۔ لہذا شعر و ادب کی دنیا میں مناظر فطرت کی جگہ بھی ہے، حقائق معاشرہ کی بھی، جذبات و کوائف داخلی کی بھی اور انکار و خیالات و عقاید کی بھی۔ پھر کسی ایک جذبہ کو بچے مثلاً جذبہ عشق، اس کے بھی ہزار شیوے ہیں۔

سپارشیوہ ہانت بتان را کہ نام نیست

اردو کی شہریت کا جہان تک تعلق ہے۔ تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ اس کی آبپاری میں صوفیائے کرام کا بہت بڑا ہتھ ہے اور اردو کے خوش اوس و خوش گذر گزیدہ ہستیوں کے مریوں منت ہیں۔ دیارِ ہند میں صوفیائے کرام رشد و ہدایت، تذکیرِ روحانی، خلوص و محبت اور خلق و اینار کے ذریعہ عوام کے زلوں پر فتح حاصل کر رہے تھے وہ ذات پاک اپنے وعظ و نصیحت سے عوام کو اپنے رہے تھے۔ کیونکہ وہ صوفیاء، اشراف و محبت کے بلکہ ہوتے اور ان کے ہندو نصحاء بھی صدقت پر مبنی اور درد و تاثیر میں ڈوبے ہوتے عوام کے زلوں پر نقش کر رہے تھے۔ اس کی حقیقت چند باتوں میں جا زہیت اور کشش ہونی جو ان کے زلوں کو سحر کر مینی درد و گزیدہ ہو کر ان کے دامن سے وابستہ ہو جانے۔ ان کے طور طریقے اور زبان پر بھی اثر پڑتا۔ اسی طرح ایک مخلوط اور مستند زبان کی بنیاد پڑتی۔

دوسری وجہ اردو کے شہریت کی یہ بھی ہے کہ چونکہ صوفیائے کرام کی غرض و نیت، رشد و ہدایت اور تبلیغ اسلام تھی اس لیے ان کا تعلق خواص سے زیادہ عوام سے تھا۔ اور عوام ایک رسائی کے ہے اخلاق و بنیاد کے ساتھ ان کی زبان کا بھی جانا ضروری تھا۔ یہی وجہ ہے کہ عوام کی زبان میں تبلیغ اسلام کر کے اور ان کی زبان کو بنانے اس طرح عوام کی زبان کے الفاظ جملے اور فقرے کی صورت میں زبان نہیں تبدیل ہوئے اور ابھی بکثرت اور ان کی زبان کا اختلاط تھا تا کہ عوام زیادہ سے زیادہ ان کے رسالت و کتاب کو سمجھ سکیں اور ان کے فیوض و برکات سے فیض لب ہو سکیں اس سے صوفیائے کرام نے نہایت ہی مدد و سہارا دیا۔ اور یہی بنیاد رکھے ہیں کہ اردو کی صورت میں جلو گر ہوئی۔ اردو ادب میں بھی صوفیت کی مدد بہت سے رنگات ہیں کے نہ بنی فقرے اور خلاق دوسرے وغیرہ میں مٹی ہے جو بکھ شادوں کے لباس میں ملبوس ہیں اور اب میں اردو کے شعروں اولیں کیا جاتا ہے۔ یہ فقرے زبان کی ارتقا میں معاون قرار ہوتے ہیں۔ جیسے حضرت حمید الدین ناکوروی، نظام الدین اویسی، شرف الدین بوعلی قلندر، درغیر الدین جرائغ دہلی کا کوئی فقرہ نہیں ملتا البتہ بعض بزرگوں کے ملفوظات و مکتوبات میں کچھ بکھ شادوں کے عام جملے اور فقرے ہیں۔ اور ان ہی میں ہمیں کچھ صوفیانہ اور اشرافیہ نکتے بھی مل جاتے ہیں۔ مثلاً حضرت بابا فرید الدین شکر گنجؒ (نفسِ شہادت ۶۶۲ھ) کا یہ فقرہ قابلِ توجہ ہے کہ آپ کے مشہور مرید و خلیفہ حضرت قطب جملؒ ہنسوی تھے جن کی کثیرہ درویشوں کے نام سے مشہور تھیں۔ جب قطب جلال بانی کا وصال ہو گیا تو آپ کے چھوٹے صاحبِ جزا دے کو لانا برہان الدین صوفیؒ کو مع تسلا دعوا حضرت فرید الدین شکر گنج کی خدمت میں لے گئیں آپ نے برہان الدین صوفیؒ کو بیعت سے شرف کر کے اسی مسئلے اور عصا کے ساتھ خلافت نہ مہ بھی عطا فرمایا اور آپ کو رہا کر دیا۔ اس وقت حضرت نظام الدین ادباً بھی موجود تھے۔ مادرِ مومن نے یہ دیکھ کر حضرت فرید الدین شکر گنج سے یہ عرض کیا یہ خوبہ بالاست "اپنے جواب میں اوشاد فرمایا کہ "مادرِ مومن! پوتوں کا چاند بار ہوتا ہے" اس سے مراد یہ کہ بارادہ ہے جو روحانی طور پر تاباں ہے جیسے

میں جو وہ بھی پڑھتا ہے اور گونا گے جو خود حضرت مخدوم جہانیاں کرتے ہیں لیکن اس کو اس کا اثر مرتب نہیں ہوتا اس کی کیا وجہ ہے۔ اس پر مخدوم جہانیاں سے جواب دیا "کھنڈا ہے پھنڈا کہاں اس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ گڈھا تو ہے اور سس میں پھنڈیاں بھی بیاں جاسکتی ہیں۔ یعنی رکیہ نفس اور جذبہ صوفی دھوں کی شدت کے سے ضروری ہے۔

بزرگوں کے منقسم کے بہت سے اقوال جو ہندی دھرموں و مہانت کھڑی دینی کے تقروں پر مشتمل ہیں ان کے ملاحظہ و ملاحظہ میں موجود ہیں۔ جیسے رطانت اثری لفظاً حضرت اشرف جہانگیر سنائی میں حضرت بہت عظیم گنگوہی کے مکتوبات میں متعدد ہندی فقرے ہیں۔ اور ان کی کتاب مرشدنا میں تو ایسے ہندی رنگوں کے حوزہ پر ان کی زبان مبارک سے ادا ہوئے ہیں۔ یہ سب چیزیں ہندوستان کی ایک مشترک زبان کی نشوونما کی نشاندہی کر رہی ہیں ورنہ دلیل قاضی اس بات کی ہے کہ تبلیغ و ترویج کے لئے ضروری ہو گی لہذا تیار کرنے کے لئے بزرگوں نے بہت اہم کردار کا نبوت دیا ہے۔ لیکن یہ فقرے منتشر و در غیر مربوط ہیں۔

بعض بزرگوں نے تو چھوٹے چھوٹے رسالے نظم و نثر میں لکھ ڈالے، مگر زمین کی ضرورت باتیں اور تصوف کے نکات عوام کے ذہن نشین ہو جائیں۔ بعض مولویوں نے نہ ہی رسالے لکھے ہیں جن میں یہ تو اسلامی موبہانہ مذہبیت کے نکتے ملتے ہیں یا اسلامی عقائد پیش کئے گئے ہیں۔ یہ رسالے مربوط نثر ہیں مگر حکیم شمس الدین غادری نے اپنی تصنیف میں شیخ عین الدین گنج العظمیٰ متولی (رحمۃ اللہ علیہ) کے رسالہ کو اردو نثر کا سب سے پہلا کارنامہ ثبات کرنے کی کوشش کی ہے اور انیس کی ہونے لگی ڈاکٹر سید محمد امین نادری نے ذوق نے بھی کی ہے یہ لیکن حد حسن نادری نے اپنی تصنیف میں اردو نثر کی پہلی تصنیف حضرت سید اشرف جہانگیر سنائی (رحمۃ اللہ علیہ) کے ایک اردو رسالہ کو قرار دیا جو مشتمل ہے تصوف و اخلاق پر لیکن ایک جدید تحقیق کی بنا پر حضرت اشرف جہانگیر سنائی کے رسالہ کو نیزہ کو ذہبت کا شرف حاصل ہے، ایک جاتا ہے کہ یہ رسالہ بی بی ہارے سرکاری عجائب خانہ میں محفوظ ہے۔ مگر ڈاکٹر فیض سلطانہ نے ہی تحقیق کے سلسلہ میں اس کا انکشاف کیا۔ اس رسالہ میں اردو مقبولوں کی تشریح فارسی میں کی گئی ہے بہت "ماسک بات"۔ مگر ثبات کہ ناسٹ "یعنی جیسے سخن خنست اور جائے ثمریت کہ ناسٹ۔" حوالہ باشد جیسی مذہبک مارفان مرنجس کہ علوم ان میں نظام ہندو خواہ بانک باشد خواہ بدیشاں بہرامت مینووند : بانک جگہ نہ لگتے ہیں۔ وہاں بس بی تین گہمار دو لوے ایک کون ہاتھ نہیں معنی ہا ہرستہ کہ نیا آباد کردن سلسلہ کلال دواز دست پنج بوزہ دیکھے دست نہ شرت مراد دستہ کلاں آباداں کردن آنسہ یعنی سہ کس، بظہور اور دند، یکے طالب دنیا دم طالب علیی سوم طالب موی۔ دواز دست لچ بوزہ یعنی طالب دنیا

طالب تحقیق اذانِ جہت کو دست در طلب مولیٰ دراز کر دے۔ اس رسالہ جنونیہ کے متعلق قیاس کیا جاتا ہے کہ (۳۳۵ھ) میں تصنیف ہوا ہے اور یہ شلاقِ تصوف کے زمانے اور موز پر مشتمل ہے۔

حضرت جہانیاں جہانگشت کے چھوٹے بھائی سید صدر الدین راجہ نقاش کے بھی ایک رسالہ کا پتہ چلتا ہے جو رسالہ حضرت شاہ راجہ کے نام سے منسوب ہے۔ یہ سولہ صفحات کا ایک مختصر رسالہ ہے جس میں مذہب اسلام کے عقائد اور تصوف کے نکات درج ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ اور چیزیں بھی ہیں جو صوفیائے کرام کے نام سے منسوب ہیں۔

شمالی ہندوستان کے علاوہ گجرات و دکن بھی اردو کے بڑے مرکز سمجھے جاتے ہیں اور یہیں بھی صوفیائے کرام کی بدولت یہ نئی زبان پھولی پھیلی گجرات میں غلیجیوں نے اپنا تسلط جہاں تک جس میں بھی پہلے علاؤ الدین غلیجی اور اس کی بواج نے اپنے فتوحات کے جھنڈے گاڑے، محمد تغلق نے دیوگری کو دولت آباد بنا کر اپنا دار الحکومت قرار دیا اور علماء و شعراء نقیض و صوفیاء کو دہلی سے دیوگری منتقل ہونے پر مجبور کیا تو نئی مشترک زبان بھی ان کے ساتھ دکن میں داخل ہوئی اور سرطین حمدنگو، بیچ پور، گول کنڈ کی ملکی زبانوں کو بنانے اور ان کی ترقی و رشاعت میں ہم کارنامے انجام دیے بزرگوں کی باتیات و المعالمات اس بات کی شاہد ہیں کہ بغیر ان کے بغوض کے مشرک زبان جو ہندو اور مسلمانوں کے باہمی میل جول اور بول چال کا نتیجہ تھی۔ پر دن نہیں جڑ سکتی تھی۔ چنانچہ دکن میں باقاعدہ طور پر اردو میں صوفیاء رنگ کی تصنیفیں شروع ہوئیں جو پہلے فارسی میں ہوا کرتی تھیں۔

حضرت سید محمد بندہ نواز گیسو دراز (۳۲۵ھ تا ۳۸۵ھ) مرید و ہاشمیت حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ نے رشد و ہدایت کے لئے فارسی میں مختلف عربی رسائل کے ترجمے کئے، اس کے علاوہ تصوف میں بھی بعض رسالے دکنی اردو میں تصنیف فرمائی۔ جن میں معراج العاشقین بہت مشہور ہے جو تصوف کے نکات اور اصطلاحات کی توضیح و تشریح پر مشتمل ہے۔ اس رسالہ میں وہ تمام اصول و ضوابط بتائے ہیں جن پر عمل کرنے سے سالک مقام ذات تک پہنچ جاتا ہے۔ انہوں نے تن میں وجود کی پانچ قسمیں بتائی ہیں یعنی (۱) واجب الوجود (۲) ممکن الوجود (۳) متمنع الوجود (۴) عادت الوجود (۵) واحد الوجود ان پانچ قسموں کے مقامات بھی بتائے ہیں، واجب الوجود کا مقام نفس امارہ، ممکن الوجود کا نفس لواہ، متمنع الوجود کا نفس مطمئنہ، عادت الوجود کا مقام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور واحد الوجود کا ذات خداوندی مقام ہے۔ اس کے علاوہ معطلیات صوفیہ ناسوت، ملکوت، جبروت، ولایت پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ یہ رسالہ بیس صفحات کا ایک مختصر رسالہ ہے جو ۸۲۵ھ تا ۸۳۵ھ میں تصنیف ہوا ہے۔ اس میں دکنی

زبان کا زیادہ، تر ہے، اور چونکہ اردو کے بالکل ابتدائی دور میں لکھا گیا ہے اس لیے اس میں بہت کچھ خامیاں بھی نظر آتی ہیں۔ اس کے علاوہ خواجہ حسن نظامی کے تصوف، دارالاسرار جیسے رسالے بھی آپ ہی سے منسوب کیے جاتے ہیں۔ آپ نے چھوٹے چھوٹے رسالوں کے ذریعہ عوام کو رشد و ہدایت کی ہے اس کا سلسلہ ان کے بعد بھی قائم رہا، آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے اکبر حسینی (۱۸۲۳ء تا ۱۸۵۲ء) نے نشاط العشق تصنیف حضرت عبدالقادر جیلانی کا ترجمہ اردو میں کیا تھا۔ شاہ داؤد انے چودہ ورق کا ایک رسالہ کشف الوجود لکھا جس کا موضوع تصوف ہے، بہاء الدین باجوہ (۱۸۵۵ء تا ۱۸۹۲ء) نے بھی ایک کتاب خزانہ رحمت کے نام سے لکھی ہے، اس میں اپنے مرشد کے ملفوظات اور ارشادات جمع کئے ہیں۔

شاہ قلندر، خواجہ بندہ نواز کے بندہ شاہ برائے حسینی کے مرید تھے آپ نے ایک رسالہ تصنیف کیا جو رسالہ شاہ قلندر کے نام سے موسوم ہے اس کی عبارت ملا دہی کی سب سے زیادہ سچ اور مقفی ہے، لیکن اس کی عبارت مسیح اور مقفی کے ابتدائی غلوں میں سے ہے، اس سے بہتر چیت ہے کہ ملا دہی کے پیش نظر اس تصنیف کے نمونے ہوں گے۔

مذکورہ بار حقائق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان صوفیائے کرام نے رشد و ہدایت کے لیے تصوف کے اسرار و رموز کی وضاحت کو اردو زبان میں زیادہ مناسب اور موزوں سمجھا اور اسی پر اپنی تصنیف و تالیف کی عبارت کھڑی کی، یہ وہ ذوق و شوق تھا جو بردھتا ہی گیا۔ آٹھویں صدی کے بعد نویں صدی ہجری میں بھی صوفیائے کرام اس خدمت پر موزوں نظر آتے ہیں۔ عادل شاہی حکمرانوں نے بھی علم و ادب کی سرپرستی کی ہے اور تقریباً دو سو برس تک اس کی آبیاری ہوتی رہی۔ دو سو سال میں بیجا پور میں اردو کے کئی مشہور شاعر اور مصنف گذرے ہیں جن میں شمس العشاق میراجی، بہان الدین جانی اور شاہ امین الدین اعظمی مشہور و معروف ہیں۔

شاہ میران جی منرقی (۱۸۵۲ء) ایک بڑے صوفی بزرگ تھے۔ ان میں کئی تصنیف جن میں گہاس، جلیترنگ، مشرق مرغوب، القلوب، رسالہ تصوف، مشہور ہیں۔ شرح مرغوب القلوب ایک چھوٹا سا رسالہ، اردو میں ہے۔ جو دراصل ابواب پر مشتمل ہے اس میں بھی صوفیاء کی خیالات ہیں۔

وجہ الدین علوی گجراتی (۱۸۹۱ء تا ۱۹۹۸ء) کی تصنیف تاج الحقائق اور بحر الحقائق مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ شاہ علی محمد میوگاہی کی تصنیف بھی پائی جاتی ہے۔ دسویں صدی ہجری میں شاہ بہان الدین جانی نے تصوف و صوفیوں میں متعدد رسائل تالیف کئے، اور توحید و تصوف کے حقائق کو خوب شرح و بسط سے بیان فرمایا، کلمۃ الحقائق، مقصود ابتدائی، کلمۃ الاسرار، ... معرفت القلوب ان کے مشہور تصانیف ہیں جن میں سادگی کے ساتھ ساتھ شادانہ لطافت بھی ہے، شاہ امین الدین اعظمی کے تصانیف گنج غنی، نکات معرفت، عشق نامہ، گفتار شاہ امین مشہور ہیں جن میں تصوف کے بعض مسائل اور بعض اصطلاحات کی تشریح

حضرت شاہ میران جی تمسک عشاق کے رسالے جلتزنگ اور گلباس، تمثیلی انداز میں ہیں، ان رسالوں میں مصنف کے تصوف کے اسرار و نکات تمثیل کے سہارے بیان کیے ہیں۔ نظم میں بھی آپ نے ایک شنوی "خوش نغز" لکھی ہے جو طرب شنوی ہے اور اس میں تصوف کے مختلف مسائل کی وضاحت کی ہے۔ اس شنوی میں معرفت الہی کے مطالب کو ایک تمثیلی (Allegory) کے پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے، یہ مثالیہ قصہ ایک روکی "خوشی" کے اطراف گھومتا ہے۔

گیارہویں صدی ہجری میں اردو کی پہلی مکمل نشیں و جہتی کی "سیرس" ہے جو فتاحی نیشاپوری کی شنوی "دستور عشاق" اور اس کی نثری تلخیص قصہ حسن و دل سے ماخوذ ہے، اس میں تصوف کے مراحل و عشق کے درجہات کو تمثیل کے ذریعہ ظاہر کیا گیا ہے۔ اس کے کردار و صفات ہیں جیسے حسن، عشق، دل و غیرہ ہیں۔ ان کے ذریعہ مصنف انسانی جذبات و احساسات کی فلسفیانہ اور صوفیانہ تاویل کرتا ہے، بظاہر یہ ایک دلچسپ داستان ہے لیکن حقیقت میں تصوف کے راز ہائے سر بستہ کو دلکش انداز میں ظاہر کیا گیا ہے، سیرس ندیم ادب کا ایک شاہکار ہے، اسی طرح حضرت صوفی منیریؒ نے بھی راحت روح ایک تمثیلی داستان لکھی ہے جس میں داستان سے زیادہ صوفیانہ خیالات اور عرفانہ ہمیریں ملتی ہیں۔

لیکن سیرس کے بعد ادبی حیثیت رکھنے والی کوئی کتاب نہیں ملتی جس میں متصوفانہ رنگ غالب ہو، مگر ادبیت کی سیرس اور صوفی منیریؒ کی راحت روح یہ دونوں کتابیں اردو نثر میں غیر معمولی حیثیت کی مالک ہیں، یہ دونوں قصے کے پیرائے میں ہیں، ان میں روایت اور تصوف کا کامیاب امتزاج ملتا ہے۔ سیرس میں ادبیت کے خدو خال زیادہ نمایاں ہیں، اور راحت روح میں تصوف کا چہرہ زیادہ دھمکتا ہے، بہر حال دونوں کا موضوع صوفیانہ مسائل، مسائل اور نکات و رموز ہیں اور دونوں کی ہیئت قصے کی ہے، اس کے علاوہ ایک تیسری مشابہت بھی پائی جاتی ہے کہ دونوں فنکاروں نے ایمانیات، رمزیت اور تمثیلیت سے کام لیا ہے۔ کردار سازی کے مرحلے میں بھی، اور وقوعہ نگاری کی منزلوں میں بھی، نفسا بھی بہت حد تک رمزیت اور ایمانی ہے۔

اردو ادب میں صوفیت کی دوسری روایت شاعری میں ملتی ہے، اس میں بعض ایسے شاعر ہیں جو خود صاحبِ بحر ہوتے گزرے ہیں یعنی بامعنی اور بالفعل بھی صوفی تھے، ان کا مسلک و مشرب صوفیانہ تھا اور اسی فضا میں سانس لے رہے تھے، انھوں نے اپنے تجربات اخلاقی، روحانی اور عرفانی کو شعریت بخشی۔ اس لیے ان کے اشعار میں بھی صوفیانہ خیالات کی جلوہ گری ہے۔

اور بعض ایسے بھی شعراء تھے جو صوفی تو نہ تھے مگر صوفیانہ موضوعات و نکات پر اشعار قلمبند کرتے تھے۔ وہ شعراء جو باقاعدہ طور پر صوفی تھے ان میں سب سے پہلے میر خسرو دہلوی (۱۲۳۷ھ تا ۱۳۰۵ھ) آپ حضرت نظام الدین

ادبیا کے چھپتے مریدوں میں تھے، آپ نے ہندی میں دوہے اور نظمیں لکھیں، فسوس ہے کہ ان کا ہندی کلام بھی تک
تغذہ طور پر تحقیق کی روشنی میں نہ آسکا، آپ کے فارسی دیوان "غزوة الکمل" کے ویسا چھ سے قنا پتر چلتا ہے کہ آپ نے
ہندی میں بھی بہت کچھ کہا ہے۔

ایک مشہور غزن فارسی اور ریختہ کی ہے اس کا پہلا مصرع فارسی تو درمصرعہ غنۃ میں ہے یہ آپ کی طرف
منسوب کیا جاتا ہے، آپس کے دو شعراء ملاحظہ ہوں۔

زماں مسکین مکن تغافل دورائے غناں بنائے تیاں
شبان بھراں دراز چوں زلف دروزد سلسل چو عمر کوستہ
حضرت امیر خسروؒ چونکہ صوفی مشرب دیب و شاعر تھے اس لئے ان کے ادب و شعر میں تصوف کی عکاسی ہے فارسی رب کے
تو بڑے صوفی شاعر ہیں ابنت ہندی یا اردو کی چیزیں قاطر خواہ دستیاب نہ ہو سکیں۔ اس سے اس کے متعلق کچھ کہنا دشوار
ہے لیکن یہ بات قرین قیاس ہے کہ ریختہ میں تصوف کے خیالات پیش کیے ہوں گے۔ کلیات امیر خسروؒ میں بھی کچھ ہندی
نقیرے میں: شبنوی تخلق نامہ خسرو دہلوی میں یہ شعر ملتا ہے:

دیگر ہمد بار ویری مارو بار مار
کھن ساں مار مارو سر بسر مار
آری آری ہمد بسیاری آری
ماری ماری برہ کہ ماری آری

اس میں جتنے الفاظ آئے ہیں فارسی ہندی زبوں زبوں کے ہو سکتے ہیں۔ حضرت بندہ نوازؒ مسعود راز کے بھی بہتر سے
صوفیانہ اشعار ملتے ہیں جس میں تصوف کی تعلیم ہے۔ گجرات کے شاہ علی محمد بیو گامہ صوفی متوفی (۹۵۲ھ) کے یہاں طویل
صوفیانہ شبنوی ملتی ہیں۔ شاہ میران جی نے بھی شاعری میں صوفیانہ ذوق کا ثبوت دیا ہے۔ گجراتی شبنوی، محفلیتہ
وغیرہ صوفیانہ شبنویاں ہیں۔ گجرات کے ایک دربارگ میاں محمد تپتی متوفی (۹۵۶ھ تا ۹۶۳ھ) کی "خوب ترنگ" ایک
مشہور صوفیانہ شبنوی ہے، کبیرا درن ملک کے شعراء میں بھی صوفیانہ خیالات کی فراوانی ہے کہا جاتا ہے کہ آپ دونوں نے
ریختہ میں اشعار کہے جو آگے چل کر اردو کے ب س میں اب کتاب کے ساتھ مارنانا مسلک کی رہنمائی کر رہے ہیں۔ خواجہ
حمود بھری نے بھی "من لگن" نام کی ایک صوفیانہ شبنوی لکھی ہے۔ سی طرح منظر جان ب نان، درد دہلوی، شاہ بنار
بریلوی، عبد العظیم آسٹی اور شاہ شاہد علی قاتی سبزی پتوں کے اشعار میں تصوف کے بہت سے نکتے اور رموز ملتے ہیں۔ آپ نے
صوفیانہ اشعار کے ذریعہ تزکیہ روح اور نفس کی کوشش کی ہے اور اوصاف حمیدہ کی خوبیوں پر عمل پیرا رہنے کی۔ اور اخلاق

ذریعہ سے دور رہنے کی تلقین کی ہے۔

صوبہ بہار میں توارو کی ابتدا صوفیانہ شاعری ہی سے ہوئی ہے، چنانچہ عبدالقادر بیدل عظیم آبادی کے اشعار بھی اسی صوفیانہ رنگ میں ہیں۔ عماد الدین چلو اور دکنی یہ مشرب اور مسلک کے اعتبار سے صوفی تھے اس لئے آپ کے اشعار میں بھی سی خیال کی کاد فرمائی ہے۔ غلام نقشبند سجاد خان زادہ صوفیہ سے تھے ان کے اشعار میں بھی اسی کی عکاسی ہے۔ آیت اللہ جوہری سند سجاد کی پرستش کرتے۔ رشید ہدایت کا سلسلہ شعر و شاعری کے ذریعہ بھی تھا آپ کی شاعری ”گوہر جوہری“ مشہور ہے۔ آپ نے مرثیے بھی کافی کہے ہیں۔ آپ کے علاوہ شیخ غلام یحییٰ حضور شاہ کمال علی کمال دیوروی، شاہ احسان اللہ چشتی، شاہ نور الحق تپاں مشہور صوفی شاعر ہیں۔ آپ کے یہاں صوفیانہ خیالات، زبان کی پاکیزگی اور چاشنی سے سیریز ہیں۔ شاہ ظہور الحق ظہور بھی ایک ممتاز صوفی شاعر تھے۔ مرثیہ کا بھی ذوق تھا۔ شاہ رکن الدین عشق مسلک اور مشرب کے اعتبار سے صوفی صافی تھے اور مشہور ابوالعلائی بزدگ حضرت منعم پاکباز ”عظیم آبادی کے ستر رشید و بی زتھے“ آپ کے اشعار میں مضامین تصوف نمایاں رنگ میں نظر آتے ہیں۔ حضرت صوفی میری کے معاصرین میں شاہ امیر الدین وجد، شاہ امین احمد شوق، شاہ محمد اکبر ابوالعلائی دانا پوری ”صوفی شاعر کی حیثیت سے بڑے ممتاز ہیں۔ خود حضرت صوفی میری کے اشعار میں صوفیانہ نکتے اور روحانی بصیرتیں نمایاں ہیں۔

شعرا کا وہ سرابطقہ وہ ہے جو صاحب تجربہ صوفی تو نہیں لیکن ان کے کلام میں مضامین تصوف نمایاں رنگ میں نظر آتے ہیں۔ غالب نے بر محل کہا ہے۔

یہ مسائل تصوف یہ ترابیان غالب
تجھے ہم دلی سمجھتے جو بنادہ خوار ہوتا

کسی کے کلام میں محض صوفیانہ کلام یا خیال کا وہ آنا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ صوفی بھی ہے۔ ادبیات میں ہم تہذیبی اور روایتی طور پر بھی بہت سے روایات کو پیش کرتے ہیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ شعرا جو متصوفانہ مضامین کامیابی کے ساتھ باندھتے ہیں وہ تصوف کے ان پہلوؤں کو پیش کرتے ہیں تو وہ بہتر سے بشرطیکہ وہ کامیابی کے ساتھ پیش کرتے ہوں۔ کیونکہ آرٹ بھی کامیابی کے ساتھ عمل اور جوش سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر ہم قدیم اور اردو ادبیات کا مطالعہ کریں تو ہم دیکھیں گے کہ صوفیانہ مضامین ہمارے ادب میں ایک خاص روایت کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ ان میں پیش کرنے والے صوفی صافی ہو بھی سکتے ہیں اور نہیں بھی۔ بقول ڈاکٹر اعجاز حسین ”مذہبی نقطہ نگاہ سے ہماری شاعری میں ہر عقیدہ سے زیادہ مواد صوفیانہ شاعری کا ہے، لیکن طرز تخیل و طرز بیان پر اگر غور کیجئے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ فارسی شاعری کی جھلک ہے۔ جس والہانہ انداز سے فارسی شعرا نے تصوف پر طبع آزمائی کی ہے۔ اسی کی تقلید اردو والوں نے بھی کی ہے“

مختصر یہ کہ ہر با کمال شاعر نے حصول برکت کے لئے بھی ایک دو صوفیانہ شعر ضرور کہے ہیں۔ خاص کو دکن میں تو یہ رجحان عام رہا۔ یہاں تک کہ صوفیانہ مسلک و مشرب سے نا آشنا اور کنارہ کش رہتے ہوئے بھی اس پر طبع آزمائی کی۔ تاجدار دکن قلی قطب شاہ کے کلام میں بھی صوفیانہ مضامین کی جودہ گری ہے۔ قطب شاہ کی نعتیہ شنوی اور ارجہتی کی شنوی قطب مشتری میں صوفیانہ خیالات ہیں۔ ذوقی نے سب رس کو وصال العاشقین کے نام سے نظم کیا ہے۔ بحری نے اسی کو گلشن حسن و دل کے نام سے نظم کیا جو تمثیلی رنگ میں صوفیانہ شنوی ہے۔ محمد باقر آگاہ نے بھی گلزار عشق کے نام ایک شنوی لکھی ہے۔ مختصر یہ کہ دکنی شعراء کے یہاں صوفیانہ میلالت نمایاں ہیں اور شنویوں کی ابتدائی دھڑ میں اس کی جھلک زیادہ ہے۔ دلی اور سراج کی غزلوں میں بھی مثنویانہ مضامین نمایاں رنگ میں پیش کئے گئے ہیں۔ شمالی ہندوستان میں اس کا سراغ ابتدا میں ملتا ہے۔ لیکن آخر میں دبستان دلی، لکھنؤ، عظیم آباد میں ہم صوفیانہ خیالات پیش کرنے والے شعرا کی کافی تعداد پاتے ہیں۔ آتش، غائب اور ذوق کے یہاں صوفیانہ خیالات اچھوٹے ارازمیں پیش کئے گئے ہیں۔ مصحفی نے بھی صوفیانہ خیالات کو اپنے اشعار میں جگہ دی ہے۔ عظیم آباد میں راسخ اور شاد عظیم آبادی کے یہاں صوفیانہ میلانات اہمیت رکھتے ہیں لیکن ان دونوں کے رنگ و آہنگ میں نمایاں فرق ہے۔ مختصر یہ کہ نادرسی کی طرح اردو میں بھی شعراء نے صوفیانہ خیالات کے ذریعہ زبان اور بیان میں وسعت اور کیزگی پیدا کی، فقر و فنا، توکل اور قناعت، استغنا و بے نیازی عشق و مستی کے مضامین نہایت مؤثر طریقے سے مدح و اور ان کو محاسن شعری سے آراستہ کیا۔ مختلف اصطلاحات اختراع کئے اور معنی میں وسعت اور لطافت بخشی۔ تصوف کے احساسات ہر زبان و ادب میں ناقابل فراموش اور ناقابل تلافی ہیں۔

اردو نثر کا ارتقاء اور اس کی روایتیں اور اسلوب

زبان کے آغاز اور ارتقاء کا جہان تک تصنع ہے یہ حقیقت روشن ہے کہ زبان مختلف دور سے گزرتی ہے کسی زبان کا آغاز انجانے طور پر بڑی اکہستہ خوامی سے ہو جاتا ہے۔ نئی زبان عموماً دیاس سے زیادہ زبانوں کے امتزاج و ترکیب سے پیدا ہوتی ہے۔ یا زمانے اور علاقوں کی تبدیلی کی وجہ سے بول بھلچیا لفظ کی ساخت میں اتنی نمایاں تبدیلیاں ہوتی ہیں کہ ایک نئی زبان ورنہ ہو جاتی ہے۔

زبان قومی در بین القومی اثرات کے تحت پیدا ہوتی ہے اور انتخاب کی منزلوں سے گزرتی رہتی ہے۔

زبان کے ابتدائی نشوونما بول چال میں شروع ہوتے ہیں۔ ضروریات زندگی، مطالبات حیات اور ابتدائی انسانی تقاضوں کے اثرات کے تحت زبان نہیں بھرتی اور ان کے اظہار کا ذریعہ بنتی ہیں۔

اردو زبان بھی اسی طرح پیدا ہوئی۔ ایشیا کے مختلف قوموں کے مصادم اور پھر پس ملاپ سے یہ زبان ہندوستان میں بنی جس پر ہندو مسلم تہذیبوں کی چھاپ ہے۔ اردو کے دو خاص روایتی سلسلے ہیں یعنی سنسکرت اور پراکرت زبانیں اور دوسری عربی اور فارسی زبانیں۔ بعد ازاں یورپی زبانوں کے اثرات کی روایت بھی قائم ہوئی۔ پرتگالی، فرانسیسی اور خاص طور پر انگریزی زبان۔ زبان جب ترقی یافتہ صورت اختیار کر لیتی ہے تو رفتہ رفتہ اس میں ادب پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ بعض دفعہ ادب کتابت اور رسم الخط کا پابند نہیں رہتا بلکہ اس کی ایجاد سے پہلے ہی وہ پیدا ہو جاتا ہے جیسے عربی ادب۔

بہر حال ادب زبان کی ترقی یافتہ صورت کا نام ہے اور یہ غیر معمولی اور قیمتی تجربات، مطالبات و ضروریات، احساسات و جذبات، خیالات و نثر اور نفسی پیچیدگیوں کے اظہار کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

اردو ادب میں نثری کارناموں کی بڑی اہمیت ہے۔ ہمیں اردو نثر کے تین نمایاں میلانات نظر آتے ہیں اور ان تینوں کے

آنا ہے البتہ سب سے کا انداز بیان منفی اور منکح ہونے کے باوجود صاف اور صلیب ہے، اس کی تائید پیمانی میں دلکشی اور جاذبیت ہے زیادہ تر اس الذکر کو پسند کیا جاتا ہے۔

مغربی روایات کا آغاز نورث ویم کالج کے دارالترجمہ سے شروع ہوا اور اس دور میں نثر سادہ ہوتی چلی گئی پھر بھی اندر مقفی بالکل متروک نہیں ہوا۔ ملاحظہ ہو مائے و بہار کا اسلوب۔

دور آخر کی فارسی نثر میں غمخواری کی سہ نثر کا اثر ان گہرا تھا کہ میرامن کی سادگی کے بعد پھر جب علی بیگ مرقد کی مقفی کا رمی شروع ہو گئی۔ نسانہ عجیب اس عہد کی نمائندگی کرتا ہے، لیکن نائب دہلوی اور ان کے شاگرد محسن دہلوی، غلام عظیم ہادی نے ایک متوازن اسلوب کی بنیاد ڈالی یعنی سادگی اور پرکاری کا متزاج پیدا کیا۔ نثر عامی اور نثر مقفی کو یکے تو ازن سے برتا۔ ملاحظہ ہو۔ اردو سے مغللی اور غلام ہندی غائب دہلوی، محسن دہلوی کا سرورش محسن۔

اردو کے اس پسند ان نسب ذمہ از سے گرتے رہے۔ غالب کی اردو سے مغللی اور غلام ہندی نے اردو نثر کے سنے امرکانت پیدا کر دیے۔ اگر غور سے دیکھیں تو غالب کی نثر ایک متوازن روایت کی خوب صورت نمائندگی دوسری کڑی ہے۔ میرامن کی باغ و بہار کی عبارت مبنی کڑی، اور محسن دہلوی کا سرورش محسن دہلوی کا کڑی ہے، اور بھری سادگی اور پرکاری کے امتزاج کی چوتھی کڑی آزاد کی آب حیات ہے۔

مغربی اثرات کے تحت علی گڑھ ٹرینک سڑک ہوئی اور اس نے نہایت پسندانہ مقفی کا رنگ بھبھکا کر دیا اور نثر کو بالکل سادگی کی طرف لے گئی۔ سر سید مرحوم نے جب "نثر اسنادید" لکھی تو وہ مقفی کا رنگ تھے لیکن اس کے بعد وہ سادہ کار بن گئے۔ مغربی اثرات، ضروریات، زمانہ اور نئے تصانیف نے نثر میں سادگی، صراحت اور نادریت کا رنگ نمایاں کر دیا۔ سادہ انداز کی نثر سے اس کا سبب پیدا کیا جاتا ہے۔ بعد ازاں سر سید اسکول کا ایک حلقہ پیدا ہوا جس میں آپ کے رشتے کا محسن الملک، ذکار ملک، آغا علی ذکا، اللہ اند، یو احمد، عاتق پانی پتی اور سبکی نعمانی پیش پیش نظر آتے ہیں۔ اس دور میں صاف، سادہ، بے شکستہ اور اس اسلوب کی جلوہ گری ہے۔ احمد یہ تحریک نے بھی اردو نثر کی سادگی، سادگی، زور، روانہ دیت کو تقویت پہنچائی۔ مرزا احمد قریانی کی طرز نگارش میں ہی میلانات پائے جاتے ہیں۔

علی گڑھ اسکول کا اسلوب بیاں ملک میں چھاتا پہنچا گیا اور اردو نثر میں غمخواری (Modernism) پیدا ہوئی۔ علی گڑھ اسکول کی سادگی نے ہمیں کبھی سپاٹ پر اور بے کیفی کی سرحدوں کو چھو لیا اور کبھی ان سے بھی آگے گزرنے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اردو نثر کے اسلوب میں پھر ایک رد عمل پیدا ہوا۔ مقفی کا رمی کوئی زندگی تو نہیں ملی مگر زور کلام، رنگینی، تمثیل، جذبات کا ابھار، زور صاف و غیرہ کے ذریعہ اردو نثر نے اسلوب کے چوے بدلنے لگی۔

صوفی نثری کے عہد میں اردو اسلوب نثر علی گڑھ تحریک اور قلمی تحریک کے اثرات کے تحت سادگی، سادگی، سادگی

قتار افادیت اور مقصدیت کی طرف مائل ہو رہا تھا۔ لیکن مایوسی سے بھرپور قہقہے کے اس سرب کی رویتیں بھی موجود تھیں، جس میں نچیلرت، رنگینی اور مقفی کاری پائی جاتی تھیں۔ صوبیہ قصوں میں مثبت اور رمزیت کا گہر رنگ تھا جیسے ہرک اندان کے انداز بیان میں مقفی کاری پائی جاتی ہے۔ راکت روح میں بھی ہمیں رمزیت و رمزیت اور اس کے سرب میں مقفی کاری ملتی ہے، لیکن مقفی کاری پیچیدہ اور گنجناک نہیں ہے

اردو شاعری میں قصیدہ نگاری کا فن

قصیدہ گوئی کا فن بہت ہی نہہم ہے۔ انسان کے مروجہ دزدوں کی تاریخ اسی سے وابستہ ہے انسانی شعور کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ اس کا بھی مددگار بننا پڑا، جو نئے نئے مسائل میں انسانی شعور مبہم، پیچیدہ اور غیر واضح تھا۔ اس سے اس عہد میں قصیدہ گوئی میں خرابی و سماعت کا کوئی واضح عمل اور سطر بہ نہ تھا جس میں واضح افادہ پہلو ہو بلکہ اس عہد میں نئی منطقی کارنامے کی روانہ، تصویب و رد و تکرار اور ان کا مقصد اصلی لطف و امتنان تھا، ہر وہ شے جو زیب و خندان کے سے مل سکتی تھی وہی زیادہ مناسب و ضروری تھی۔ مبنی رشتہ و فتنہ شعور انسانی سے ترقی کی اور انسان نے سماجی زندگی، اختیار کی پھر اس میں اخلاقی تصور نے جنم لیا جس کی وجہ سے انسان میں رہنی و زندگی غریب و تنگ ہونے لگیں۔ انسان بیان و کائنات کی کشمکش میں آندگ۔ اس نے اپنے تجربات سے اور ملکی کا دوسرے سے کشمکش و جمیدگی کو سمجھانے کی کوشش کی۔ اظہار بیان کو فروغ دیا ورنہ اس سے اسباب و درپردہ بیان وضع کے درون تجربات کو اس نے قصیدہ نگاری اور داستان نویسی کے پیر میں پیش کیا۔ داستان نویسی نے سٹی ریسٹ بھی اختیار کیا ورنہ بعض سرادر و در حقیقت و صداقت کی وضاحت کے لئے اس نے تشبیہ و استعارہ اور مراد کباب سے بھی مدد لی۔ پھر مزیت و یمایت کا سبب اختیار کیا۔ جمید حاضر میں انسانی شعور نے جب اور زیادہ گہرائی اور گہرائی حاصل کی تو اس کے تجربات اور نظریات حقیقت نگاری کے لباس میں جلوہ گر ہونے لگے۔ یہ تجربہ تیج بھی ہے ورنہ مؤثر بھی اس سے بلیغ و صحت نگاری کی ضرورت پیش آئی چنانچہ موجودہ دور میں ایسے اسلوب کی زیادہ ضرورت ہے جو انسانوں اور ملامتوں سے فکر کی تجربات ضرورتوں کو بھی پورا کرے اور انسانی زندگی کی پیچیدگی اور اس کی وسعت کی طرف بھی نشاندہی کرے۔ مختصر یہ کہ قصیدہ نگاری کے فن نے مختلف مہینے بدلے و مختلف شکلوں میں رد و بدلے۔

میں حقیقت کی اہمیت کو گڑھی تو ملتی نہیں ہے مگر بارہویں تیرہویں صدی قبل مسیح میں مصر کی بہت سی کہانیوں کا پتہ ملتا ہے۔ اس کی صداقت کا ثبوت یہ ہے کہ دنیا میں سب سے قدیم تہذیب مصر کی ہے۔ بہت سی کہانیاں مذہبی مقدس کتابوں میں جیسے توریت و بجس میں بھی ملتی ہیں۔ ایسے ہی کہانیوں جیسے نکایات عثمان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ وہ بھی چوتھی صدی قبل مسیح میں مصر میں جمع آئے ہیں۔ ہندوستان میں بھی ہندو ویدوں میں بھارت میں بھی کہانیاں ملتی ہیں۔ بعد کے تہذیب میں اور اس کے بعد بھی ہم کہانیوں کی فروانی دیکھتے ہیں جو جاتنگ کے روپ میں ہیں۔ اصل میں جاتنگ پان زبان کی کہانیوں کو کہتے ہیں جو گوتم بدھ نے وقتاً فوقتاً اپنے پیروکاروں کے بارے میں کہی ہیں اور ان میں تاسع کے مسئلے کو ذرا متغیر کیا ہے۔ ان کے بعد سنسکرت میں پنج تنتر کا نام آنا ہے جسے شہرت و دام حاصل ہے اور اس کا سب سے بڑا نمونہ کی شکل میں عربی اور اردو میں ہے عربی میں صفت لیلہ اور اخوان الصفا مشہور داستانیں ہیں جو بعد میں اردو میں بھی منتقل ہوئیں فارسی میں بوستان خیال داستان امیر حمزہ، چہار درویش، طوطی نامہ وغیرہ مشہور و مقبول داستانیں ہیں جو ترجمہ کے ذریعہ اردو میں بھی آئیں۔ مختصر یہ کہ اردو نے بھی ان کہانیوں سے نفیس اٹھایا ہے۔ اردو میں سب سے پہلے دکنی زبان نے نسبت نگاری کی طرف توجہ کی اور فارسی کہانیوں کو اردو نثر کا جامہ پہنایا۔ پھر مرکز نقل دکن سے تھماں کو منتقل ہو گیا۔ تھماں میں اردو کے ادب نے جہاں مذہبی اور علمی نثر کی ترقی و اشاعت کی وہاں اردو کو قصوں کے سرمایہ سے بھی مالا مال کیا۔ اس میں نورث دلیم کالج کے اس قلم کا کافی ماتھ دیا ہے۔

اردو زبان میں پہلے طویل داستانیں آئیں پھر مختصر داستانیں اور قصے اپنی رنگ و روپ نکھارا، بعد ازاں ڈرامے کے کچھ نمونے ابھرے، ناول نے بھی اپنی دل کشی و تھیںٹ پسندی کا سکہ بٹھایا، اس کے بعد مختصر افسانے نے اپنی نزاکتوں اور سادگیوں کے ذریعے قارئین کے دلوں پر فتح حاصل کی۔

مختصر کہانیاں کہیں کہیں اردو نثر کے سرمایہ کا جائزہ لیتے ہیں تو اردو نثر کے سرمایہ کو تین بڑے حصوں میں بانٹ سکتے ہیں۔ (۱) قصوں کا سرمایہ۔ (۲) مذہبی ادب کا سرمایہ (۳) علمی ادب کا سرمایہ۔ ان تینوں میں سب سے بڑا سرمایہ قصوں کا ہے اور اس روایت میں مختلف صنفیں پائی جاتی ہیں۔ صوفیانہ معارف کو بیان کرنے والے رمزی قصے، اخلاقی تھیںٹ داستان،

اردو ادب کے دوران در در متوسط میں مختلف قسم کی داستانوں اور حکایتوں کا سرمایہ ملتا ہے۔ ڈرامہ، ناول اور مختصر افسانے بعد کی پیداوار ہیں۔

اردو میں داستان نویسی کا آغاز ترجموں سے ہوا یہ ترجمے عربی، فارسی اور برصغیر سے ہوئے اور ان ترجموں کے اثر کے تحت بعض داستانوں کا اضافہ کیا گیا۔ داستان امیر حمزہ کا طبعی ہوشیار اور اس کے بعد کی تلبیس طبعی زاد قصے اس کے

اعلاؤہ ترجمے میں اضافہ بھی ہوتا رہا۔ دراصل ردو نے لفظاً بلفظ ترجمہ کیا۔ اگر ترجمہ راجہ سوار اور مولوہ اضافے کے ساتھ۔ اردو میں تین داستانیں طبقات ہیں اور تینوں ایک دوسرے کے جواب میں "یہی" "نہا" "جواب" "مصنف" "رجب علی بیگ سرور" "سرودش سخن" "مصنفہ فخر الدین حسین سخن" "دیوہی غم عظیم بارتی اور" "نظم ہیرت" "مصنفہ جعفر اعلیٰ شیون" "راہت روح بھی اس عہد کی ایک طبع زار تہذیبی مختصر داستان ہے۔ جس کا تفصیلی جائزہ "فردوس" سندھ باب میں لیا جائے گا۔

رمزی اور ایمانی قصوں کی روایت

انسانی ارتقا پر حیب ہم نظر ڈالتے ہیں در علم انجیات، علم اخلاق اور علم مائتہ کامرہ عہد کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان نے ہمیشہ اظہار اور بیان کے لئے، اپنی خواہشات کو جس کوئی خاطر ایست احساسات و جذبات کے نکلا س کے ہے اور بعد ازاں اپنے خیالات و افکار کو دوسروں تک منتقل کرنے کے سلسلے میں بتدریج عہدوں (sympathy) کو استعمال کیا ہے۔ عہد مت ایب اور رمز نے ہی انسانوں کی مدد کی ہے، پہلے اس کے جسم کی حرکتوں نے بعد میں اور کے اشاریہ ہڈ ڈالے اور پھر الفاظ سے۔ مثلاً ہم کسی کو کڑا دکھاتے ہیں تو اس کا مطلب ہو گا کہ ہم اسے مارنے دے ہیں لہذا ایک بندھی ہوئی تھپی عزم، ارادہ قوت اور حرب حرب کی علامت بن جاتی ہے۔ اسی طرح انگلی اٹھانے سے اشارہ دیا کہ مقصود ہے۔ چشم زکریا کی حرکت سے بھی طرح طرح کے مطالب کا اظہار ہوتا ہے اسی طرح ہتھیری مثالیں ہیں جانوروں کی دنیا میں۔ عموماً ان کے جسم کی حرکت سے مطلب سے جانتے ہیں۔ اور خود انسان بھی ابھی تک اظہار بیان کے لئے اشاریہ رکات کو اختیار کرتا ہے۔ اس کے بعد عہدوں اور دروں کا رجحان ہے۔ مختلف آوازوں سے مختلف کیفیات کا اظہار ہوتا ہے۔ گویا حرکات کے جذبات اصوات علامتوں کی سہولتیں فقیر و کمین ہیں مثلاً صبح اٹھنے سے قوت یا غصہ کا، تہنہ لگانے سے مسرت کا، لنگھنے سے سلفت نشا عیہ مسرت کا اظہار ہوتا ہے۔ بھی بھی و نوروں در نہانوں کی دنیا میں اصوات کا استعمال علامت کے طور پر عام ہے۔ بچوں کا بکنا اور رونا در خاص خاص طرح سے رونا پھر ان کی کار کاروں اور ان کی غل غل سے یہ سب عہد تہیں ہیں۔ مرغی خاص آواز کے ذریعے بچوں کو جانی ہے۔ بھی کی آمد بردہ خاص طرح پر تہنہ کنی ہے، مثلاً کٹ کٹ گٹس۔ دوسرے جانوروں کی بھی اسی طرح کو زہن ہیں۔ کچھ مہم گہر غیر تعین۔ ان سبھوں میں علامتیں ہوتی ہیں گائے کا چراغ، گائے زگرت، مکاری کا مختلف غورست مہمان، بی کی خور خور اور مہاں بڈوں کے الگ الگ انداز۔ خطرے کے وقت کڑوں کا خاص طرح کا مہاں مہاں مہاں مہاں اسی طرح جانوروں کی آوازوں کے مختلف آہنگ، کیفیات و حالات در مطالبات کی علامتیں ہیں در ان علامتوں میں ہمیشہ مفہوم پائے جاتے ہیں مقررہ علامتیں مہم ہیں

یہ سائنس دانوں کی ذہنی و عقلی طور پر تسلی اور دل میں مستحکم کی گئی ہے جس میں تمام سائنس دانوں کی مدد سے اور ہر فرد کی مدد سے

ہے۔ الف ظ کیا ہیں۔ یہ بھی مفہام کی سن مانی اور سماجی سمجھوتہ کے اعتبار سے مانی ہوئی علامتیں ہیں اور بس۔ آواز در غلط میں صرف درجہ کا فرق ہے، مخصوص آواز میں نسبتاً غیر متعین اور غیر تراشیدہ ہوتی ہیں لیکن لفظ تراشیدہ اور معین اصوات ہیں۔ رفتہ رفتہ انسانی حلق اور اس کے مخرج، الصوت نے ہزار ہا آہنگ کے مفرد اور مرکب، الفاظ ایجاد کر دیے۔ یہ الفاظ بے حد معین آواز ہیں اور ہر قطعیت حاصل کی ہوئی آواز یعنی لفظ ایک علامت ہے جس کے اندر معنی اور مفہوم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک خارجی شے کے لئے مختلف قوموں اور قبیلوں میں الگ الگ لفظ ہوتے ہیں جو علامتوں کی شکل میں ابھرنے میں مثلاً دودھ، اور دھ میں "دودھ" انگریزی میں "مilk" فارسی میں "شیر" عربی میں "حبن" سنسکرت میں "دگدھ" نہ جانے کتنی زبانیں ہیں دودھ کے لئے۔ لگ الگ صوتی علامتیں ہیں یعنی الفاظ استعمال کے لئے ہیں۔ جب ہم پانی "پوتے" ہیں تو ایک خاص رتق شے مراد ہوتی ہے۔ جب ہم دودھ کہتے ہیں تو ایک دوسری رتق شے مراد ہوتی ہے۔ زمین قبیل، اسماء کے علاوہ سمات کا بھی یہی حال ہے۔ "اچھا" ایک مخصوص صفت کو پیش کرنے والی کڑا ہے۔ بڑا، "اس کی صند ہے۔ بعض علامتیں نظری طور پر پیدا ہو جاتی ہیں اور فوراً وہ ہماری عادت میں سرایت کر جاتی ہیں۔ اور بعض کے ارتقا پذیر ہونے میں صدیاں لگتی ہیں۔ ابتدائی علامتیں یعنی جسم کی حرکت اور آواز کی علامتیں جلد رد ہوتی ہیں بلکہ زبان نے قطعاً شکل اختیار کرنے میں صدیاں لی ہیں، جیسے علامتوں کی قطعیت یا پھر ان کی وسعت اور معنویت بڑھتی جاتی ہے علامتوں کے وجود میں آنے میں یہ لگتی ہے علامتوں کی تخلیق انسانی دماغ کی پچھلی سطح سے بھی ہوتی ہے۔ اور سب سے اذنی سطح سے بھی ہوتی ہے یعنی پہلی علامتیں بھی ہوتی ہیں اور فکری اور ذہنی بھی۔ زبان کے بعد ادب کی منزل آتی ہے۔ ادب زبان کی ترقی یافتہ صورت ہے۔ ادبیات میں ہم ذہنی اور فکری علامتیں پاتے ہیں۔ تشبیہ و استعارہ، مجاز اور کنایہ کے اندر یہی علامتیں ہوتی ہیں بلکہ جب یہ علامتیں اور زبان ترقی یافتہ اور واضح ہو جاتی ہیں تو ایسے ادب کو ایمالی یا رمزی یا علامتی ادب کہتے ہیں۔ اس منزل میں اگر علامتوں کی معنویت اور وسعت دونوں بڑھ جاتی ہے۔ کلام پر معنی اور پر معارف ہو جاتا ہے۔ مفہیم و مطالبات کا بحر ذرا بڑھ جاتا ہے لگتا ہے، علامتیں کچھ اور سرسبز کی طرح سامنے آتی ہیں اور کسی قرینے سے ان کی ظلم کشائی ہوئی ہے اور ان کے اندر معنی کا ایک عالم نو نظر آتا ہے۔

فنون لطیفہ کی دوسری صنفوں میں بھی علامتوں کا استعمال نظر آتا ہے۔ ابتدائی "صنعتی" فنون میں علامتیں بھری پڑی ہیں، ہندو یونان کے اساطیر، علامات اور رموز سے اٹے ہوئے ہیں بت گری اور بت پرستی میں بھی علامت ہی کی جلوہ گری ہے۔ لیکن ستم یہ ہے کہ غفلانہ ذہنیت نے علامت کو حقیقت سمجھا ہے اور ایماد کو صداقت۔ کالی دیوی اپنی علامتوں کے اعتبار سے فطرت کی تہاری اور جباری کو پیش کرتی ہے۔ جب لوگوں کو حقیقت نہ ملی تو انہوں نے راہ افسانہ اختیار کیا اور ان افسانوں میں علامتوں نے سہارا دیا۔ افسانہ سنگ دشت یا علاؤ الدین خدا تعالیٰ کی صفات کی علامتوں کے طور پر پیش ہوئے مگر کم سوادوں اور کم بینوں نے علامتوں کو مستقل طور پر

خدا سمجھ لیا۔

تمام مذہبی کتب میں مسلسل اور عدد متوں کا صفحہ ہوا ہے۔ علامتیں جب کیلا دی جاتی ہیں تو تمثیل کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ مثلاً انجیل میں 'انٹوری باس' کی تمثیل علامتی تمثیل ہے یعنی انگوری باغ سے مراد سلسلہ نبوت ہے باغبان سے مراد انبیاء ہیں۔ بیٹے سے مراد حضرت عیسیٰ ہیں، اور خود خدا کا 'نا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت قرار دیا گیا ہے۔' اسی طرح انجیل میں 'سورگ'، 'جہنم'، 'وزیر'، 'ہمت' کی علامت ہے۔ دنیا پر گرنے والے لوگ سور قرار دیے گئے ہیں۔ فاختہ سے مراد من اور دناوت ہے۔ مذہبی کتب میں کئی علامتیں پیشین گوئی کے طور پر درج ہیں مثلاً حضرت موسیٰ کے معجزات۔ آخرت بھی اس اور مسلسل کی پیشین گوئیاں تھیں۔ یہ بیقتا سے مراد روشن تعلیم ہے جو توریہ میں ہے اور عہد سے مراد آزادی، کثرت حرکت و مسطرت ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ نبی سراب کو حاصل ہوئی۔ ہمارے سرکارِ دوزخ، محمد علی مد علیہ وسلم کے معجزات میں بھی پیشین گوئیاں ہیں، مثلاً معجزہ 'شق القمر' معجزہ ظاہر بھی ہے اور روشن مستقبل بھی۔ جہنم کی مسطرت کی علامت ہے۔ حضور کی زبردہ مظہر نے ایک خواب میں دیکھا تھا کہ چاند کی گرد میں گرہ ہے نور کے واسطے اس کی جبریت کی کو عرب کے بادشاہ کی ملکہ بننے کی خواب دیکھ رہی ہے، حضورؐ کو نور کی انگشت کے اشارے سے باند کا بسکوت دور ٹکڑے ہونا ایک روشن معجزہ بھی تھا اور مسلمانوں کے لئے بشارت مستقبل بھی۔ پیشین گوئی یہ بھی کہ عرب و موجودہ قہم ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور عرب و عجم کا نظام افلاک حضورؐ بزرگ فیض سے آپ کے انگلیوں کے اشارے و اشارے کے گارسی طرح جنت کے چشمے علامتی حیثیت بھی رکھتے ہیں مثلاً زنجبیل، مسبیل اور کوزہ وغیرہ۔ ان سبھوں کے اندر معانی اور سب کا کمنڈر جوش مانتا ہے۔ حضور صاحب کوثر ہیں۔ دنیا اور آخرت میں کوہ ایک علامت ہے، کثرت، وسعت، شہ زالی، اپکارنگی، حرکت و عمل، حیات اور روحانیات وغیرہ ان گنت مطالب کی۔ مختصر یہ کہ مذہبی کتب نے بھی علامتوں کا مستعمل اس سے کہ ہے نہ کہ اس سے دوست مونی اور مطالب پیدا ہو اور اسی امر میں حش کلام ہے، بروقت کا نظام ہے۔

غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ایمانیات و علامت ہماری فطرت میں ہے۔ ہم جیتے جاگتے، سوئے، اور خوب دیکھتے بھی علامتوں کا استعمال کرتے ہیں۔ علم خواب میں انسانی دماغ علامتیں استعمال کرتا ہے اور یہ کام ہمارے دماغی حصہ دماغ کا ہے۔ جاگتے ہوئے میں شعوری دماغ بھی علامت کرتا ہے۔ غرض یہ کہ علامت گری شعور اور لامشور دونوں حصہ ہائے دماغ سے ہوتی ہے، خوابوں کی اسی لئے تعبیریں کی جاتی ہیں مثلاً کوئی خواب میں پھل دیکھے تو اس سے اولاد مراد ہے۔ مذہبی کتابوں میں بھی خوابوں کی تعبیریں ہیں وہ سب علامتی خواب ہے یا پیشین گوئیاں ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ حضرت یوسفؑ کا خواب قرآن حکیم نے خود اس کی تعبیر بتائی ہے۔ پھر فرعون کا خواب بھی غور طلب ہے۔ حضرت یوسفؑ کا خواب کی تعبیر کے لئے بلائے

جانتے ہیں۔ وہ تعبیر بتاتے ہیں کہ سات موٹی باتوں سے ماز سات سال بھی مسلسل موی درست گزلی گا یوں سے درست سات سال قحط کے ہیں جو جدید میں برعکس نہ لگنے خوب درخبر است خوب بڑا تحقیقی اور علمی کام ہے۔ ہر فراڈ بھی خواب میں مرسوں کی بات تبسم کو نہ سے درافیس دراعلام خواب DREAM SYMBOLS کہتا ہے۔ ان علامتوں کی تعبیر فوری ہوتی ہے تب ہم مفہیمات پہنچتے ہیں۔ مسلمان علامت کے بھی خواب کی جیسوں بہترین کتابیں ہلکی میں اس جیسوں نام مسلمان علامت اور صوفیہ کے درمیان ایک مستقل علم ہے اور لائٹ کے بہت سے سحر سنس کے ریکورڈنگ سے وقت لگتے۔ مختصر یہ کہ چونکہ علامتوں کا تعلق نہات سے تہہ و کار سے اندازہ رکھ کر ہماری نسبت سے کہے ہوں گا مشعور نہاتی تہذیب و ثقافت کی مختلف مرسوں میں شگرت ہے وراثیات۔ مرسوں میں ہی تہذیب کی ہے۔

تفسیر گوئی کا فن تنہا ہی قدم ہے فن کہ نہت کی زبانی درخارقی مدد سے معیور درخوں جوں انسان کے شعور میں رہتیں گئی گئیں، تفسیر گوئی کے فن میں ہی نزاکتیں بہت ہوتی ہیں۔ رفتی سے نکالتے۔ جاس میں تہذیب گرو۔ مگر ہی میں حکایت کی دو قسمیں ہیں۔ فیس، FABLE اور میں PARABLE۔ اس کا تفسیر کسی نہرو ایک حکایتی مدد میں بیان کرنا ہے۔ فیس میں عموماً غیر نہتی کردار ہیں۔ بعض وقت عوامی زندگی سے لے کر تہذیبی تہذیب رکھنے میں در انسان کی طرح بولتے چلتے ہیں۔ اس خسر کہانی میں کون نہاتی صفت بوسیدہ موند ہے۔ پاپ (AEL) کی فیس (FABLES) جو حکیم لقمان کی حکایتوں کا زہد ہے۔ جیسے وادی وادی۔ اندر اس درخو۔ درسی ہی رفتہ دہوئی تہذیبی حکایتیں دنیا کے تقریباً ہر میں موجود ہیں۔ میں (PILLOE) سے یہ کہانی کو کہتے میں ہیں کے در نہاتی ہوتے ہیں۔ اور اگرچہ ان کا ذکر آیا بھی و حیوان کی حیثیت سے در وہ بھی انسان۔ مام جانوں سے بہت اچھے غلامی تہذیب پر ہی مختلف ہوتی ہیں۔ مختلف تراہیب و تفسیر کتابوں میں ایسی حکایتیں کہانی ہیں نہتہ بہت سے درست تعلق نہ رکھنے والی ہیں ان اعداد PARABLES نام ہیں۔ جیسے فی دیں بڑی طاقت ہے یہ "نہت ہی موند ہے" وغیرہ موضوعات سے مزین حکایتیں۔

PARABLE اور FABLE میں مرکزی کرداروں کی نوعیت کے علاوہ ایک بڑا فرق یہ بھی ہے کہ PARABLE میں کہانی کا مدار در مدار مرکزی خیالات پر ہوتا ہے اس کا پلاٹ FABLE کی نسبت زیادہ قریب، رکان اور نظری ہوتا ہے۔ FABLE اپنے اخلاقی سبق سے قطع نظر کہتے ہوئے بھی اپنی کہانی کے صلف کو زیادہ طور پر برقرار رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ FABLES میں بچے واضح اخلاقی شعور کے نہ ہوتے ہوئے بھی بڑھپوئی محسوس کرتے ہیں۔ فیس میں اخلاقی سبق عام طور پر نمایاں نہیں ہوتا، بلکہ اکثر بعد میں اس کی وضاحت کوئی پڑتی ہے مگر PARABLE کا مقصد ایک واضح اخلاقی نکتہ ہی ہوتا ہے۔ فیس اور میں بہر حال ایک نسبتاً محدود زہد رکھتی ہے۔ دونوں قسم کی حکایتیں میں اختلاف بیان کی جامعیت اور

"THE PILGRIMS PROGRESS" سے زیادہ عظیم و جلیں کتاب ہے۔ اس کتاب سے بعد میں اعلیٰ بوی شاعر دانے نے بہت فائدہ اٹھایا ہے اور اپنی تصنیف طر بہ الہی (DIVINE COMEDY) لکھی اور عصر حاضر میں علامہ اقبال نے نوحات المکیہ سے فیض پاکر اپنی منظوم تصنیف "جادید نامہ" پیش کی۔ اعلیٰ میلہ میں بھی کچھ تمثیلی حکایتیں ملتی ہیں۔ اس کے علاوہ "افوان اسف" میں بھی تمثیلی عناصر ملتے ہیں اس میں حیوانوں کے کردار اور ان کے مکالمے اپنے اندر تہہ در تہہ تمثیلی نکات رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر سلام سندیلوی نے بھی افوان اسف کو تمثیلی ثابت کیا ہے۔ فارسی ادب میں بھی ایمائی اور تمثیلی ہنگ میں کئی تصانیف ملتے ہیں۔ بعض میں تمثیلی رنگ میں چھوٹی چھوٹی کتابیں ہیں جن سے خلاقی نکتے نکلتے ہیں۔ نظم میں حضرت فرید الدین عطار کی مثنوی "مطلق اسطر" میں تمثیل اور مزدایا پورے طور پر ہے۔ اس میں صوفیانہ مرطاب کو ادا کرنے کے لئے تمثیلی حکایتیں بیان کی گئی ہیں، اور تمثیل ہی کے ذریعہ اپنا مقصود شاعر نے ظاہر کیا ہے۔ سمرق سے ملنے کے لئے پرندوں نے جو سفر اختیار کیا ہے اس سفر میں سات مقامات یا منزلیں ہیں۔ ان مقامات کو ہمیشہ کے لئے حصوں مقصد تک پہنچتے ہیں۔ اس سفر کی داستان میں عطار نے میرسلوک راہ کی کوشش اور پابخت کا حال بیان کیا ہے، جو آدمیت کے عالی درجہ پر پہنچنے اور حقیقت کے حصوں کے سے ر ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ کہاں کا راستہ سراسر تکلیفوں سے پٹ پڑا ہے، اس راستے کو صرف جو زندہ اور صبر گزار انسان ہی طے کر سکتا ہے۔ عطار کے بعد ہمیں مثنوی مولانا روم میں بھی جستہ جستہ تمثیلی حکایتیں ملتی ہیں جو اپنے ندر ایک اخلاق آموز سبق پوشیدہ رکھتی ہیں۔ سعدی کے گلستان و بوستان میں بھی تمثیل اور رزمی مثالیں ملتی ہیں۔ نور جسی مصنفہ مولاد عطار کا شفی کے اندر بھی تمثیلی عناصر نمایاں طور پر ہیں، یہ کلیلہ درمنہ کا ترجمہ ہے جو سنسکرت کے پنج تہتر سے، فوڑ ہے۔ فارسی میں میر درد کے والد خواجہ محمد ناصر عندلیب کی تصنیف "نالہ عندلیب" مشہور و معروف تمثیلی داستان ہے۔ یوری تصنیف تمثیلی اور علامتی رنگ میں ہے۔

سنسکرت ادب میں بھی دیوماری گتھاؤں اور قدیم لوک گیتوں میں تمثیل موجود ہے۔ پنج تہتر میں گیدڑ، شیر اور میوں کے پردے میں بادشاہ وزیر اور امرا و دربار کی تمثیل دی گئی ہے۔ بہت ابدیش میں بھی تمثیلی قصے ہیں۔ ہندو اساطیر کے علاوہ بودھ ادب میں بھی اخلاقی کہانیاں تمثیلی اور رزمی رنگ میں لکھی گئی ہیں۔ ان کا بہت بڑا سرمایہ پالی میں موجود ہے جنہیں "جاٹک" کہتے ہیں۔ ہندی میں بھی تمثیلی رنگ میں متعدد داستانیں منظوم ہیں۔ تطہین جو ریشا برہان کے سرمدتھے انھوں نے "مرگادتی" لکھ کر ایک متصونانہ تمثیلی داستان پیش کی۔ سمجھنے نے بھی "مدھو مانتی" ایک تمثیلی کتاب لکھی ہے۔ یہ سب

پریم مادی صورتی شاخ میں۔ بہت عمدہ جاسی کی پدمانت "تمثیلی داستان" کی نہ ہرکار ہے۔ خود جاسی نے پدمانت کے آخر میں، اس کی تمثیلی توجیہ کر دی ہے کہ تھوڑا سا جسم ہے اور رتہ روح ہے۔ طوطا مرشد ہے۔ راگھو بہمن شیطاں کا روپ ہے۔ عذرا مدینہ کا مظہر۔ بدنتی عزن کی علامت۔ انورا الوہیت ہے اور رنگ مٹی دینا دھندا کی جس سے دن نہ ٹھکانا چاہیے۔ کیونکہ باب کو راگو کے ڈھیرے سو اور کچھ نہیں۔ لہذا۔۔۔ پدمانت کی کہانی تمام تر تمثیلی ہے، اس میں کردار اور واقعات کے پردے میں تصورات کے مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ درود، ہجر، لذت و صل اور عزن کی منزلوں تک پہنچنے کے جو پچاس درجہ مراحل میں ان سب کا بیان تمثیلی اور ایمانی رنگ میں ہوا ہے۔ ڈاکٹر محمد حسن کا خیال ہے کہ "صمدن" صورنیانے ہندو تہذیب سے متاثر ہو کر اپنی تعلیمات کو مختلف کہانیوں کے روپ میں پیش کیا۔ وہ کاروبار محض زور بھروسہ رکھنے کی بجائے اسے حسن کی دنیاوی شکلوں میں سامنے رکھا، ایسی تمثیلیں استعمال کیں جنہیں عام لوگ سنان سے سمجھ سکیں۔ یہ تمثیلیں اور کہانیاں زیادہ تر ہندو سماج سے لی گئی ہیں، مختصر یہ کہ ہندی ادب میں بھی تمثیلی اسلوب مروج اور مقبول رہا۔

اردو ادب میں بھی ابتدائی سے تمثیل کی مثالیں ملتی ہیں، سین بٹوں ڈاکٹر گیون چندر کہ جس طرح مولیر کا ایک کورساری غرض میں گفتگو کرنا رہا لیکن محض آخر عمر میں اس پر انکشاف ہوا کہ نثر کس کو کہتے ہیں، اسی طرح اردو میں کئی صدیوں تک تمثیلی نگاری مونی رہی، لیکن انیسویں صدی کے آخر میں محمد حسین آزاد نے اردو والوں کو اس کا درک دیا۔ اس کی تکنیک ہماری اس کا نام آج بھی "انگریزی اصطلاح A-LEGORY" کا ترجمہ انھوں نے تمثیل کی جو زبانوں پر چڑھا جانے کی وجہ سے ایک ادبی اصطلاح بن گیا۔ اب بعض شعرات کو اعتراض ہے کہ چونکہ تمثیل کے معنی ڈرامے کے بھی ہوتے ہیں اس سے ایلی گری کو رمز یہ کہا جائے لیکن عرف عام میں تمثیل کہہ کر ایلی گری مراد لیا جاتا ہے۔

پیشتر ذکر یہ ہے کہ داستان روایت میں رمزیت و ایں بیت اور تمثیل کا خاص حصہ ہے۔ اخلاقی نکتوں کو تمثیلی کہانیوں کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے جیسے حکایت غمان میں جانوروں اور پرندوں کے قصے ہیں اور ان سے اخلاقی نکتے پیدا کر گئے ہیں۔ "خروش اور کچھوے" کی کہانی میں سست خرام مگر استقامت دکھانے والے لوگوں کی تمثیل کچھوے کی گئی ہے۔ تیز خرام مگر غافل شخصیتوں کی تمثیل خروش سے کی گئی ہے سی طرح اور بھی تمثیلیں ہیں۔ تمثیلی اور رمزیت و ایمانی کہانیوں میں قہری مشابہت پائی جاتی ہے۔ تمثیلیں درپہیں کر لطیف و در لطیف ہو کر رمز و پیمان جاتی ہیں۔ ان دونوں کے درمیان کوئی حد فاصل نہیں کھینچ سکتے۔ کبھی انسانی جبلتوں، احساسات و جذبات کو شخصیت عطا کر دی جاتی ہے

لے ہندی ادب کی تاریخ: مصنفہ ڈاکٹر محمد حسن ص ۸

نثر اور ادب میں تمثیل نگاری مصنفہ ڈاکٹر گیون چندر مطبوعہ رسالہ "آج کل" دہلی۔ جون ۱۹۶۵ء ص ۳

اور کسی غیر پر تمثیلی کہ نیاں رکھی جاتی ہیں در کبھی لکے خیالی اور دونوں نکتے نکالے جاتے ہیں اور سی نمٹ دینی کے سلسلے میں symbol کا استعمال ہوتا ہے۔

تمثیل، رمز و ایما و دھڑلہ فرغ اجماع دیتے ہیں۔ غیر مرئی کو مرئی بنا دینا، غیب کو تصور بنادینا در کبھی دھڑلے سے غیب کی طرف اشارہ کرنا اور مرئی دنیا سے غیر مرئی دنیا کی طرف ایما و مفہود ہوتا ہے۔ کبھی غیر مجسم کو مجسم بنا کر چیتس کی جاتے مجسم (PERSONIFICATION) کے مختلف طریقے اختیار کئے گئے ہیں۔ کبھی انسانی خوبوں یا برائیوں کو تشبیہ یا انسانی جانوروں کے ناموں سے پیش کیا جاتا ہے۔ کبھی انسانی خوبوں یا برائیوں کو کسی شہابی تمکبیں دی جاتی ہیں جن کا سارا فعل پوری طرح اس صفت سے متصف ہوتا ہے جس کی وہ نمونہ کی گئی ہیں۔ اس میں جو کردار پیش نہ جاتا ہے۔ وہ ان صفات یا تصورات کی طرف اشارہ کرتے ہیں جن کی نمونہ کی گئی ہے۔ انیس استعمال کی گئی ہے۔

اردو ادب میں بھی تمثیل نگاری کے نقش و نگار ابتدا ہی میں ملتے ہیں۔ جس طرح اردو ادب کے آغاز میں صوفیائے دکن کا عقیدہ رہا اسی طرح اردو ادب میں تمثیل نگاری کی ابتدا بھی صوفیائے دکن کے ہاتھوں ہوئی۔ درود و رنہ سس : اضافہ ہی ہوتا رہا۔ چنانچہ جدید تحقیق کی بنیاد پر یہ حقیقت روشن ہوتی ہے کہ حضرت سید محمد بنہ : کیسور رنہ : حیات و موت کی تعلیم کے لئے اس اسلوب کو بھی اختیار کیا اور یک دم مرموز بہ ترکار نامہ : زیب دیا جس کے واسطے بھی ایک مشورہ ہے۔ ایک نسخہ کتب خانہ سالار جنگ میں ہے درود سرائی کا تذکرہ ضمنی نگار کے میں محفوظ ہے۔ ڈاکٹر دیو سدر : مرموز میں کہ "شکار نامہ میں ایک تمثیل کے پیرائے میں معرفت کی تعلیم دی گئی ہے۔ تمثیل یہ ہے۔ جہ رگھر ہوتے ہیں جن سے ایک گھر ٹوٹا یعنی ویران رہتا ہے۔ پہلا گھر شربوت۔ دوسرا طریقت۔ تیسرا حقیقت۔ چوتھا معرفت کا ہوتا ہے۔ معرفت کا دروازہ بند رہتا ہے۔ البتہ اس گھر میں پاک خراب ہے جسے نبوت کا خراب کہا جاتا ہے۔ اس خراب میں پاک بندی رکھی ہوئی ہے جسے عبودیت کی ہانڈی کہا جاتا ہے جب اس ہانڈی کے کاڑنے (نکالنے) کے واسطے بات انیٹر : (بڑھایا) جاتا ہے تو وہ ہاتھ میں آتی سو ایک پتھر رکھ جاتا ہے۔ جسے پینکا پتھر بوسے میں لیکن پانچ گز زمین نیچے کھودی جاتی ہے، جس میں پہلے گز ذکر جلی، دوسرا گز تلبی، تیسرا گز روحی اور چوتھا گز سری اور پانچواں گز خلی کا ہوتا ہے تب وہ ہانڈی ہاتھ آتی ہے۔ جلی، تلبی، روحی سری، خلی تصورات کی اصطلاحیں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان ذکر کے معرفت نصیب ہوتی ہے یعنی ہانڈی ہاتھ آتی ہے۔ جب ہانڈی کاڑی (نکالی) جاتی ہے تو اس میں سے عشق کی آگ میں پکا ہوا ایک ہرن نکلتا ہے جو کوئی اسے کھتا لٹ لٹتا ہے۔ آخر پاک نے کہا : "میرا حصہ دو" یہ میرا حصہ جو کوئی بوسیا (بول) اسے نفس شیطانی بولتے ہیں۔ بالآخر اس مانگنے والے کو ایک ہڈی دی جاتی ہے وہ ہڈی بھی نیچے گر جاتی ہے جس سے خر بوزے کا بیج نکلتا ہے اس کو زرد کوئی میں لگتی ہے۔ اس پیل کو بجلی (بوجھی) لگ جاتی ہے (یعنی

کیرا درویش (سراسر) کو عورت قمر زند ہوتے ہیں اور دیوی بکھیراؤں میں پھنس جاتا ہے۔

شمس العشاق میران جی نے بھی شہنوی خوش نغمہ ایک طویل قصے کو تمثیلی رنگ میں پیش کیا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ لکھتی ہیں کہ "اس نظم میں معرفت الہی کے مطالب کو ایک مثالیہ (ALLEGORY) کے پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ مثالیہ قصہ ایک بڑی "خوشی" کے اطراف گھومتا ہے۔ "خوشی" کو ایک بڑی ہے، لیکن مثالیہ کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو یہ سالک کو معرفت الہی کے حصول سے جو روحانی مسرت حاصل ہوتی ہے اسے استعاراً "خوشی" سے تعبیر کیا گیا ہے، قدیم ادب میں نظم کے ساتھ قصے کو جوڑنے کی شاید پہلی مثال ہے۔ اور مثالیہ کے اعتبار سے یہ سیدھی سادی نظم بتدائی خاک ہے۔ "خوشی" کا کردار مصنف نے اشاروں میں نہایت خوبی سے پیش کیا ہے۔ وہ ایک بھولی بھالی بڑی ہے اور اسے خدا کی لگن ملتی ہوئی ہے اس نے میران جی سے عرض کرتی ہے کہ میرے حال پر رحم کیجیے۔ مجھے دینا اور اسکی ندرتوں سے کچھ غرض نہیں۔ میں تمہاری محبت کی بھوکی ہوں۔ تب وہ اسے دین اور معرفت کی باتیں بتاتے ہیں۔ بالآخر اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔ ہاتھ خوش خبری دیتا ہے، فرشتے ادب سے حاضر ہوتے ہیں اور آسمان سے نور کے طبق آتے ہیں یہ خوش نویدی کا آخر وقت ہے، وہ دنیا سے چلی جاتی ہے، اس منظر کو میران جی نے بڑے موثر طریقے سے بیان کیا ہے، یہ منظر بڑا دل کس اور دل گداز ہے۔ آپ نے دو نثری رسالے تمثیلی پیرائے میں "گلہاس" اور "جلترنگ" بھی تصنیف کئے ہیں، حکیم شمس المتقارری نے آپ کے ان دونوں رسالوں کا تذکرہ اس طرح کیا ہے کہ حضرت میران جی شمس العشاق نے نثر و دو میں کئی رسالے لکھے ہیں، بخلاف ان کے دو رسالے ہم نے بھی دیکھے ہیں، ایک کا نام "جلترنگ" اور دوسرے کا "گلہاس" ہے، یہ چھوٹے چھوٹے رسالے ہیں اور شاہ صاحب نے ان میں تصوف کے اسرار و نکات تمثیل کے پیرایہ میں بیان کئے ہیں۔

حضرت برہان الدین جانی نے بھی اس تمثیلی اسلوب میں طبع آزمائی کی ہے۔ آپ نے رسالہ "کلمۃ اسرار" میں تمثیل کے ذریعہ بعض مسائل کی وضاحت کی ہے، خدا اور بندے کے تعلق کی توضیح، اچھلی اور پانی کی خیال انگیز تشبیہ و تمثیل سے کی ہے۔ ایک حکایت سکندر و نوشاہہ کی ہے کہ کس طرح سکندر ہرکارہ بن کر نوشاہہ کے پاس گیا لیکن نوشاہہ نے اسے پہچان لیا۔ اس حکایت سے آنحضرتؐ کو اللہ کے رسول کی حیثیت سے پہچاننے کا درس دیا ہے۔ اس رسالے میں تمثیلی واقعات اور حکایتیں متعدد ہیں۔

اور تمثیل کی نادرہ و متان میں دیہی کی برس کا نام سمٹا ہے۔ اصل میں یہ تصنیف ابن سبیک نقاشی کی فارسی شہنوی۔ دستور العشاق سے ماخوذ ہے۔ نقاشی ہی نے اسے نثر میں نقد حسن و دل کے نام سے بھی لکھا تھا۔ دیہی نے اس میں کچھ اضافہ کیا ہے۔

لہ اور نثر کا ارتقاء از ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ ص ۱۰۳-۱۰۴۔

لہ در نثر کا آغاز اور ارتقاء از ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ ص ۱۳۳۔ لہ اور دوئے قدیم مولفہ شمس المتقارری ص ۱۱۶۔

لہ اور نثر کا آغاز اور ارتقاء از ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ ص ۱۴۲۔

کردار بگارتی اور مٹا کر لے لی ہیں اس کا شوق اس کے اندر اٹھانے سے اس کے دل میں کسی کی بھی تھلک ہے اور
 عشقِ فیضی کا یرون بھی ہے یقیناً میں سوں معرفت کی: تمہیں نہیں اندر میں میں کی میں ہیں: کہ عجب حق کا یہ ہے کہ یہ شوق و معرفت کو فیضی
 پیراہ میں بیان کرنے کا ایک ڈھنگ ہے رفیعہ ساخانہ کے لکھتے ہیں: کہ یہی ذاتی معنوں میں دلچسپ حالت تو یہ و فحشیت کر سکتا ہے اس کا یہ و
 دل ہے: اور بدوئن حسن سے دل حسن و حاصل کرنے کے لئے طرز و حالت کے ہیں: کہ یہی اس کی رسائی حسن کے لئے ہے: کہ یہی اس کا
 طور پر مل جاتے ہیں۔ پھر غیر کسی طرح اس میں بھوت ڈال دیتی ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے
 دن و رات کی کوشش و مدد سے دونوں مل جاتے ہیں۔ دن بھر یہی لڑ رہی ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے
 وصال کے نتیجے کو لاتی ہے۔ دن بھر یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے
 مجنوں کی سی ہو جاتی ہے۔ اس اتوار میں حسن کی منہ سے یہی ہو جاتی ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے
 حسن کا بھیس بدل کر دل کو اپنے پاس ہوتی ہے۔ خیالات میں یقیناً کی صلاح حسن کو ہوتا ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے
 دن کو اس کی بیوفائی کی سزا میں محسوس کرتے ہیں: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے
 ہے جس سے حسن پر دل کی بے گناہی نہ ہو جاتی ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے
 میں دونوں کے باپ یعنی عشق و عشق کے درمیان بہت جھگڑا ہوا ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے
 میں صلح ہو جاتی ہے اور عقل سے بڑے دل کی منہ کی بیٹی منہ سے شادی ہو جاتی ہے

بچے نہ کہ وہ کہ جابجا ہے کہ بہتر سے ہوتا ہے اسی طرح حسن و حسن کی بھی نہیں ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے
 رفیعہ ساخانہ نے اس کا سبب سے لکھا ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے
 اب حیات میں اس کی تلاش میں اس کے دل میں ہو جاتی ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے
 میں یہ سو فی کی اصطلاح میں تھکا کا متنبہ ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے
 میں کی: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے
 اس کی: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے
 کو معرفت کی راہ سے جہان ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے
 عشق کی خاص اصطلاح ہے وہ خدا کو محبت یا عشق ہی کہتے ہیں: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے
 ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے
 جا کہ وہاں کے لفظ اس میں ہو جاتا ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے
 دہم، مرد، سطر وغیرہ سے کو کم کے لئے نہیں: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے
 دہم، مرد، سطر وغیرہ سے کو کم کے لئے نہیں: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے: کہ یہی اس کے دل میں ہو جاتی ہے

ہے اور بہت فیض، مزہ، لطف، حق ہے جس سے سالک کو عرفان حاصل ہوتا ہے۔ منفی صفات و کم، ازبہ ہیں جو دل کے خلاف ہیں۔ یعنی سالک کی راہ میں روڑے اٹکاتے ہیں۔ دم نفس، وحشت، فرا اور قیبت نفس روں ہے۔ اسی طرح حسن کی مہمناں رفت، دامن نہ ہیں۔ رافت، اصل حبیب اللہ سے مستعار ہے۔ غارت سے سواد الوجود مراد ہے۔ غیر تہ النہی ہے۔ کی طرح مادی ہوتا ہے۔ دروں ہی کو۔ نے مدار کے نقشے سے برابر ہیں بیان کے لئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ سب سے زیادہ حقائق کے مسائل کے مسائل۔ ذنکات کی تمثیل ہے تو اس میں انسانی زندگی کی حقیقت اور روزمرہ کا مشاہدہ ہے اور کسی نمائندے کو اپنی نے مسس نے رتبہ میں پیش کر دیا ہے در عقل و دل، عشق و حسن اور ان کے لوازمات کو مجسم اور جاندار بنا کر پیش کیا ہے۔ یہی ہے اس افعال طبع و جسم میں جو کیفیات پیدا کرتی ہیں ان ہی کیفیات کو میدان عمل میں بروکلے کا دریا گیا ہے جس میں حسن، عقل و دل، نادر و لذت، وقت و خسار کو در بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ سب اس کے نقشے کو جاندار بنانے کی حتی الامکان اچھی کوشش ہے

گیاں چند کا بنانا ہے کہ سب اس میں انسانی زندگی کی تمثیل ہے اس میں مجرور اوصاف و جذبات کی تجسیم کی گئی ہے لیکن اسلامی روایات کے تحت اس میں دلوں میں کب کب سے۔ بلکہ انسانی فرائض کے ان کے اصل ناموں سے ظاہر کیا گیا ہے۔ اس طریق کار میں عقل کی بار بار ملنے والی بات کے مزہ و دل ہو کر رہ جاتی ہے۔ یہ بھر نہیں قائم رہتا کہ ایک کردار دوسرے کردار کی مانند کر رہا ہے۔ سب جیسے ہی وہ سے رواد نگاری میں کسی بھلاؤ و رچک کی گنجائش نہیں رہتی۔ وہ بھی نے جس سلوب کو پروان کر دیا وہ ان کے بعد بھی وہ مر رہا اور بتدریج داستان نقشے اور نظموں میں نمیش کا استعمال جوتا رہا۔ گہاں بہت ہے۔ اس میں تمثیل ہے۔ اس میں امتیاز اور نظموں کا تہ کر دیا ہے اور مناسب پیش کی ہیں۔ سب اس کے بعد اسی رنگ و روئے کی تمثیل۔ جس میں منہ سرد کی نالیف گھر سرد ہے۔ جو ملا محمد رھنی تبریزی ابن محمد شفیع کی فراموشی سے "حقائق" کا ترجمہ ہے۔ اس نقشے میں ملک و دن تین کا کم روح ہے۔ دل اس کا فرزند و عقل وزیر ہے۔ حسن با اساد کی بیٹی حسن ہے۔ حسن ملک و دن بنان پر نملہ اور ہوتا ہے۔ جبک کے بعد ظفر یاب ہو کر روح اور عقل کو قلعہ میں مقید کر دینا ہے۔ اور اس حسن کو دے بیٹھتا ہے۔ حسن کو دیا حقیقت میں بھیج دیا جاتا ہے دل اپنے محبوب سے ملنے کے لئے فنا کی منزل سے گزر کر حسن تک پہنچا ہے۔ اس کے بعد نعلیم جسم کو مساکر کے روح کو دیا حقیقت میں بلا یا جاتا ہے۔ قلعہ بڑا دلکش ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گہاں چند نے لکھا ہے کہ قصہ دلکش ہی نہیں بلکہ روح فرور ہے۔ جذبات کی نمائندگی اور ان کا باہمی تناسب اور توازن

لے اور دشر کا آغاز اور ارتقا ص ۳۱-۳۲

۱۹۶۵ء گہاں چند کا مقالہ "اردو میں تمثیلی نگاری" مطبوعہ رسالہ "آج کل" دہلی جون ۱۹۶۵ء
۱۹۶۵ء گہاں چند کا مقالہ "اردو میں تمثیل نگاری" مطبوعہ رسالہ "آج کل" دہلی جون ۱۹۶۵ء

سے موسوم ہو گیا۔ زبان اردو اس سے ایسے محروم رہی، چنانچہ اس زبان میں بھی اس کے کئی ترجمے اور تحفے ہوئے جن میں میر بہادر علی حسینی کی اخلاق ہندی، حفیظ الرحمن احمد کی خرد آفرین اور فخر محمد خاں گویا کی بستان حکمت اہمیت کے حامل ہیں۔ پہلے دو مصنفین نورٹ و سیم کالج سے وابستہ تھے۔ گویا تمثیلی اسلوب کی مقبولیت ترجمہ کے ذریعہ بھی ہوئی۔ انگریزی ادب میں جو تمثیلی روایات ہیں، اس کو بھی ترجمہ کے ذریعہ اپنا پانچا گیا۔ گارسن د ماسی نے اپنے خطبہ میں یہ بتایا ہے کہ ”اگر آباد کے اخبار امین الاخبار کے مدیر عزیز الدین خاں نے ”پلگرمس بر وگرس“ کے طرز پر ایک کتاب جو اہر آراصل لکھی ہے۔ اس کی عبارت میں نظم اور شردونوں ملی ہوئی تھیں۔

تمثیل نگاری، مدرت برن اور مزنگاری کا کامیاب اور مول جام تارنر میں ہوتا ہے۔ خصوصاً داستان اور کہانی میں سیمین اور دلکش معلوم ہوتی ہے۔ لیکن نظم میں بھی اس کی تاثر انگیزی حیرت انگیز ہے۔ چنانچہ نظم میں کامیاب کوششیں اردو میں بھی کی گئی ہیں۔ رکن کے شعرا کی مثنویوں میں تیشی عناصر ہیں۔ میر کی مثنوی شردن مر میں بھی طہرہ تیشی ہے، اس مثنوی میں معاصر شعرا کو بندھ کر، چوہا، موڑی، چھپکلی وغیرہ علامت اور تمثیل سے ظاہر کیا گیا ہے اور شاعر نے خود کو ایک اندر خون خوار تسلیم کیا ہے۔ تشرات الارض بنا ہو کر اس سے بڑے باتے میں ژد با اساد م کھنچا ہے کہ ب غرق بحر بنا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح صبر و کے قصیدے میں بعض صفات کو کٹھن بنا کر تمثیل کے، ہر ایہ میں پیش کیا ہے۔ نظیر برآبادی کی نظم ہنس مامہ میں بھی تمثیلی رنگ گہر ہے۔ گرجہ یہ غیر فسانوی تمثیل ہے۔ جاو امداد رتہ ہر بڑی ملکی کی کتاب ’بہار اکبر‘ بھی تمثیلی رنگ میں ہے اس میں صفات کے اعتبار سے مدر میں ہر سخت خیمہ ہو کر اپنے نرائسن انجم رہی ہے۔ کہیم الدین کی تہہ عقدیر اور تاق کی مثنویوں میں بھی تمثیل و ایما کی تہک ملتی ہے، جیسے آپ کی مثنوی ”نشا و مید“ اور ”مناظرہ رم و انصاف“ میں امید، رحم اور انصاف کو کٹھن انسان بنا کر پیش کیا ہے، لیکن محمد حسین آزاد کی نٹھوں میں جو تمثیل ہے۔ اس کا مفہوم تیشی کوئی تیز رنگ خیال سے پہلے چند تمثیلی مثنویاں آزاد نے سوردوں کی میں۔ مثنوی صبح امید میں شہزادی امید پہاڑ کی جوتی پر ایک گلزار میں متکین ہے۔ محنت مینوں کے لوگ اس کی طرف جاتے ہیں۔ اس مثنوی کو شتر کا جامہ بھی پہنایا ہے اور گلشن امید کی بہار“ سے موسوم ہے۔ دوسری مثنوی ”خواب میں جا۔“ میں خسرو من کا دربار لگنا ہے، لیکن درباری طرت کوہ پر ایک مرد دلدار ”سوب جہاں نامی کھڑا ہے دن ساری رات با کو اپنی طرف بل کر امن کوڑک دیتا ہے۔ سر میں اس مثنوی کو بھی منتقل کیا ہے۔ اسی طرح داد انصاف، اور دواع انصاف بھی ہے جو پچ اور قیوٹ کا رزم نامہ کے لباس میں ملبوس ہو گئی۔ تیز رنگ خیال ان ہی تمثیلی مضامین کے مجموعے ہیں۔

حیرت یہ ہے کہ کرب اردو میں تیشی نگاری کا نام لیا جاتا ہے تو سب سے پہلے ”راکے نرنت کوڑ من میں ریا جانا ہے“ مانا کہ آزاد سے پہلے اردو کی ابتدا ہی سے اس زبان میں تیشی نگاری اور علامت ہندی کے عناصر پائے جاتے ہیں۔ گجریوں صدی ہجری

میں سب سے جیسی تصنیف معرض وجود میں آئی تھی اور اس کی تقلید کی بارہی تھی۔ نثر و نظم دونوں ہی میں معتد بہ ذخیرہ ہو گیا تھا۔ کچھ تو ترجمے کے ذریعہ اور کچھ طبعاً تصنیفی اور ایمانی رنگ کی تصانیف درج ہیں۔ آزاد کا یہ دعویٰ کہ وہ اردو میں تمثیل نگاری کا آغاز کر رہے ہیں ان کی روز میں تمثیل نگاری سے نہ ملی کی برسی ہے۔ اس لئے کہ ہر دور میں اردو نثر و نظم میں تمثیل نگاری تھی۔ آزاد نے نیرنگ خیال کے زبانی اردو ادب انگریزی انشا پر داذمی پر کچھ خیالات میں تحریر کیا ہے کہ مرز بہ صف میں لکھنے کا انھوں نے اس درجے ارادہ کیا ہے کہ وہ اردو کو ایک نئے صفت بیان سے آگاہ کریں۔ اور انگریزی زبان کے ایک مخصوص صوبہ کو اردو میں منتقل کر دیں۔

آزاد کے پہلے اور انھیں کے زمانے میں کثرت سے تمثیلی داستانیں اردو زبان میں بھی لکھی گئیں تھیں بعض کا تذکرہ ڈاکٹر گین چند نے اپنی تصنیف تھالی ہندی اردو نثری داستان میں کیا ہے۔ اور بعض تمثیلی داستانیں مخطوطہ کی شکل میں رنالا لائبریری رام پور میں موجود ہیں۔ ان کے ثبوت سے میں یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ ان کا گناہوں۔

- ۱۔ خطِ تقدیر مصنفہ منشی کریم الدین مکتوبہ راجستھانی جدید انشائیہ مرز بہ صف۔
- ۲۔ قصہ سہمی اور کبھی مخطوطہ از علی شوق امرتسری شائع شد۔
- ۳۔ داستان جمیدہ شاعرہ و ناسی نے بنی تمثیلات میں اس کا ذکر کیا ہے۔
- ۴۔ مراۃ النساء مکتوبہ راجستھانی رنالا لائبریری رام پور میں موجود ہے۔
- ۵۔ جوہر عقل مصنفہ منشی عظیم الدین مکتوبہ راجستھانی
- ۶۔ مراۃ الملک مصنفہ رحیم بخش مکتوبہ راجستھانی
- ۷۔ مراۃ العقل مکتوبہ راجستھانی

مذکورہ بالا کتابیں رنالا لائبریری رام پور میں محفوظ ہیں۔ صوبہ بہار میں بھی تمثیلی داستانیں لکھی گئی ہیں جو اپنے عہد میں طبع ہو کر شہرت حاصل کر چکی ہیں۔

- ۱۔ کنز الخوائد مصنفہ سید احمد عظیم آبادی ثم دہلی مکتوبہ راجستھانی

۱۔ نیرنگ خیال مصنفہ محمد حسین آزاد۔

۲۔ مکتوبہ ڈاکٹر محمود اہی صدر شعبہ اردو گورکھ پور یونیورسٹی سے لکھی گئی ہے۔

۲۔ سلیمان بلقیس مصنفہ ابراہیم آدمی

اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ محمد حسین آزاد نے انگریزی ادب سے استفادہ کر اردو میں تشبیلی اور علامتی اسلوب کو پروان چڑھا یا اور اسے رائج کیا۔ آپ کے تشبیلی مضامین کا مجموعہ نیرنگ خیال کی شکل میں مرتب ہوا۔ اس کی پہلی جلد ۱۸۸۸ء میں اور دوسری ۱۹۲۳ء میں شائع ہوئی۔ آزاد کے تشبیلی مضامین کا تاجہ کار نیرنگ خیال ہی ہے۔ اس کے اکثر مضامین انگریزی سے ماخوذ ہیں۔ آزاد نے جوزف ایڈلین اور اکثر جانسن کے خیال سے استفادہ کیا ہے، چند نچے نیرنگ خیال کے بعض کردار اس حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں، جن کے طور پر "پتہ در پتہ" کا رزم نامہ اور علوم کی بد نصیبی میں سلطان آسمان کا ذکر ہے۔ ملکہ صداقت زہنی اور ملکہ علوم افروز اس کی بیٹی ہیں اس کا بیان جس طرح ہے اس سے مراد نہیں ہو سکتی۔ علوم کی بد نصیبی اور طبیعت اور کائنات کے منہاجے میں عالم بار کے پاک بنادوں کا بھی ذکر خیر ہے۔ صحت ظاہر ہے کہ ان سے مراد یونان اور لیس پہاڑ کے باسی دیوتا اور سلطان آسمانی سے مراد ان کا سردار جومپٹر ہے۔ آزاد نے وہابی کی طرح جذبات اور اوصاف کو انھیں کے ناموں سے یاد کیا، لیکن بعض اوقات وہ داستان میر حمزہ کی طرح کچھ لقب بھی نام کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں۔ مثلاً دروغ دہرہ، سحران محنت پسند خود مراد وغیرہ۔

آزاد کے نیرنگ خیال سے اردو کے کئی لکھے دلوں کو متاثر کیا۔ محسن الملک کا مضمون موجودہ تقسیم تربیت کی تشبیہ "آزاد ہی کے رنگ میں ایک تمثیل ہے سر سید کا مفارم آدم کی سرگزشت بھی تشبیلی انداز میں ہے۔ متر کے متعدد انشائیے تمثیلی رنگ میں ہیں۔ یہ انشائیے رسالہ رنگار میں اشاعت پذیر بھی ہو چکے ہیں۔ مثلاً "اتفاق و اختلاف کا مناظرہ"۔ "دشمن دریا"۔ "عقل و نقل کا جھگڑا"۔ پہلے مضمون میں اتفاق کو صبر اور اختلاف کو یلیمہ کے نام سے دو حیثیوں کے نام سے پیش کیا ہے۔ "عقل و نقل کے جھگڑے" میں دونوں کو ملکہ قرار دیا گیا ہے۔ تمثیلی اسلوب کو آزاد کے بعد راشد الخیری نے فروغ دیا گویا "آزاد کی صحیح معنی میں تفاسیر کی ان کا ناول "منازل السائرہ" ان کے مخصوص رنگ کا سماجی اصلاحی ناول ہے۔ بلکہ قصے کے درمیان ہی میں عام رنگ سے ہٹ کر زندگی کی چار منزلوں یعنی شیرخواری، رکب، جوانی اور بڑھاپے کی تمثیلی تصویریں پیش کی گئی ہیں۔ پھنسیاں شہاب سے ملا ہوا

مشہور، ہمیشہ آباد ہے اس میں ایک محلہ سسرال پور ہے جس میں دو گلیاں ہیں۔ نظموں کی اگلی "اور" زبان دروازوں کا کوچہ" یہ گویا بیویوں کی دو قسمیں ہیں۔ بہشتیہ شباب کے کنوے پر پائے اغلاط ہے جو نیرنگ نیاں کے ہر زندگی کی سدا باز گشت ہے۔ ملاحظہ ہو: "دریائے غلط" میں ایک تیز رو سدا بہار نظر آتا ہے۔ چند نیک سیرت بزرگ پھونس کی جھونپڑیاں ڈالے سرنگوں بچتے تھے۔ ان کی سید و رُہیباں ان کے چہروں پر نور برسا رہی تھیں۔ نصیحت کے بڑے بڑے سوائے سر سے بندھے ہوئے تھے۔ مگر گفتہ پرداز کی چھینٹیں پڑی ہوئی تھیں۔ اور گئے پڑی ہوئی پیشانیوں پر کھنک کا ٹیکہ چمک رہا تھا۔ انوں گذشتہ کا تسخیر و حمل کی پیشانی چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھی۔"

بڑھاپے کے بعد سرمد عدم آباد کئی ہے جس کی نلک برس نیلیوں میں بہرت کا پور۔ سامان موجود ہے۔ تمام بیانات تھے بھرور اور سہانے میں کہ تہ پر "زور" کے نغم کا دھوکا ہوتا ہے۔ غرض منازل السائرہ کی یہ چاروں قسمیں تمثیل نگاری کے بڑے دلکش نقوش ہیں۔

تمثیل نگاری بیسویں صدی جسوسی میں زور پذیر ہو گئی۔ اردو میں متیں نگاری کے سے رنگیں بیاہی کو لازم اور ضروری سمجھا گیا لیکن اس دور میں جس رنگ کی مقبولیت نہیں۔ منہ میں بات کو براہ راست نہیں کہا جاتا۔ کہنے کچھ اور میں اور منہ کچھ اور ہوتا ہے۔ اب پردہ پڑتی کا زمانہ نہیں، ہر شخص مافی، تفسیر کو صاف صاف ادا کرنا چاہتا ہے۔ بھر سامان اور اس کے مسائل تھے پیچیدہ ہو گئے ہیں کہ وہ تمثیل کے رنگ میں ادا نہیں ہو سکتے جس لئے اس کی طرف نظر تجاہل عارفانہ پڑتی ہے۔

سندرجہ بارگذاشات کی روشنی میں یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اردو نثر و نظم کی روایات میں مزد علامت اور تمثیل و تجسیم کی بکثرت مثالیں موجود ہیں اور اس سہری زنجیر کی ایک کڑی راحت روح ہے یوں تو ہمارے یہاں رمزی، علامتی اور تمثیلی قصوں میں اخلاقی اور روحانی بصیرت پیدا کرنے والے نئے عام طور پر نکالے جاتے ہیں لیکن میری ناچیز رائے میں "سب رس" اور "راحت روح" کئی جہتوں سے اہمیت رکھنے والے رمزی قصے ہیں۔ یہ دونوں مقصود رنگ میں پیش کئے گئے ہیں۔

کائنات مادہ ہے۔ کردار نگاری میں بھی اتمام کیا گیا ہے۔ واقعات کی ترتیب بھی عمدہ ہے اور نفسانیت کی طرح سے کی گئی ہے۔ ان دونوں کتابوں میں انسانی شخصیت اور انسانی روح کے ارتقا کا ایک مکمل دور سامنے آ جاتا ہے۔ نفسیاتی تصادم اور الجھنوں کو بڑی صداقت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ جہلی بسلانات کے دھارے بھی دکھائے گئے ہیں اور بھر شعور و اخلاق کی بندشوں کو بھی پیش کیا گیا ہے۔ نیز روحانی رنجشوں کی پرواز بھی دکھلائی گئی ہے۔ یہ دونوں قصے مہناج رطابین کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ ماہرین علم النفس کے لئے نہایت حقیقت پسندانہ مطالعہ کا سامان بھی فراہم کرتے ہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ باب میں راحتِ روح پر تنقید کرتے ہوئے سب سے مقابلہ اور موازنہ کیا جائے۔

PERSONIFICATION برہی رمزیہ کی ساری سلامتی تشکیل کا دار مدار ہے اس کو اپنے بنیادی تصور کی ضرورتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے کیونکہ جب وہ جس نفا کی تعمیر کرتا ہے اور واقعات کی جس طرح تنظیم کرتا ہے وہ اس کے بنیادی خیال کے عین مطابق ہونا ضروری ہے۔ رمزیہ نگاری محض زب دستان کے سے نہیں استعمال ہوتی بلکہ اس کا مقصد تو یہ ہے کہ اگر ایک طرح انسان کے غیر زرقی یا نثر ذہن کے اس مطالبے کو پورا کرتی ہے کہ وہ مجرد محسوس کی شکل دینے سے پیدا ہونے والے اہتس کو پوری طرح برقرار رکھے۔

تشکیل اور تجسم میں مختلف زبان و ادب نے مختلف روپ اختیار کئے ہیں جن ملکوں میں دیومالا (علم الاہنم) کا رواج رہا ہے وہاں کے مصنفین کو اس طرز کے قصے کہنے میں دیومالا سے بڑی مدد ملی ہے۔ حیوانی تشبیل اور غیر مری تشبیل کو ادب میں پیش کیا گیا ہے جہاں دیوی دیوتا پر بیان دکھا جاتا ہے وہاں کے تشبیلی ادب میں دیومالا سے کام لیا گیا ہے ہندوستان میں اوصاف و جذبات کے شعبے دیوی دیوتاؤں سے وابستہ تھے مثلاً سنسکرت، ہندی ادب میں دوست کے لئے لکشمی، علم کے لئے سرسوتی، محبت کے لئے کام دیو کو تجسم کر کے کردار کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ اسی طرح دیوان اور مغربی ممالک میں بھی ایسا ہی کیا گیا ہے مثلاً فرانسس، انگریزی اور دیگر مغربی زبانوں کے ادب میں یونانی دیو مالا سے کام لیا گیا ہے جیسے حسن غمری کو حشر اور جادو پیش کرنا ہے تو دینس کو پیش کر دیا عشق کو زندہ شخصیت ہے تو کیو پڈ کے کردار پیش کر دئے لیکن مذہب، رسوم میں جو کہ صفت پرستی ممنوع ہے وہی دھرم ہے کہ تصور کشی، بت سازی و راد کاری سے بھی پرہیز کیا گیا اور علی ذریعہ دراد و ادب میں جب غیر تجسم کیفیت و صفت کو تجسم اور بدامانے کی ضرورت پیش آتی تو کھوں نے اسے تجسم تو نہ پایا مگر اس طرح کہ عشق کو عشق ہی کہیں، و حسن کو حسن۔ ظاہر ہے کہ اس طرح ان کے کردار جاندار ہوتے ہیں صنفی اور ذوق انفرادی نہیں ہوتے اسدھی روایت کے تحت انھیں دیوی دیوتا بنا کر پیش نہیں کیا گیا بلکہ ان کی فرض کر کے رکھے، صنفی، نوس اور خصوصیات و صفات سے نڈر کیا گیا ہے، اس میں زیادہ وسعت اور حقیقت کی جادری ہوتی ہے۔

موضوع کے اعتبار سے رمزیہ کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) اخلاقی رمزیہ :- وہ جس کا مقصد اخلاقی یا مذہبی مسئلہ کی وضاحت کرنا ہو جیسے جاں نہیں کی چکر مس پر دگر مس

(THE PILGRIM'S PROGRESS) اور اردو میں شکارنامہ سہر میں اور راحت روح

(۲) علمی رمزیہ :- اس رمزیہ کو کسی فکری یا علمی نکتہ کو سامان کرنے کیلئے لکھا گیا ہو اور جو اخلاقی رمزیہ کی طرح کوئی دفعہ

سماجی یا اصلاحی مقصد رکھتا ہو جیسے رمزیہ کو بعض ادبی رمزیہ بھی کہا جاسکتا ہے جیسے شیون کی داستان طلسم حیرت میں طلسم لین میں کہا جاتا ہے۔

(۳) حضرت ابی مزہ۔۔۔ یہ مرہبہ جس میں طنز و مسخرہ کی بنا پر اصل واقعات کو ایک مفرد شخص دیکر جس کا کہ جسے گریزی میں مولف کا عہدہ شاعر (A T 31) (C 1) ہے بارہا دہرائی کی شادی کرنا نہ کرنا جس جذری مدح کے سر گذشت۔

اس سے یہ ثابت ہو کہ ادب کی تقریباً تمام مرزائیوں میں نفس و مرہبہ کی رو سے موجود ہیں بات سے کہ ادب میں مرہبہ سے بڑی وسعت معنویت اور شہید ہو جاتی ہے۔ دیکر جو چاہے کہ نہ نئے نئے دوسرے خاص ایڈریس ہیں سب میں مرہبہ بھائی کیفیتیں درج ہیں تنہا ہت و ستارے جہاں درخت میں مرہبہ کے رنگ چھتے ہیں۔ ان میں میں نہ ان احساسات و جذبات تجمعات و فکریات جہاں تک پہنچتے ہیں وہاں تک کہ پوری جامعہ کے دو سے آدمی کو میں دے سکتا۔ عام محسوس و واردات و فکریات جہاں کی دنیا عجیب و غریب اور نہایت ہے عام تحریروں کو بھی دوسے طور پر پیش نہیں کیا جاتا کہ انہمازیوں کے ذریعہ ہمیشہ نفس رہیں گے نہ جہاں رکوی نہیں دھکتا اور دماغ و قوت بھی نہ اس کے سامنے پیش نہیں کی جاسکتی۔ مثلاً کاغذ معمولی سسوں دہاں ہوا ہے اور ادب غنہ معمولی شہادت و غیر معمولی وسیلہ الفاظ کی مدد سے پیش کرے کا نام ہے جس بڑے دیول کو بھی یہ قرار ہے کہ وہ اپنے کو باب صبی اور زمین کو پورے طور پر بھی پیش نہیں کر سکتے۔ کروچے جیسا کہ مرہبہ ہت بھی یہی کہت ہے۔ وہ خوش سے بھی غیظ و نفاد سے جس اسی سے کہ پیش کیا ہے وہ کہتا ہے کہ اصل شہادت کو کوئی دل اس رہتا ہے ورنہ وہ شخص صیب ہوئے ہیں۔ اس کے سوچ رہی ہیں۔ ادب و شاعری الفاظ کا بہتر سے بہتر طریقہ شعروں اور سلوب انہمازیوں سے رہتے ہیں نہ میں سے مرہبہ کھی ایک انداز اظہار ہے بغیر مرنی دنیا کو مشکل اور مرنی دنیا مرہبہ کے درجہ ہوتا ہے دیکر مادی دنیا کے حدود کو نہ مرنی بناے کا ذریعہ مرہبہ ایما ہی ہے۔ کبھی ناموں کی معنویت سے مدد مت کہ مرہبہ ہتا ہے جس صفات کو دوسری صفت میں بدل دیا جاتا ہے کبھی مادی تمثیلات سے۔ وہانی باتیں مادی جاتی ہیں کبھی عالمی زبانی حقیقت کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے دیکھی عالم حقیقت کو محض رنگ میں پیش کر دیتا ہے خود تصور، تصور و نہاں سب مرہبہ مدد میں لکھا ہے کہ جب یہ چیزیں مومنوں کو پیش کی جائیں گی تو وہ کہیں گے کہ ان کے مشاعرے دنیا میں بھی زیر تجربہ ہائیں عرض و کری بھی مرہبہ مدد میں ہیں ورنہ خدا و انوس السموات والارض ہے وہ بھی یک مرہبہ ہے ورنہ خدا کے لئے لوری مشاعرے ہی نہیں نورانی ہے اس نے آنکھوں کو دیکھا ہے آنکھوں نے سے نہیں دیکھا ہے، بہر کیف مرہبہ مدد سے لطافت، انداز، تازگی، وسعت معنویت اور بے پایاں تاثیر پیدا ہوتی ہے مرہبہ ایما سے بڑی دہیت پیدا ہو جاتی ہے۔ تازہ کاری اور تازہ خیالی اور اظہار و بیان میں نئی نئی شیں نکل جاتی ہیں۔ حسن بیان کی تکمیل سے وقت ہوتی ہے جب ہائیں مرہبہ اشارت میں بیان کی جائیں۔ روحانی نے اس کی کیسی اچھی تاویل کی ہے

خوشترک باشد ستر دلیران
گفته آمد در حدیب دیگران

مسیحیت دنگریں میں بزم چھی ہوئی ہے سہرتیں رختِ درجِ اسرار زندہ نہ دت ہے۔

دعوت کی حریف ہوئی ورنہ مزدت کو بے وقوفی کا شکار نہ بن گیا۔ اس کی تعریف میں کی جاتی ہے تاکہ اس کی خصوصیات کے معرکہ راج کو برکھیں بڑے بڑے دانشور۔

دستان سری کا تذکرہ ورنہ سب کی حتمی زندگی کی مارچ دوزخ دوسرے سے ہم آہنگ ہیں۔ کہا جاتا ہے انسان کی دلچسپی فطری اور وحشی ہے۔ وہ زوروں و ثوروں کی طرح کھوڑی برتنوں میں ملکہ مذہب سنا بھی دھتور کی طرح نصیحت کی کا شوق ہے۔ یعنی سنا مذہب ہو کر بھی سے نہیں۔ جو ہیں صورتوں کے ساتھ سے۔ یوں سے سن کر کے غی زندگی کی صورت اور کو پور کرنا ہے۔ درکہانی کو حقیقت کا مدہ پہنچا ہے۔ ذوق عظیم بنی تصنیف میں سطرچ رقم طراز ہیں "کہانی سے انسان کی دلچسپی اور اس مشغے سے س کا تذکرہ، سکی حتمی زندگی کی ایسی حقیقت ہے جسے دنیا کی زندگی اور اس کے فکر کی سطوح سے بھی پورے و ثوق کے ساتھ تبسم نہ ہے، انسان اپنی حیات حتمی کے بغیر بتدی دور میں فطرت کی جن دھتور سے نردوز، اور ہر ہر بیکار کھ سی بیکار و کشمکش میں سختی کی جن منزلوں سے گزر کر فتح و ظفر کا دوسرے۔۔۔ دیکھے کی مسرت و صل ہوئی تھی سکی رود میں اس کے سے تذکرہ کی جانتی تھی کام و دین کو سی جہشی سے سکر سکی خود مشن سے یہ جہتی دوسرے کا دیکھنا ہی کہانی کہی یہ دستان سری کا آغاز ہے۔ تھکے ہر سے انسان کو ہے سب سے دن کی ٹھکن دوسرے کیسے نظر کسی سے نیچے و جستجو ہوئی تھی تو اس کے فطری احساس بزرگی کو بھی تسک دے کے دور میں یہ صورتی سب سے خود غرض ہوئی تھی۔ کی کر کے کر۔۔۔ تو اس میں حقائق کی سختی اور تجلیں اسے نہ سب سے نہانی زندگی میں یہی روانہ کی مذہب کی تدہ ہے۔ اپنی کشمکشوں کو دہرے دور و دن کی لذتوں میں لہو مرنے کے علاوہ اس مشغے میں یک دور ٹری بات تھی کہ ساری کہانیوں ایک دوسرے کو سمجھنے اور سطرچ ایک دوسرے سے قریب آینا بھی وسیع تھیں۔ یہی دھ ہے کہ انسان کی وہ زندگی جس کا س منظر کوہ دیبیاں کی سنگست و پہاڑوں میں اس کی دستان سریوں سے گونج رہی ہے۔۔۔

کہانی دلچسپی کا ایک منفرد سے، کہانی سنا کے ن کارناموں کی روداد ہے جس میں اس نے اپنے، قول کی کسی متقدم قوت کے مقابل اگر اس پر فتوحات حاصل کی ہے۔ کہانی انسان کے احساس بزرگی کی تسکین کا ذریعہ ہے۔ کہانی حقائق کی دنیا سے دور، تجلیں، تصور اور روایت کے ایک جہان تازہ و تصویر پر ہے کہانی کا یہی تصور ہماری داستان کا بنیادی تصور ہے۔"

کہانی نے مختلف دور میں رتقی سفر طے کیا، پھر یہ دستی شکل میں پورے تب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہوئی داستان گرچہ کہانی کی طویل اور بھاری بھر کم صورت ہے لیکن دلکشی اور دلچسپی سے خالی نہیں۔ داستانوں میں قصہ کو دلچسپ بنانے کیلئے قصہ کو طوں دبا جاتا ہے تاکہ قارئین زیادہ سے زیادہ غرضے تک خبری دنیا کی سیر کر رہے رہیں۔ وق عظیم لکھتے ہیں کہ ہماری داستانوں نے کہانی
سہ داستان سے فسانے تک مشہور و قابل عظیم صفت

تخصیص راحت روح

روح جس کا دوسرا نام حیات ہے جب معرض وجود میں آیا تو فوراً سے گھر ہاں کی عید و بہت عشق
جیسے ہی نفس مت دے ہاں ہوا ہوئے لگی۔ جب حرف کی عید ہی عید سے نئے نئے سلی کے رست

دکنیات سمجھئے اور بتایا کہ اس حرف میں جوں جوں آراموں کے نام واس رہے سکیں حسب میں سار بہت آ رہے۔ نہایت حسیں و
جیل بردہ نشیں ہے اس کا نام حقیقت ہے۔ جب حقیقت کے دھماکے سے ہوا کوں کے ہوا کی آواز در دھماکوں کی جھنجھوٹی
عشق سے پہلے ہر طرح آزدی اور سمجھا یا جب روح میں حسب عداوتی رکھی ہو سے پہلے حقیقت کے جو سے یہ در جہتیں کس۔
معرفت نے دوا دل روح کی نگہوں میں سر سر سننا خن لگایا کہ حقیقت کی حقیقت یہاں ہو رہی تھی کہ ایسی تو سنی ہوں رہا آپ
میں دسما یا شعور سے جو جب درخشا حقیقت کو حقیقت جہنم سے بہت سے زندہ کے کوں راہ عداوتی کی حقیقت تکرار ہم خالی حقیقت
مشترک کے ساتھ عقل نے بن نام تاکوئے غرض کہ حصو کے تصدیق یہت مام معقول ہے در میرے نفس سے متے میں تمام مانی
فصدیشکاہ تقدیر سے پر مہر کہ پہنی کہ روح کو گر سے خوب حقیقت کی طلب صادق ہے تو میں کا حصول عالم جسمانی کی راہ سے
ہے یہی منزل گر گاہ ہے پردہ ہند کہ چاک کرنا شرط ہے در میں کے لئے دنیا میں قوت عمل در کا ہے عقل کے ساتھ حرکت کی صلاح
پر عمل کرنا ہوگا تقویٰ کی قوت سے غلبہ نہت کو در میرے۔ دنیا کی رنگینوں سے براہ جہان کوں کی راہ نہت در میں کی راہ نہت
بسم اللہ صغر شروع کر دیا مانی خیمہ مقدم کو کھڑی ہے جات ہی ہے لوی غریب و تنہا یہ۔ حقیقت تو کھڑے تھا تو ہر رنگ حیرت دہش
حادثی کرنے کی فکر میں تہہ در میرے کے عقل بھی می کا مقاصد می جو حیرت می می ہوا۔ بہتہ دنیا سے۔ باب رائی ہوا اور مشرق کا قصد۔
جب جان غریب روح لے آئے اب وہ کی طلب میں دیکھا نہت کی طرف رخ ہاں تو ہم حیرت سے ملک و سبب کی دوس
ایک پر فضا اور حسین خط دیکھا جس کا نام جسم تھا میں میں رنگ برنگ کے نغمہ تھے اس جسم کے راج دروازے اور ہر درہم دروں کے
آنکھ کا درون باصرہ کان کا سمعہ ناک کا لمس زبان کا ذائقہ پانچوں دروازے ہوا۔ دروازے ہوا۔ دروازے ہوا۔ دروازے ہوا۔
مگر میں کا در نظر آتا ہے پانچوں دروازے ظاہر کے تھے۔ می طرح اندر پانچ محل خوریاں جو اس کے تھے جب میں مزار میں عقل ہاں سکس ہوا۔
بادشاہ روح نے اپنے محل قلب میں فیہ فرمایا در تخت مسجد پر صیوہ فردہ ہوا دل کو بند را حلقہ نہت بنایا۔ ماری مادی سے سب
کو منصب عطا فرمائے عقل کو منصب و ذرت سپرد کیا اور میں کے لہ میں کو بھی ان کی صحت کے معنی میں منصب عطا فرمایا
جیسے در عقل کا پیشکار و رنائب ہوا، حافظہ کو دفتر خانہ ملا خیال کو حکام کو بسی کا عہدہ مل، و تہہ کو حدیث بخشی کی حیرت نہت
کے تحت ہوا، میں خیمہ کر دئے گئے تاکہ سب کام اپنے اپنے وقت پر ہوتے رہیں۔ مانی کوں کو یک ایک دروازہ رت کد در بہت
کے ساتھ متعین کر دیا گیا۔ سب اپنے اپنے فریضہ بحسن و خوبی انجام دینے لگے۔

کہتے ہیں کہ جب جان بہمان عزیز فدا قلب میں قدم رکھا اور لوازم بشریت کے دعوتوں کا مزہ چکھا سب سے
پہلے تو اس کے بعد عیش نے مجبور کیا۔ حنا کوں اب دلوام کا تشہم ہوتے لگا۔ فرے پر لے گئے۔ حقیقت کے ملازم جذبہ

[illegible]

[illegible]

تلخیص سہرس | شہر سیتان میں عقل نامی ایک بادشاہ تھا جس کا ایک بی فرزند تھا جس کا نام تھا میاں دوس

کے رکھ بیٹھا تھا کہ ایک مذہب سے توحید کا ذکر چھپھڑ دیا اس کی خصوصیات سن کر اس کی حسب کا شوق پیدا ہو گیا وہ اس دھرم میں دیوانہ ہو گیا۔ آخر اس کا جب سوس نظر پڑا کی تلاش میں پکا سرگرد ہو گیا۔ جس میں ایک شہر آباد تھا جس کا نام تھا بادشاہ : تو اس سے دایکس میں سے بھی اب جہت کے معنی کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ طرح طرح کی تحریکیں سمجھتا ہوا وہ پورا بادشاہ کے ذوق : ہر ایک معر شخص سے اب جہت کا پتہ پوچھ چکے تھے مگر اس سے نہ کامی ہوئی وہ اس سے کہتا تھا تو اب : ایک سرحد کوٹ : کچھ احس کا بادشاہ جہت تھا عمت سے غلامیوں کو صد دیکھ کر اب جہت کا پتہ : دیکھ دو وہ وہاں : ایک شہر میں ایک باغ ہے جس کا نام ریختہ ہے وہاں سے ریختہ میں دیکھو : ایک چشمہ ہے وہاں سے جہت میں اب جہت سے : یہاں سے بھی تپا کہ شہر دیدہ پہنچنا مشکل ہے اس سے شہر دیدہ کا جو نقطہ تک دیو قیامت ہے : کسی شہر کو دھنسنے میں تو دور قیامت سے تہرنگ سار میں رہتا ہے گردہ وہاں سے نکل جائے تو اس کا ایک صفی خط میں سے وہاں وقت وہاں سے تو اس میں مرد و عورت نظر جہت کی تمام ہریتیں اور مشورے سن کر وہ نہ بجا : ہر وقت جب وہ شہر میں ہی رہتا ہے تو اس سے کہتا ہے : قیامت کے پاس : یا گیا : قیامت نے جب پڑھکا : پوچھو : اس سے اب کوئی حرکت : قیامت : سب کو اس سے کہتا ہے : ایک سے سونانہ کے سکے کی تلاش میں تھا : جب قیامت سونانہ کے سامنے کی دھانسی : اس سے اب : عقل : وہ اس شہر دیدہ کے بار بار میں مٹی میں : وہاں پہنچا تو قیامت سے ملاقات ہوئی بہت وہ خط دیا : اس میں وہ سے چھپ کر قیامت کے شہر سے رہا : اب جب وہ ریختہ کے غلام میں پہنچا تو اس سے بہت فرحت و مسرت حاصل ہوئی : حسن انعامی حسن کی ایک سہیلی لڑکی : زلف : وہاں سے کوئی غمی : وہاں اس کی نظر میں پر پڑی تو حیرت میں آئی : جب نظر نے اپنی مصیبت سانی تو اس نے نہ کیا : وہ دوسرے کا وعدہ کیا سے گھرے گئی : جو وقت رخصت ہے کچھ : اس سے وہ کہا جب کچھ مصیبت اسے تو سے لگ پر رکھ دین : وہ اسی دم مرد کو پہنچے : تھوڑی دیر بعد پھر نظر خسار سے گھرا : اس میں پہنچ گیا وہاں کا نگہبان غمزدہ تھا غمزدہ حقیقت میں نظر کا سگا بھائی تھا لیکن بد قسمتی سے بچپن میں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے تھے : اس لیے ایک دوسرے کو پہنچنے سے نہ تھے غمزدہ نے جو غم کو گھرا : اس میں دیکھ تو اس پر دیکھ چاہتا تھا کہ اس کی نظر باز و بند پر پڑی بچپن میں : اس نے نشانی کے بے دونوں کے بازوؤں : ایک جیب سے لے لیا تھا دیکھتے ہی دونوں پھر ملے ہوئے بھائی گئے : اس کو خوب روئے پھر نظر نے اپنے حوں سائے : وہ کی غرض بتائی حسن کو بھی معلوم ہو گیا کہ غمزدہ کا پھر وہاں بھائی بہت دنوں بعد آیا ہے : غمزدہ حسن کا صاحب تھا وہ اسے حسن کے پاس لے گیا : وہ بتا : اس کا بھائی جو ہری ہے حسن بہت خوش ہوئی : حسن کے پاس ایک نہایت خوش رنگ و بیش لباس تھا اس پر ایک تصویر بنی تھی پرکھنے کو نظر کو دکھا : وہ دیکھ کر حیرن ہو : اور انکشاف کیا کہ تصویر شاہزادہ دل کی ہے : اس کا نام سنتے ہی اس پر عاشق ہو گئی : حسن نے نظر کو تنہائی میں بلا کر اپنی محبت کا راز بتایا تو نظر نے کہا کہ دل کو

لے آئے جس کی عذوبہ میں پر پڑی تو کھوں میں تسکون پھرے۔ بہت افسوس کیا اور آفت برپا کی اور پھر موتیں ہو رہی آخر غنی خدوہ
 کہ ہمارے درباری بھاری درختانی کا ہاں سننا۔ دانی سے جلدی کرنے سے منع کیا۔ وہ مسکھ کی۔ اس باب میں کہ بہتر یہی ہے کہ رستہ کے
 گھر میں مکہ کیا اس سے جہاد فرمے ہیں، اس میں فی الحال دس کو نہ رکھ جائے۔ حسن سے سب سے بوسہ اس نے اپنی سہیلی دو کو تو
 سپہ سالار تہر کی بیٹی تھی بر کر ہے دو در کھ کی داستان بہاں کی اور کہا کہ وہ دس سے ملنے کی کوئی تدبیر کرے۔ ذائقے کہا اس کے خیال
 میں ایک بات کی ہے کہ تہر میں بک باغ ہے اس میں ایک جہنم ہے۔ باغ کے پھول بیج ایک جھپٹا ہے۔ اس پھجے میں دو کالی کان کھڑیاں
 جو اب کھڑکیوں کو کھوں کے دھس ہو تو دھال کی بذت پائے۔ حسن نے عجزی و رمنت سے کہا کہ اگر وہ یہ کام کر سکتی ہے تو تہہ جلدی
 کرے۔ درادھر زلف کو کھڑ دیا کہ وہ اس سے منع کھوں سے۔ در چاہ ذوق سے باہر نکال مائے زلف دل کو چاہ ذوق سے باہر نکال
 مائی۔ تہہ میں دفا بھی پہنچی دس کو دما س رہا۔ در سمجھ یا کہ حس مجبور تھی وہ گریب نہ کرتی تو اس کی عاں کے رہے پڑے تھے حسن نے
 حقیقت میں اس کے ساتھ بڑی مروت۔ در مہربانی سے کام لیا ہے۔ عرض کہ اس طرح دس کو باتوں باتوں میں پہلایا۔ دل کو اس سے
 نکل کر باغ میں بات بہت خوش ہوا۔ بہت دلیوں کا کھکا، مذہ تھا وہیں پھولوں کی کباری میں سورہا۔ حس کو جب یہ خبر ملی وہ اسے
 خوشی کے پھوسے نہ سہائی۔ اس کے۔ اس سے گئی۔ دس کی صورت دیکھ کر حسن کا دل ہاتھ سے جتا رہا۔ دل گہری نیند سو رہا تھا۔ حسن کی
 نکھوں سے تب تسکون کے نظر سے دل کے رستہ پر گریے تو اس کی نکھ بھ گئی۔ دل کھڑ کر ٹھوٹھا، در نکھ ٹھا کو کچھ تو وہ سر ہی عام نظر
 کیا۔ بھفر ہو گیا اور محبت کے ہوس میں دوڑ کر قدموں پر گر پڑا۔ اب بگلے شکوے در رکی باقی ہوئے بگلے اس کے بعد حس نے
 کہا کہ اس کے عشق سے مین بک رہا وہ پہا بکھیر لایا با دوجا کروں کی کوئی تدبیر کرنی ہے۔

سر شام دق در آواز نے چھتے پر چھتے عشق آستہ کی نظر و حیاں در جسم چشمے پردوں کے ساتھ سرگرم کام تھے۔ حسن نے دفا
 کو ٹاکر کہا کہ حیاں نظر دیکھ سے کہے کہ دس کو در دے یہوشی پڑے در زلف سے کہو کہ دس کو، اس چھتے اس طرح سے کرتے کہ
 کسی در کو خبر نہ ہو خال نظر و جسم نے حکم کی تمس کی۔ زلف سے چھتے پر ٹھاکرے آتی۔ غرض، اس طرح روزانہ حسن دس کو بالا فہ نے
 پہلائی سے آتی اور دس کے رہا نکاشی۔ بد قسمتی سے حسن کے ساتھ رقیب کی ایک بیٹی تیسر نام کی بھی رہتی تھی۔ غیر بڑی مفید
 تھی ہمیشہ در سے دس کی جدائی کا باعث بنتی، اسی وجہ سے حسن نے کبھی سے اپنے ساتھ نہیں لایا، اسے شک ہو گیا کہ کیا بات ہے
 کہ حس دو چار دنوں سے دھت مفرہ پر کیے کہیں جاتی ہے۔ گھات میں سی۔ ہی یک روز چکے سے حسن کے چھتے پڑی، در برفانہ پر
 چکے سے یک کوئے میں چھب کر بیٹھ۔ ہی در دس سے راز سے وقف ہو گئی اور دس کے حس پر بھی فریفتہ ہو گئی۔

حسن اتفاق کہ ایک رات حسن شہر چلی گئی اور کسی وجہ سے بروقت واپس نہ آ سکی غم بوج یا کردہاں کے باد خانے پر چڑھ
 گئی جادو در کھ، در سے پن رنگ و روپ بالکل حس بھسا بن جا جس طرح حسن حکم دیتی تھی اسی طرح اس نے بھی حکم دیا۔ روئے
 ہوتی یا کہ زلف سے مائے برے آئی اسے میں خیال تو سورہا تھا ماکہ دل کو کہیں نہ لاسنت پریش ہو، اس کو تڑپ کرتے ہوئے

کی عشق کا پیغام سنایا تو عقل نے بھی یہی مناسب کہا

بھی جا چکی یہ یاد دہشت ہمشیر و مصاحب بچوں

عشق بھی میں سے بڑے عجب و عجیب

ہمہ تنہا بہ کردن کو تو کون کون سے

خوش گلے سے خرقہ عقل و عشق کے سوراخ

کے گھڑ میں پہنچے وہیں کس سے

اور اس بزرگ کی دعا سے دل و دہرہ گرد ہو بس ہوا ادب

وہ دل خضر کے فیض سے پیسے کی دکان میں تیس

ایزیت اور ایریس کے سلا

موازنہ راحت روح و سہر

در تعبیر کو بڑی ہنس سہی

قدیم بدن کا بادشاہ روح ہے اس کا دل سلطنت و

عجم کی تو نصف ہند کو

معرفت کو بے سہارا تھا

میں سب سے ایک

قلب کی فکر میں ہیں تھکتے

ستہ چھوٹے دو دو دو عشق کو

ہو درخشاں آنکھوں سے دھندلے

یہ روح کی خدمت میں رہے

سے درویش رہے درخشاں کی

موقع اگر نفس قلعہ میں چھوڑ دے

سیر ہو گیا اور سہی قلعہ میں قید کر دیا

اور تصویب کے مختلف مدد تھے

بے شک یہ ہے بے شک و شک

بے شک یہ ہے بے شک و شک

بے شک یہ ہے بے شک و شک

بے شک یہ ہے بے شک و شک

بے شک یہ ہے بے شک و شک

بے شک یہ ہے بے شک و شک

بے شک یہ ہے بے شک و شک

بے شک یہ ہے بے شک و شک

بے شک یہ ہے بے شک و شک

بے شک یہ ہے بے شک و شک

بے شک یہ ہے بے شک و شک

بے شک یہ ہے بے شک و شک

بے شک یہ ہے بے شک و شک

بے شک یہ ہے بے شک و شک

بے شک یہ ہے بے شک و شک

بے شک یہ ہے بے شک و شک

بے شک یہ ہے بے شک و شک

بے شک یہ ہے بے شک و شک

بے شک یہ ہے بے شک و شک

بے شک یہ ہے بے شک و شک

بے شک یہ ہے بے شک و شک

بے شک یہ ہے بے شک و شک

بے شک یہ ہے بے شک و شک

تمام حقیقتوں کا مشہد ہو گیا۔ روح کی تجت سے مراد

6. 11. 1941

پروانه ثبت شده در دفتر ثبت اسناد و املاک تهران

بہتر نصرت سے ڈھکی سادو، 'دور'۔

پیشکش : مولانا محمد رفیع صاحب، مدرسہ اسلامیہ، لاہور

کے پتہ - تیرپا بج سٹی اور ڈارہ غازی خان -

ہن کی خدمت پہنچتا ہے۔ صدمہ میں اس + احوال پر جانداروں کے شکر و شریف سے شرف ہو

عقل کو کھینچ کر تکیہ پر رکھنا اور اس سے بچنا۔

رسائی سنتی کی مٹی جس سے ہوتا ہے۔ جس کے ذریعہ زمین سے پانی اُٹھتا ہے اور اس پانی کو شیشے کے گلاس میں اکٹھا کیا جاتا ہے۔

کرمیہ خوش فہم رہا ہے کہ وہ ایک نیک انسان ہے اور اس کے لئے اس نے جو کچھ کرنا چاہا ہے

پہنچے دس گھنٹے پہلے ہوئے۔

عقل کا وزیرِ دہم مصلحت اندیشی سے دل کو مرنے سے باز رکھتا ہے۔

زندگانی سے نکل کر فریاد ہو جاتا ہے اور جس کو

کرتی ہے۔ غمزہ لشکر لے کر چلتا ہے لیکن اسے وہ دعا ہے کہ اس میں نہ ہو۔

غیر اور نظر کے آنے کا علم ہوتا ہے اور اس کی طاقت کا

فہرذ کے ساتھ ایک ترقی یافتہ پسر لکھتے

کو جب اس کی خبر ہوتی ہے تو وہ گہے گہے کرتے کرتے اس کی طرف سے ایک نئی بات بھیق ہے۔ میدان

کارزار گرم ہوتا ہے عشق فانی و عقل مفتوح و سب سے بڑا یہ محبوب یہ کہیں میں حس و دل میں عشق و دم

روزانہ پہلوئے اختلاط گرم ہوتا ہے۔ جس کی جھیلی سی تپتی ہوئی آواز سے دل بہتا ہے اور تب سے حقیقت کا علم ہوتا ہے

نودہ بھی ایک دن موقع پانچس کو سو رہا۔ یہ سب کچھ سن کر اس نے سوچا کہ میں کی اطلاع حسن کو دے دوں گی۔

خلط بھی کی بنا پر وہ اس کو موردِ نزہت سمجھ کر اس کی سختی رد کرتے ہیں۔ یہ تو سب سے بڑا اور بدترین جہل ہے کہ ادب کو صرف اس کے شیر کے ٹوٹ

میں فیکڈ دیتا ہے۔ غیر پھر جس سے ان کی بات ہے۔

عقل تلسٹ کھا کر بدلتا ہے۔ وہ تلسٹ جو ادا بہرہ رب تر جگر تلسٹ ۱۷۹ نوں سے شیع رہا ہے۔ ہمت تلسٹ

دوسری کلاس میں نکلتے ہیں۔ اسے ویٹس سرورس اور مخصوص پتہ ہے۔ اس کے بھی سے بچھن پارکس میں ملتا ہے۔

لی خدمت میں پہنچا ہے۔ ورنہ کسی عظیم الشان دین و مملکت کے لئے جو کچھ ضروری ہے، اس کے لئے اس کی خدمت میں پہنچا ہے۔ ورنہ کسی عظیم الشان دین و مملکت کے لئے جو کچھ ضروری ہے، اس کے لئے اس کی خدمت میں پہنچا ہے۔

دل سے رشتہ طے ہو جاتا ہے۔ عشق عقل کو زربت پیش کرتا ہے جسے عقل قبول کرتا ہے، حسن اور دل کی شادی ہو جاتی ہے۔ ایک دن چشمہ آب حیات پر خضر سے ملاقات بھی ہو جاتی ہے۔

دستاب میں فوق لفظی عن صریح وہ ہوتے ہیں اور یہی دستاب کا طرہ امتیاز ہے۔ اسی وجہ سے "سیرس" میں بھی دستابی رنگ کے وقت و سائنات جا بجا ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

آب حیات کی تلاش میں جب نظر نکلا تو وہ بہارِ وقت و پریشانیِ خسار کے گلزار میں پہنچا وہاں حسن کی مہیسی لٹ (زلف) سے مل گئی ہوئی پہلے تو جنبی کو دیکھ کر برہم ہوئی لیکن جب نظر اُٹے رو رو کر اپنی دستاب پر درستی تو اس کے حال پر ترس آیا اور رخصت کرتے وقت کچھ ماں دے دیکھ کر جب اس پر کوئی مصیبت آئے تو وہ بالِ حد سے اس بال کے جد سے ہی وہ مدد کو پہنچ جائے گی۔ جن پختہ جب رقیبت سے قید کی تو اسی ہی کے ذریعہ ہاں ہوئی۔ اس واقعہ کو وچہی کی زبان میں سنئے۔

”نظر ٹھہرا، نظر کا بوجھال، بویکا ایک رقیب ہمیں دیکھ کر بکریا بکریا اپنے گھر سے جا کر بندی خانے میں گھاپا۔۔۔ بیکار ایک رت رت سے تو اس دیس اپنے سر دے تھے اس کے ہاتھ وقت پرید چھو سو اس وقت دو وقت باہانی میں ایک دو بال سے کرمک بیگ ٹپ پر بندیا تو وہ تو پتہ دیکھتا ہے جو زلف حاضہ ہو آئی پوچھی۔ ایک ماں ہے۔ سے بھیئی۔ کیا کیا پوچھیں گی میرا حال، میں کس یوں۔۔۔ زلف ہی غلو کر ہمت مٹو کر۔۔۔ فقہار سے زلف نے دھرم کمری بہت کر مہری اس بندی خانے میں تھی بدکاری نظر کوں گئے لانی خسار کے گمراہ ہو شہر دید۔ کی بات دیکھنی کہی یتاں جا۔ پن بد عا پا۔“

ایک جگہ فوق لفظی عن صراحت تحریر ہیں

غز نے دل کے۔۔۔ اس جانے ہی جنکس میں دے سے سیفی پڑھ کر تانی شکر کو ہرن بن ڈا۔ جب دل سے شہر دید رکا سب کچھ تو جنکس میں جگہ جگہ ہرن نظر میں۔۔۔ وہ بہ سکرین ب ہو گئے۔ شکار کا شوق سر بر سو رہا جب دل کے قریب آتا تو وہ قتلچہیں بھر کے آگے نکل جاتے وچہی کی زبان میں ملاحظہ کیجئے۔

”بعد زلف نظر ہو غز شہر بدت کے ادھر چلے۔ مقصود حاصل ہوئے۔ دو نو پھوے پھیسے وئے تو شہر بدت کے نزدیک نہروک سے شکر پہ پڑ پھونک دے سے سیفی اس دعا میں تھا بہت اثر، ہر ناں کی صورت پکڑ یا سب شکر۔۔۔۔۔ جہر دیکر آئے کہ اس صحر میں ہر ناں بہت ہیں ٹھارے ٹھارے باریکیا موٹاں ہویاں ہیں شکار۔۔۔۔۔ اسے نواں توتی کا جواں تیزی بر سو رہا ہات میں سے تیر مورکات ہر ناں کے پیچھے گھوڑے کوں دیا تاؤ، یہاں پکھیں جانو دوڑی باؤ لڑکیوں ہر ناں کے، وہ ہر ناں نہ تھے تھا غز سے کا حشم۔۔۔۔۔ بھفل مور دل بھنا نہ دیکھے تو پختہ ان دونوں کوں شہر دید۔ کے نزدیک لیا نا۔“

حسن نے نظر کی معرفت ایک بہ قوت کی انگوٹھی تحفہ میں دل کو بھیجی تھی اس کی ایک خاصیت یہ تھی کہ جو کوئی اسے منہ میں رکھے

اس کا صطرب۔ سر صرف عاشق ہزار محبوب ہزار فرہاد سر مست در پہ پہ پردہ ہے دہو۔۔۔۔۔ لٹکتی ٹھکتی، جھلکتی، رخسارے کے پھل باڑی میں، اس پھولے پھل داڑی میں ناز غم، غنہ اد، حرکت دلربائی خوش فانی لطافت ایساں، چاند طلیساں سگر سہیلیاں سور مل مل، ایساں، نیسیاں چھیلیں سور مل مل، دایم تماشے دیکھتی پھرتی نہیں جا بجا، بکھیتی پھرتی۔

راحت روح میں بھی میدان نفس اور انسانی جبلتوں کو کرداری جینیت دیکر و طبع رنگ میں پیش کیا گیا ہے کبھی کبھی رمزیت و یائیت کا جام بھی معدوم ہوتا ہے۔ روح کا کردار مصنف کی، بانی سے، "قناب چوں تاب روح نے مطلع غیب سے" عام مرید طوع کیا۔ یہ بے شرع سے، دلبستگی، رہنی، اس نور چشم کا روح نام کیا وہ دنی مقام پردہ سرا سے، رو نیاز میں ناز و نعمت سے، تنکوں میں پستا تھا حفاظت کی تاکید تھی، نگہبانوں پر تہدید تھی، حکم تھا کہ حضور کبھی غائب نہ رہے جمعیت ہمیشہ پاس رہے روز بروز بزر و فضل الہی سے قوتوں کا مرتبہ بڑھتا جاتا تھا مگر روح تو دشن طبع تھا، کٹر گھبراتا تھا، تجرد کا عام تھا تنہائی کا غم تھا۔ وطن میں کسی کی نداشت تھی، حاضر میں طلب انعامش تھی۔۔۔ جب حقیقت کی حقیقت سے ماہر ہوا غیہ رخا طر کھل گیا۔ درد تنہائی کا جی و مفرح دکشا کا سر مل گیا۔ دہر کی آرزو سوئی، اوصاف کی جستجو ہوئی، عشق سے اپنے بیٹے معرفت کو بد کر اس کے قونے کی معرفت سے سے نکل کر، ورتکھوں میں سر نہ سنیں دبا خود کثمت کا پتل ہوا اور آدہ سفر ہو پھر کشش تب و تاب سے دم گاہ ہنس بیک کی عرف رخ کیا۔ دلب میں کا سکون روح نے سنت سویا پر جہوس دہا، باور دل کو دریا لطافت بنا، باطل کو منصب و رت پر نماز کیا۔ لقصہ بات وہاں پر در رعیت ہو، وکر مگستر، رکان دولت بے نظیر کا رگزار خوش تدبیر ہر ایک، اپنے کام میں چست، عقل ثابت، خوش بجا، اس درست، شہر و مریہ معمور ملک آباد حتم روشن دس خود خلق راضی رہا، نہاں پستی کی گتہ چہ ہواں، سب خدوں دہن شیریں ہمارے، بان بر خوس کا کام، رو بدارش میں نیار، باز دخم ٹھوکتے ٹنڈ پلٹے، سینہ کے پہرے پہاڑیئے، غرض حضرت جہاں بنا، فضل اللہ کے سایہ میں، اس دہاں سے سب کی، وقت گزاری تھی۔ عقل روح کا دور رہے اس کے کردار، ملاحظہ فرمائیے۔ وہ ایک شخص فریاد گاہ جس کے نبور سے ہوشمندی، جنوں سے ارجمندی، عیوں ٹھنی زبانوں پر مصلحت خوتی کو یا بے بسی کرد و چارہ ہو، روئے نوب پر نظر پڑنا، تنگوں نیک، ورفقہ و رہو، پایزہ صورت قدرتی صورت، جسم لطیف کردار، سب و گل سے صاف، شیشہ سے ریہہ شفاف، بیک نظر کو سد رہ، ہوا باغ نگاہ، ہوا نغز، ٹک صاف بے کھٹکے نکل جائے، پار کی چیز کا دھوکا ہو جسم نظر آئے، جس کے مقابل ہو دی رنگ دکھائے، چھوٹا، س، بڑھنے کے دس، مانند اس، گرد و تصویریں، آغوش منوہ طغیر نصیب کا جواں دانی میں یہ صحت مزہ تہ سندس کچھ لوگ، ورنہ صورت اس پاس سرطاب بالاکر، سر جھکا کر عرض کرنے لگا کہ عقل سمعیت شہ و بہ، مگر عام معقول و جہاں لطیف ہے، میرے نفس ہے، حضور کا تصدیق ہے

واقعہ میں نئے واقعات کے تخیل سے نکلتے ہیں۔ اس کے علاوہ دفعہ چارویں میں زیادہ تفصیل کے ساتھ ہوتی ہے۔ در
رست روح میں اجماعی رنگ میں ہے۔ بس میں فضا بندی کے معنی سمجھ کر اس کو نامہ لکھ رہی سمجھتا ہوں۔

”سہرس میں فضا بندی بہتر طور سے کی گئی ہے۔ در میں نیلی اور نیوے سے مشابہت آب حیات کے متعلق دہری سے سنئے۔
”اس آب حیات کی ایک بات ہے، یہ وہ آب جس سے جھلکی دھبہ باریک زوروں میں کئے نہیں پایا۔ آب حیات
کوں جو پئے گا دنیا میں جیونامیج کا ہے، جھلکیوں آب حیات پرانیوں و دنیوں سے عین ایک لذت دیکھ کر کچھ شب یک جہت جی۔
جس کے آب حیات میں تہ ہوئیں گے لب حیرت ہوئے گا کاشے دیکھتے محبت جب ان آب حیات سے اس آب حیات کا
رکھیا ہے لاج۔ نبی پوری سب اس آب حیات کے حقیقہ و بدنامہ میں آب حیات کی بات پر مطلق عاشق ہوئے۔“

شہر عافیت کی فضا بندی ملاحظہ کیجئے۔ نظر جب چشمہ آب حیات کی در میں جلا ہے، وہ جسے شہر عافیت میں پہچان دہاں کی
فضا بندی ملاحظہ کیجئے۔

”پھر تہ پھرتے ایک شہر میں آنا اس شہر کی تمام جہات میں کسی سہرس کیوں آتے لگتے ہیں بدھیا کہ شہر کے آس پاس نام
پھلوری تمام پھولوں کی باس۔ لوگاں سب دہاں کے دب و راتیزد۔ نیک بخت بر خود و شرب گھٹا رانیک نیت نیک کردار
پر دسی کوں سنے گئے کوں پوس کرتے ہیں۔“

نظر کو دہاں پھرتے نہ چلتا وہ گئے بڑھے و رکوہ زہر پر پہچان کا فلسفہ و تہی میں طرے کھینچتا ہے۔ ”ہاں میں دیکھا ایک
ڈونگر عظیم الشان، دسرا آسمان ہر ایک کھورے میں اس کے جہند سورج کا رنگات۔ ہر ایک تھی ٹکی میں اس پر حوں کہکشاں بجاں
کا ہاتھ میں پرانیوں ان پڑتے جس چہرہ گر پڑتے سطر میں کی ملندی پر نہیں ہتی کوئی جی تھکھاتی جوئے رہا۔ اس ڈونگر کے نزدیک
گیا دہاں کے لوگاں کو پوچھیا کہ اس جاگا کون کی کہتے ہیں، ہاں کون رہتے ہیں، وہ بوسے کہ پوڈونگر زہر و رقی کا، مشیت۔“

وہاں بھی نظر کو، بوسی ہوئی دہاں سے قصہ ہر ایک میں آیا ہمت سے دروس کی اس سے جب سطر میں سچی طب دیکھی تو
چشمہ آب حیات کا پورا پورا بتایا در تمام حیات سے گاہ کیا اس کی امداد کے سے پئے کھائی کو ایک شفا سی خط بھی دہاں آخر قیامت
کی تائید سے نظر شہر دیدار پہنچی وروہاں رخسار کا گلزار دیکھا اس کی نظر کشی دہری کی زبانی سنئے۔ ”لفصہ، رے ہزار مشقت سوں
مخت سوں شہر دیدار کوں با نظر کا جو ہوت خوش پایا اس شہر دیدار میں دیکھا رخسار باریک گلزار مگر نوری بہشت پیدا کیا ہے
پروردگار چھاڑاں ڈلیاں سب پھیلاں سوں بار پھولاں سب نادرسب، صبا سب، وند و مقبول دہاں ہر پھول چھتا۔ یا اس
پاب جو بہت عاشق دیکھ دہاں جہد کھینا، ہر پھول میں لاک طلسم لاک ڈنا۔ رنگ، اس کا کرس نکھیاں سوں ہم آغوشی باس
س کی نام و روسے بیوشی۔ طوطا سوں دعوی کرتی ہر چھاڑی ڈلی، اس نادریوں سوں بھر پاس ہے جس کی نین حالی عاشق ہو

سک، ردت کو سد کرتے ہیں۔

رحت۔ درج میں منزل رعتی بڑے، چھلے ڈھنگ سے پیش کئے گئے ہیں۔ نفس کو سیر کرنے کے بعد ردت خفیت مقامات کی سر کرتا ہے۔ در سب کی حقیقت سے آگاہ ہوتا ہے کہ حفظ فرمائیے، پتہ چلنے یک سے دشت جگر، بے تب ہیں گزرا ہوا کہ سب خشک آبدیدہ سے تر ہو۔ ممکن حررت قلب خوب جگر ہو۔ دونوں طرف یہاں ہوساک، اس میں رہزناں سفاک بیچ میں بدہ تحقیق محتاج موٹنگانی بدقین۔ موقوف رہبری توفیق گھٹ میں قلعہ عطلیق۔ رطلے کبر کے یقیناً کرا مرحد ہے، بطلان نامیہ بیابان پر بڑبڑا۔ میں طرف رت سورس میں کے دشمن فہم سے مخزن حور ہرک کا جہد گاندہ وضع مختلف در دہنی طرف بہتر ڈ کو عت چنگ۔ فوں دہل کو کہ ب س ہل اصنام۔ کہتے ہیں قدر و جہد غزن نام وغیرہ نام رکھتے ہیں۔ مسند تقدیر پر اس طرح روشنی ڈی گئی ت۔ دور مسند تقدیر میں بھی بحث و فکر سے حذر ہے کہ وہ معاملہ سر رضاء قدر ہے جساکہ نفس عالم محسوسات میں رہزنا ہے عقل معقولات میں رہزنا ہے نفس مخلوق جسمی پر مجنوں در عقل بذات علمی بر مغنوں۔ نفس کا وہاں بھٹکاؤ در عقل کو ہماں ٹکاؤ نفس وہاں فہم بردار در عقل ہماں حمد سار۔

یک جڈ تصوف کے۔ سرو کے متعلق ضرورت کیچھوٹک سیوف سے گڑا ہوا ہو گا۔ ہمارا ہا خود پسندی اور خود رنی سے ہریت فساد میں مبتلا۔ پن ۶۲ یعنی گردن پر سے کسبوں میں دکھوں دے۔ جو کتب و صنف سے دور ہو گئے تھے اسے رطل پل پر مغرور ہو گئے تھے خوش خبری ہے اُن کو جو ۱۰۱۰ ہرست سے جیب درست نہ پڑھے۔

دوسری جگہ ردت تصوف کا روشن رخ ملاحظہ ہو لکھتے ہیں، ”جب کوئی سوک حریقت صبر کرے چاہے شریعت میں قدم گاہ درست در قدم ستور کرے کہ شریعت کی برکت سے، وہ حریقت کھتی ہے در جب قدم بقدم نیاز بر ترک دعویٰ سبک حریقت ہو رفتہ رفتہ حقیقت کھلتی ہے شریعت بمنزلہ جسم در حریقت بٹ بڑوں در حقیقت منس جہان ہے جان تین مزوں سے سلامت گزرا معرفت کا میدان ہے۔ موقوفہ مقدمات حریقت ہے اس پر جماع ہل حقیقت ہے۔“

دونوں کتابوں میں ماسبقیات در مذکورہ صنفی مقام کو پیش کیا گیا ہے اور اس حقیقت کو تسلیم کیا گیا ہے کہ عقل در علی میدان کے درمیان جنگ ہوتی ہی ہے۔ لیکن علی اور ترقی پذیر شخصیت کی تعمیران مقدم میلانات کے درمیان صلح اور توازن ہی میں مضمر ہے۔

دونوں کی طرز نگارش بنیادی طور پر مقلدی ہے۔ ہٹاپنے۔ دونوں کے اسباب سے فصاحت و بلاغت کا بھی ہتمام کیا گیا ہے لیکن چونکہ احتیاج ہمارے زمانے سے قریب کی تصنیف ہے ہذا اس میں معذری ردوزوں کا ہتمام ہے۔ اور سیر میں دکنی زبان کا انتظام۔ اس کے علاوہ سیر میں جا بجا ہندی دوہرے، بہت، فرد فارسی ضرب لاشن حدیث شریف اور عربی لغت، رحت درج مرتبہ راقم، بحروف صلیک ۱۴۵ یفا ۱۴۶ ۱۴۷ ایضا صلیک ۱۴۸ ایضا صلیک ۱۴۹

شراب بہاں بھی جیت گئے ہیں۔ رحت روح میں بھی دہری درود کے سوا دوسری چیز کی جتنی حد تک مدد سے
جسے شراب لاشار کثرت سے پاتے جاتے ہیں۔ فیہ کی بات بہت دوسری میں بہاں کسی ایک چیز کا ذکر نہ کرنا ہوتا ہے کہ
ایک شاعر کا خیال یہ ہے کہ اس نکتہ کا تفصیلی ذکر شروع ہو جاتا ہے۔ اس طرح سبب میں کئی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور ہم
کی ٹوٹی ہوئی دنیا کے تسلسل کو صدمہ پہنچتا ہے۔ رحت روح میں یہ کئی رحمتیں ہیں۔

میں سب پہلے عرض کیا کہ ستر میں سرچیز کا تفصیلی ذکر کچھ اس طرح ہوتا ہے کہ اس میں نقش یہ ہوتا ہے کہ نہ
پنہ دو موعظت کے دفتر ہیں۔ دیکھتے ہیں جب وعظ و نصیحت کی باتیں زیادہ ہو جائیں تو نقصان عطف کر ہوتا ہے۔ عفو و عفو کی
وجہ سے کچھ پیدا ہوتی ہے۔ غور فرمائیے کہ قصہ میں عسل کا نام آیا تو اس کی خصوصیت میں صفحہ صفر کے صفحہ ایک کے ساتھ درج
کی شرب نوشی کا ذکر، تو شراب کی عفو کے لہذا نہ ہو دے۔ شراب کے دھات کوئی سے ڈھنگ سے مشرب کر کے اس کے
صورت بد کی۔ شراب کی تحریف و تہو کی زانی سے شراب معشوق کا مشابہ۔ ایک حسن کو جس کا کھنڈا کھنڈا کوں ہے۔
جلوئی مانتا ہے۔ شراب ہوتا ہے بھلا۔ شراب اس میں سور معشوق کے دل کے شک و گمان۔ سب دوروں میں نصیب ہو جاتا ہے۔
کرنا۔ شراب پئے۔ کھینچیں دل میں کچھ عفو ہیں جتنا شراب پئے بعد از وقت میں چھت دیا۔ عفو تو شراب میں بہاں چھ
تو عفو کے نئے دنیا سب شراب شراب ہرگز غم کو سے نہ دتا شراب خوشی کوں میں پاتے جاتے ہیں۔ شراب میں بہاں
سنگاتی جہاں شراب وہاں عشرت آتی، دل کی تباہی کی باقی۔ اس بکرتا حد۔ شراب بہت دھات و عفو میں جس طرح شراب
آوے اس گھر میں محنت کیوں رہنے پڑے۔ اگر سنگ ہے غم کو اسے تو شراب ہے۔ شراب بہاں ہے عفو کے باب کا شراب
ہادی ہے اس گھات کا۔ شراب بہاں بزم یا شرابی شراب سے عفو کا یہی عسل و عفو میں سے ستر کی عمل سے ملو کر
دیتا ہے۔

رحت روح میں یہ طوالت میں ہے۔ راجح جب عدم وجود میں آیا اور عشق سے جب حقیقت ہو سو پڑھا۔ باؤس کے
دھال کی طلب ہوئی سی وقت اس کی بہت میں تہم مایہ صدمہ یا مے کر میں گاہ عفو سے آتا ہے۔ در عرض کرتا ہے وہ عفو
فرمایا ہے۔ تہم مایہ قاصد خوش خرامان مرد یا م لبر آیا۔ پیش گاہ تقدیر سے عمدہ کار کردہ کی کا فرمان دیا۔ ... کہاں عفو و عفو
سے تہم مایہ دس گرمی سے نوشہ مفسوم ہوا۔ یا در پیغم زبانی بھی گوش گزیر کہ سے غرق تہا طلب ہیں دریا میں
تہا لب اگر تو طلب حبیب ہے تو وہ تجھ سے زیادہ ترے عزیز ہے۔ اگر تہا ہے ہندو سے آنکھوں کا پردہ ڈالنا ہے۔ تہا گاہ
دیدہ کا بالائے۔ غالب سے

انہی ہم کو اپنی حقیقت سے بعد ہے

جس کہ ہم عمر سے ہوا ہے۔ تاب میں

علاہ میر میں مرتبہ: الکثر بعد الحی ص ۲۸-۲۹

فہم اس پر دے گا سب دستیاری فعل کے محول و فعل کا ہاتھ آنا بالفعل اشکال کہ وہ عالم، جسم، اعضاء کی قوت سے حاصل ہوگا اور جب تو کہیں کام کے ذیل ہوگا کہ ہوش سنبھالے گا، ہاتھ پاؤں نکالے گا، خلق خدا کا تو سرتاج ہے۔ لیکن کسب کمال کا محتاج ہے اگرچہ مضمون انت احسن کل شئی خفۃ عموماً ہر چیز کے بہتر ہونے کا بیان ہے مگر مفہوم اپنی فطرت کے علی العلم من سے خصوصاً برتری بڑا سب برعلا ہے لہذا کس منابہی ادم قطعہ تیرے اکرم کا اپنی جاعل فی الارض خلیفۃ طغر تیرے حکام کا۔
 قل امرت انکم بنی مکہ سرے، مکہ۔ لیکن تخم کے سینے پر جب تک زمین کا غبار، خاک کا بار، سخت نہ ہو کہاں کو خاک نہ پہنچے،
 درخت نہ سو۔۔۔ جس چیز کا شوق تجھ پر غالب ہے، درجس معنی کا تو طالب ہے عالم جمہانی ہو کے اُس کی راہ ہے یہی منزل
 گزرا ہے تو خدایہ ملک میں جا کر نہاں ہوگا تو طال ہے گردشوں میں اگر بہر کہاں ہوگا یہ

مفہمی: راجع عبارت سے ہوں تو سب اس کی تنظیم درجہ تب ہے لیکن یہاں مفہمی عبارت کی تشکیں عجیب ہے۔ جب نظر نے
 شہر کی دکھائی دے مسرت یا حسن اس تصویر پر سوجاں سے فریفتہ ہو گئی۔ اب اس عشق کی تعریف و تجوی کی زبان سے سنئے
 عشق نہ زلف تو، عشق نہ غنچہ رونا، عشق پنے رنگ میں اپنی کھلتا، عشق میں پر آپی بہت۔ عشق کے چائے کون
 منہ لائے عشق چند، عشق بھان، عشق دین، عشق بھان، عشق حاکم عشق سلطان، عشق تی روشن زمین، عشق تی روشن
 سماں عشق تی روشن مرد و جہاں عشق تی، عشق مفہمی نے پکڑی نہیں، عشق روشن سب میں بھر پور ہے،
 راحت روح کی عجزیت بھی مفہمی و مستح ہے لیکن اس میں سچیدگی، مکرر و طوالت نہیں۔ روح اور اس کے رفقاء
 کا رہنا لے کر ہے سب در حد فرما ہے ”موس ہائے دے دم تھراے لگے دستور اگر آگاہ تھا دم شمشیر جاوے رہا تھا، دریائے
 تہیں در شور و جوش سے جو جس سے رہا تھا تہوں کی زمان سے داہن لعل دے رہا تھا، اس کی لہر خد کا قہر اس کا ہر
 علم خفہ ہا بھرا، کشتی نہ بہا بہر ہونے کے اسباب مہدم کیا لانا معلوم، اس پر نسل خط ہو ہوم، یک یل تھا باریک، نہایت
 تاریک نام آرا، سر اسرین مت، رستہ نامور کہیں چڑھا، و کہیں اوتار برسوں کی اوتار برسوں کی راہ ہوش ربا جہانگاہ،
 براہم جیسے دے، اس پر سے دھم دھم گرتے تھے و طوفان طلائیم میں دھرو دھرو زور مارے پھرتے تھے۔“

”گلزار سرور“ در رات روح ”دونوں رمزی و ایمانی داستانیں ہیں۔ ان میں بہت سی مشابہتیں پائی جاتی ہیں۔
 کچھ عبارت بھی ہے جس کا جستہ جاستہ بیان پیش کیا جاتا ہے۔

گلزار سرور: تالیف از حاج علی بیگ سرور، حدیثی العشاق مصنف ملا محمد راضی، بن محمد تفتیح تبریزی کا ترجمہ ہے۔
 حدیثی العشاق فی ذہبی نہیں یک رمزیہ امامت ہے جو بارہ سو تشرین و تہجری میں مطبع مصطفائی کانپور میں زیور طبع سے آراستہ
 ہوئی۔ صلی سگ سرور سے آراستہ، اس کا ترجمہ اپنے خاص رنگ و رطریز میں کیا، اور گلزار سرور کے نام سے موسوم کیا۔ یہ

میں شکر میں اور غصہ میں تھا۔ ہمت مند و جانفانی تھا۔ شعور حساب شکر اور غصہ و ہمت میں۔ شمع گوتے پر دار،
 شوق زبانی شکر کی جہری میں اور ہمت سے ہمت جمع کر کے۔ بجز و ضرر کو صبح و شام، اور یہ وہم کو بخشش کی طبع سے کر
 ہمت افزائی کا کام ملا۔

دوسری جانب عشق کی فوجیں بھی صف کر گئیں۔ غیرت میمنہ میں حیرت میسرہ میں شوق مہرہ شکر میں محنت ہمارے
 میں۔ محبت سو روں کا سپہ سالار، شکر پادوں کا سردار، عشق قلب میں، حزن، علم، بلا، اندم، ناگامی، اضطراب، بے سرائجامی،
 مسقت پریشان، مریخت میں رہانی مدد میں، فذل خرمائی میں تاسف سو رہیدوں کو بڑھانے گھٹانے میں بیباک۔
 اس کو لوہے کا جہد ملا، غصہ کہ جس طرح صف ترتیب دی گئی اور کام تقسیم کئے گئے۔ پہلے قہر اور شوق کا مقابلہ ہوا جس میں قہر
 شکست کھا کر فرار ہو گیا۔ راج کو صدمہ ہو گیا۔ اس نے اسے دیر عقل و فرزندوں کو دیا اور مشورہ طلب کیا۔ کوئی تدبیر نہ تھی
 تھی۔ دل جب جہاں سے رخصت ہو کر بستر رست پر دراز ہو تو دل کے خادم خاص ہوتے تھے کہ یہ یا کہ وہ شکر عشق کی
 درگاہ سے آئے۔ یہ وہاں اس نے غیب نقشہ دیکھا تھا۔ خیموں کا جائزہ دیتے ہوئے ایک خیمہ کے پاس پہنچا یہاں مجلس نشاء آرا
 تھی۔ رقص و سرود کا بھی منظم تھا۔ ناگہ ایک قیامت غیر، فتنہ، لگیں، سرپاں زونیا، زمیاء بردوش حسن کی دیوئی جس کا نام بھی
 حسن تھا، سرگرم گفت و گو تھی اس کے جیوں میں عشوہ، غم، کشتہ و جہد، جہاد، ہاش تھے۔ قہر کو کہاں کہ دل فرزند روح کو اس کا سلام
 شوق کہن، ورسی۔ کسی طرح سے یہاں سے، نا۔ دل کے در میں شتیاق پیدا ہو گیا۔ اس حسن، ہوش کے بارے میں دریافت کی
 تو ہوش سے تباہ کہ وہ نہنت و عشق کی دختر یک حشر ہے۔ اس وقہ کو سن کر غید چاٹ ہو گئی۔

دوسری بار بعد کار زار گرم ہوا عشق کی جانب سے عیت اور روح کی طرف سے شعور مقابلے کے آئے۔ تہور کو شکست
 ہوئی۔ دل پریشان حال خیمے میں آیا اور ہوش کو بد فرمایا۔ ہوش سے شب گزشتہ کے وفات پر افسوس کیا کر رہا تھا کہ جذبہ حاضر
 قدم ہو گیا۔ حسن کا پیام دعوت دیا۔ دل و منتظر ہی تھا دعوت قبول کر کے جد سے ملے۔ ساتھ بولیا۔ جب وہاں پہنچا تو سب سے پہلے
 میری مت قہر سے حاضر عزت کی در حسن کا سلام شوق کیا۔ اسی اثنا میں حسن نے لفظ کو بلا کر کچھ سمجھایا۔ تغافل کے آئے ہی تہر ہٹ
 گئی۔ اسی اثنا میں تھا قاتل کا جان نثار خادم عروہ دھڑ پھینچا۔ وہ دل کو کچھ کر حیرت میں آیا پھر دل کو لشیب و فرزند سمجھا کر واپس
 لے آیا دل کو بھی ہوش آیا۔

تیسری بار جنگ شروع ہوئی۔ عشق کی طرف سے حیرت اور روح کی طرف سے شعور مقابلے کے لئے جنگ کے میدان میں آئے
 شعور مجروح ہو گیا۔ رات آئے ہی جنگ بند ہو گئی۔ دل پیارہ غلگین و او داس اپنے بیت الحزن میں آیا۔ وقت کو بلا کر اپنی پوری
 سرگزشت سذنی طاقت سے بچے غمگساری و چارہ سازی کے اسے نصیحتیں کیں پھر قہر نے اپنے ہمدرد زرد کو بلایا اسے طاقت
 کی سب اعتدالی پان کی۔ مختصر یہ کہ تم شب و آرزو کے ساتھ سرگرم غمگور ہو۔ دھڑ شہزادی حسن بھی اسے ہم غصیوں کے ساتھ

ٹھکی ہوئی و معات گزشتہ پر خیاں کرئی کر رہی تھی کہ اس کا ہاں سے ملے جانا تھا نہیں و رہا س کا تا بھی نہیں تھے میں
 حسن کی تک ہوشیار و یہ فریب نامی سے ہر کہ گزس کے ساتھ جہاں کو کہا جاتا ہے وہ کسی کسی طرح اس کو جتنے سے پر
 سے آئے گی۔ آخر جب فریب خیال کو پیکر شہزادہ دل کی فہمت میں آئی، اور عرض بردار ہوئی کہ تہذیبی حسن کو جب سے معلوم ہو
 کہ اب کس چین کے پھول ہیں وہ بہت ہنسناں و رادد میں ہے و رادد میں حسن وصال سے منتظر رہے و دل نے یہ سستے ہی
 شکوہ و شکایت کا دفتر کھولا۔ فریب نے وعدہ کیا کہ وہ ب صورت فہم میں پہنچے دے گی جس سے حسن کی تصویر کھچولی۔ آئے
 جب حسن کی تصویر دیکھی ہر جان سے فریفتہ ہو گیا۔ اور نہ دونوں کے ساتھ ہی رہا نہ ہو گیا۔ جب حسن کے رنگہ میں پہنچا تو انہوں نے
 جانتے نہ دی مجبور فریب نے سے نفقہ کے مکان پر ٹھہرا۔ اس فرق حسن میں بے چین تھا۔ دھڑک رہا تھا اور وہ حسن
 اور روح کو ان حالات کی کوئی خبر نہ تھی۔

پونجی یا عشق کی جانب سے پریشانی و رواج کی طرف سے جمعیت نہ دتا ہوئے۔ جمیست کو شکست ہوئی جب دونوں
 و جس۔ اس کے وقت اپنی اپنی نگاہیں تو رواج پریشان تھیں۔ یہاں سبب کو بڑا کر مشورہ کیا۔ بھگت ہے مزدوں کو۔ و
 کہ کسی نے مجلس میں کہا کہ عشق کے لشکر میں ایک حبیب ہوئے ہے اس کے۔ مہجرت۔ اس سے و رہا وہ نہ کرشمہ کے
 زنداں میں مقید ہے۔ یہ سن کر رواج اور بھی منظر در بریشان ہو۔ اب، دھڑک رہا تھا۔ اس نے رات بوقت و رنج
 کے ساتھ لہر کی حسن ایک حسن پری و ش و عمدہ، حق کو دل کے لئے کو بھی۔ جب وہ سے بھر چکی تو منتظر رہے منتظر و
 مہربانی کا سلوک کیا و رہا کے سیر گزشتہ کی۔ رچہ دن بعد سے صدمہ و محبوب پر پہنچا جانتا تھا ایک موت سے بھڑک رہا۔ بھڑکی
 ہی درمیں جانت نام کی خدشاں و رہا سے باہر بی کا مژدہ مٹا۔ دونوں باغ کی طرف چھے۔ جب قیام گاہ کے درمیں پہنچے
 تو دیکھا کہ در پہ کھدا ہے جس میں حسن کھڑی منتظر۔ دھکی میں نے محب مدد سے دیکھا شکوہ و شکایت کا دفتر کھولا۔ مزدوں میں
 بائیں ہو رہی تھیں کہ انہوں نے دونوں کو بدن حالی سے ڈرایا، اور یہ حسین محبت فرق سے بدن گئے دل فریشان فرق میں جا پڑا۔

پانچویں مرتبہ عشق کی جانب سے ضعف و رواج کی طرف سے قوت زور۔ زمانی کے لئے میدان میں آئے۔ قوت کو شکست
 ہوئی۔ رواج گھبرا یا عقل کو طلب کیا دل کی گرفتاری کے صدمہ جانتا تھا کہ بھی تذکرہ کی عقل نے تسلی دی و عرض کیا کہ حضور کے
 پاس حید و مگر نام کے دو جہاں نثار سے ہیں جن کے ذریعہ شکر عشق میں شیخوں، رگزدوں کو رو کیا جاسکتا ہے۔ جہاں پناہ کو یہ
 مشورہ پسند آیا اور حکم کے بموجب حید ملکہ حسن کے مکان پر پہنچی وہاں سے معلوم ہوا کہ اس باغ میں دو تین دنوں سے مقیم ہے۔
 جیلہ لے وہاں دل کو فرق حسن میں دیوانہ و دیکھا۔ کسی طرح اسے سمجھا، کچھ کر خموش کیا و اس سے وعدہ کیا کہ وہ حسن کے وصال
 سے ضرور شاد کام کرادے گا پھر وہ کندہ کے ذریعہ محل میں داخل ہوا۔ حسن کو چو خوب دیکھا دوسرا پہنچی کے ذریعہ پہنچ کر کے
 اٹھا کر باغ میں لے گیا۔ سے پشتارہ میں رکھا اور دن کو ساتھ لیکر شکر و راج کی طرف روانہ ہو۔ دھڑک رہا تھا کی شکست بہم سے

سید یہ غم و درد نہ سہا۔ یہ غفلت میں دہمن شیخوں مار دے اس سے وہ کچھ مٹی فنیوں کے ساتھ دوئے محلی میں گشت کر رہا تھا۔ دونوں پر شہت و حسن کی نظر پڑی دونوں گرفتار کر لئے گئے اس کے سینہ سے برہمی نظر پڑی اس کے۔ اسے میں دیانت کا ذریعہ سے تہذیب میں دکھانے کا وعدہ کیا اور تہذیب میں بادشاہ کے سامنے فرمایا کہ اس پشیمان سے میں حسن ہے اور اس کے رفیق و روح کا فرزندوں ہے جسٹ سے تدریس کام لیکر ورد اور جید کو قتل سے اسے زندان فراموش میں مقید کر دیا۔

تھی، رستہ عشق کی طرف سے اس کا حقیقی بھائی محبت درج کی جانب سے اس کا شیر اور ہر دور ہمیشہ تمنا مقابلی کے سے ملا دونوں میں مقید ہو، اور محبت کی فتح ہوئی۔ اس شکست سے روح چور چور ہو، غصہ ہی مدتوں ہو گیا روح کو جسد کی برقراری کی بھی طبع علی۔

اب اس عشق کی طرف سے محنت اور روح کی جانب سے رحت مقابلی کو نیچے رحت کا قلع قمع ہو گیا روح کو اس شکست کا صدمہ اس ہو اور اس نے دوسرے دن خود مقاد سے کو جانے کی خواہش ظاہر کی لیکن دونوں کے درمیان سے پہلے خود کو پیش کیا۔ روح کی طرف سے عقل و عشق کی طرف سے جنوں مقابلی کو نیچے۔ خوب خوب چابکدستی دکھائی آخر عقل کو جنوں نے گرفت کر لیا اور سے بھی زندان فراموش میں مقید کر دیا۔ روح بیچارہ اس شکست سے تباہ ہو اس کو کہہ دینی میں جا کر سوچتا رہا۔ رت کے آخر حصہ میں عشق کا فرستادہ حاضر خدمت ہوا، در شہنشاہ عشق کا پیغام سنایا کہ گرن دونوں بہشتوں میں مقید ہو جائے تو خلق خدا تباہی سے محفوظ ہے۔ دوسری صورت سکون کی یہ ہے کہ عشق کی طاعت قبول کی جائے روح نے مقابلی ہی کو اپنے نمایاں نشان سمجھا۔ اب وہ دھڑکے سے سینے دل کو جب گرفتار کر کے زندان فراموش میں مقید کر دیا گیا تو حسن فریق و ہجر کی گھڑیاں گنگنے لگی۔ سکون دل کے لئے ایک دن حسن نے اپنی رازد و فریب سے اپنی محبت کا نذر رکھا درہا کہوں اس کی جنت ہی کے سبب ستے مقید و ترم میں جتا ہے اس لئے ہمدردی لازم ہے۔ اس کو پہا پیام دھڑکے کر بھیجا جس میں تحریر تھا کہ وہ اس کے نام میں برابر کی شریک ہے جیل کے اس کی تسلی اور تشفی بھی کی۔

اب روح و عشق کے مقابلی کی باری تھی دونوں نے اپنے اپنے جوہر دکھائے آخر میں عشق نے روح کو سیر کر لیا۔ تمام فخران کو اس کو گرم سے ملا۔ ایک سوید میں روح کو و عقل کو دماغ میں مقید کر دیا۔ ورنہ دونوں کی حفاظت، و دید بانی کا کام نظر کو سونپا گیا۔ روح کو غربت میں وطن کی یاد ست نے لگی۔ دیار روحانیوں کی یاد سے اسے اور پریشان کر ڈالا۔

عشق کا قلعہ دیار دوستی کو چھوڑا۔ زندان فراموش میں جو لوگ مقید تھے ان کو ساتھ ہی۔ دن، جتہ و تمنا کا قلعہ پابز بھر جتا رہا۔ حسب کسی طرح دن، و رت قید میں گزرتے چلے، ہوس جوہر کا قدیم نمک تو تھا شکست کے بعد عشق کے شکاریں آکر رہا۔ فراموش کا بہتہ لگا معلوم ہو کہ فائدہ دیار دوستی روانہ ہو گیا، جارت ارادہ اور اختیار دبار دوستی میں اس کے رفیق تھے اس کے دل کی رہائی اس مدد چاہی آخر سطرے، یا کہ مروت کو شہنشاہ عشق کے مزاج میں برادخل ہے۔ اس نے مروت کو تیار

سے آگاہ کہ۔ میں موقعِ یمن سے ذوق کی نصیحت یا دلدلی۔ مقصد یہ ہے کہ وہ حقیقت کو دیکھ کر کھڑے ہوئے سوچ
 دہ نر میں پہنچے دریافت کرے پر معلوم ہو کہ صحرائے سوگ یہی ہے منشب و فرز میں شک و شبہ کا رعب کا ہے۔ یہاں کے بارود
 کھاتے ہیں نہ سوتے ہیں لکڑی۔ وہ صحرائے سوگ میں سرگرداں رہتے بھر بھی منزل مقصود کا نشان نہ ملتا۔ دل کے پانوں میں چھائے پڑ گئے چلنے کی
 طاقت نہ رہی صبر نے جواب دیا۔ دس سے ہمت سے کہا کہ اب دیر دوستی ہی کو واپس ہو جانا چاہئے۔ ہمت نے ہمت بڑھائی اور اس
 دیا وہ بھی یا کہ اس۔ وہ کے ملک خوب و خور ترک کرتے ہیں بلکہ چندہ سوگ میں رہن چاہئے۔ بعدِ جد و جہد ریاضت کے مکان میں
 پہنچے وہاں ملک مد کا ل پر نظر پڑی جس نے یہ نام رہا قسرت بتا جب دس کے اندر وارفتگی اور سچی طلب دیکھی تو اس کا نام پوچھا
 دس نے پنی دستار پر درد سنا لی اور کہا کہ حسن کے دیدار و دھماکے سے یہاں لایا ہے۔ یہ قسرت نے حسن کی قسرت
 دریافت کی دس نے اس کی طرف سے کیفیت بیان کی تو اس نے کہا کہ وہ یہاں ایک زمانے سے ہے۔ یہاں س کا علم ہیں۔ اس
 کہ وہ جتنا ہے کہ ایک صاحب جہاں جی حسن حقیقی وایت حقیقت کی حکمران ہے اگر کسی حقیقی کا طالب ہے تو شرط ہے کہ
 سفر حقیقت کی زاد رت رکھے۔ دیا حقیقت کی رسی کے لئے پہلے یہاں گوشہ نشینی اختیار کرنی ہوگی۔ جو دھوس سے کہ کسی
 بھی ضروری ہے یہ کام ریاضت ہی کے بعد دل خانے میں ہو سکتا ہے۔ یہاں میں بہتر ہے گمراہ کرنے دے بھی ہیں۔ ایک جمع
 وہ بہکا تا ہے دو ہر شہوت وہ رکاوٹ ڈالت ہے تیسرا زیادہ س لک کو پھنس تا ہے۔ حرص جس جیسے شہوت پر کھا ہاں
 ہیں۔ ریاضت سے بھر میں سے محفوظ رہنے کی ترکیب بھی بتائی کہ اسے پہلے علم کی صحبت اور بعد ازاں کی خدمت میں رہنا چاہئے۔
 عفت اور صلاح سے بھی رشتہ استوار قنوت اور عزت سے شناسائی، تقویٰ اور پرہیزگاری سے قربت رہے۔ یہ بنیاد کہ زہد
 و رویشگی سے مجبور نہ ہونا دس نے یہ نصیحت کی سب نصیحتوں کو بغور سنا اور جہاد نفس پر کمر باندھی اور ان نام کو اپنا رہنما یا شہوت
 طمع و دنیا کی باتوں میں نہ آیا۔ ریاضت اور جہاد نفس میں کامل ہوا قوت بھی کو زیر کیا۔ پھر تو حسن حقیقی کا جلوہ دیکھنے کی خواہش انگوٹوں
 میں آئی۔ تعلقات جہانی سے منہ موڑا۔ ماسوی کا خیال چھوڑا۔ تصفیہ باطنی کا مصمم ارادہ کیا۔ جس دم۔ ریاضت نے اسے راہِ غسل
 میں نامت قدم پایا سے منزل مقصود کا رستہ بتا کر رخصت کیا۔ دل شہر حقیقت کی طرف چل پڑا۔ ایک مدت کے بعد ایک بہاں سرا
 نظر آیا وہاں عجب و کثرت نے اسے آگے بڑھنے سے روکا۔ دل نے ان کا فتنہ دہیں کر دیا۔ پھر آگے بڑھا تو گہرا ٹیکر انظر یا اس کا
 بھی نقشہ ڈھایا۔ وہاں سے آگے بڑھا تو شک و شبہ کی منزل آئی اسے بھی یقین کے پاؤں سے روند ڈالا اس سے آگے ایک
 پہاڑ نظر آیا اس پر چڑھا تو ٹھگ گیا بیٹھا سستا رہا تھا کہ ناگاہ ایک مرد بزرگ کو دیکھا دل نے بعد حرام اسے سد کیا اور
 اس پہاڑ کا نام دریافت کیا اور اس مرد ضعیف کی تعریف بھی پوچھی۔ اس مرد نے اس پہاڑ کو جبلِ تحمل بتایا۔ اس جگہ کو مقامِ رضا
 اور پناہ نام خلاص بتایا مزید یہ بھی بتایا کہ وہ اس وادی حقیقت کے راہرو کو تجربہ کی کسوٹی پر کستا ہے۔ دل نے پھر لوچھا کہ
 دیا حقیقت یہاں سے کتنے دنوں کی راہ ہے۔ وہاں حسن کی ملاقات کیسے ممکن ہے۔ خلاص سے جواب دیا کہ مرحلہ حقیقت

کی انتہا نہیں اور بزمِ حسن میں کسی کا بخت رہا نہیں ہے جس نے اس رہ میں پائے صوبہ نیار سے رکھ دہ وہ پہنچے گی۔ اور جو وہ تسلیم و رضا سے دور ہیں وہ نہیں پہنچ سکتے۔ لیکن جب خدا جس نے اس کی یہ کیفیت دیکھی تو اس کا سبب پوچھا۔ دل سے سب کچھ کہہ سنایا۔ خلاص نے قصہ پروردگار سن کر کہا کہ اگر طلبِ صادق ہے تو کامیابی یقینی ہے۔ پھر بتایا کہ اس پہلو کو جو جس نے اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے بہرہ دہ کے جیتے ہیں۔ لیکن ان نہیں کرتے۔ دل سے خلاص کی حالت قبول کی درجے سے کر کے پھر وہاں سے آگے بڑھا اور جنگل کی رہ لی۔

دل مرعز اور خدا میں ایک حصے تک تو مشاعرہ حقیقت فرما کر بتا رہا تھا کہ کب تو کل پر سوار ہو کر غلہ حصارِ قناعت در سیم کو سونپا اور کوہِ تحمل کو طے کیا۔ ایک جیسے کے بہرہ سے گزر تو اس پر ایک چھوٹا سا پل دیکھا۔ اس میں خطرات کے حس تو بہت ہوئے لیکن خدا کا نام لے کر اس پل کو طے کیا۔ سامنے پہاڑ نظر آیا تو معلوم ہوا کہ کوہِ مستی ہے۔ اس سے جو اس کی بلندی دیکھی پہلے تو گھبرایا اور کسی طرح قدم آگے بڑھایا۔ جذبی قدم آگے بھر بیستی تھا وہ جس کو بحقیقت کی تلاش میں تھا اس کو بحقیقت کا صدفِ قنات نام کے دریا میں تھا۔ جب دل معصوم ہو کر منزلِ مرصدِ حسنی سے نکل گیا تو وہ بحرِ حسنی کے کنارے پہنچا اس بحرِ حصار کو دیکھ کر ہمت تو مٹی نظر آئی۔ اسی ادھر رہن میں بحرِ حسنی سے ہستی کا دھبہ دھوئے گا۔ وہ کیا۔ اور خطہ وجود کو صفحہِ مستی سے مٹانے کے لئے تیار ہو گیا کہ رفقا کاں میں صدا آئی کہ غم بہ بزمِ کر نکر و اندیشہ بیکار ہے۔ بحرِ حسنی میں ڈوب کر مستی کا کن رہ پائے گا۔ خاص ہستی بدی دہی ہے جو اس کے بعد نظر آئے گی۔ بقائے سرمدی بھی اسی کا نام ہے۔ دل یہ سنتے ہی بحرِ حسنی میں کود پڑا۔ پیسے تو خوب غوطے کھائے پھر تدمجے تو کن رہ نظر آیا غرقِ بحرِ عرفان فی لہا ہو۔ جس دم کار بردار حقیقت کو اس کے سننے کی خبر ہوئی تمام چیزیں قرینے سے سج دی گئیں۔ مجربِ دیار حقیقت نے مقررِ حرمِ برتکریم خاص لخاص کو اس کے نزولِ جہاں کی خبر پہنچائی وہاں وہ رہنے لگا۔ چند روز میں اس صحبت سے تقرب حاصل ہوا ایک روز اتفاقاً روح کا خیابان یا مقربان بارگاہِ عرفان سے غرض پروردگار کو روحِ قلعہ بدن میں مہر ہے دل کے غرضِ حال پر حکم ہوا کہ بڑھا پا قلعہ بدن پر مسطہ ہو کر حسنِ جہاں و فردز کا پیغام پہنچائے۔

عقل و دماغ کے دیوان خانے میں مسند نشین ہوا۔ نظر میں کھنڈر کی دید بانی میں مصروف، سمیع کو خبر رسائی کا کام دیتا۔ کو بادِ رچی خانہ، قوتِ شامہ کو سونگھنے کا کام، ہوش کو حفاظتِ قلعہ کی خدمت، حفظے معتمد گنج وری کی خدمت پائی۔ پھر جہاں پہاڑ روح نے شبابِ نام سے قحط کا سلسلہ بڑھایا۔ نفس سرکش کی رہا میں نواہی اختیار کی۔ مدتوں فعل بد سرزد ہوتے رہے۔ غفلت کا عالم طاری رہا۔ یہاں تک کہ شیب کی تشریف فرمائی ہوئی اور شباب کے اکیلے کو سخت پریشانی ہوئی۔ ایک رات روح بسترِ راحت پر شباب کو پہلو میں لئے ہوئے بیٹھا تھا کہ شباب نظر نہ آیا۔ معلوم ہوا کہ وہ شیب کے ڈیرے سے فرار ہو گیا ہے۔ روح نے بھی پریتن ہو کر تمام اکیلے سلطنت کو بلایا اور انھیں شیب کے آنے کی خبر دی۔ اس نے کہا کہ اب کوئی ترکیب شیب کو

طرح راحت روح میں جنگ کے بعد روح حسیں کی حالت میں رہتا ہے جس سے دل میں سکون حاصل ہوتا ہے۔
 کے وصال کی طلب میں دیا تعلق ہوا ہے۔ اس سے دل میں سکون حاصل ہوتا ہے جس سے دل میں سکون حاصل ہوتا ہے۔
 کو پہنچ جاتا ہے۔

جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ راحت روح کی شکل میں دل میں سکون حاصل ہوتا ہے جس سے دل میں سکون حاصل ہوتا ہے۔
 گلزار سرور میں بہتر کی طرح راستی رنگ زیادہ ہے۔ اور اس سے دل میں سکون حاصل ہوتا ہے۔ گلزار سرور کے
 قلعے میں ایک روح نیاں کا بادشاہ ہے جو کشتور و جہاں میں سکون حاصل ہوتا ہے۔ اور اس سے دل میں سکون حاصل ہوتا ہے۔
 بادشاہ ہے جس کی بی بی تکیا ہے جس سے دل میں سکون حاصل ہوتا ہے۔ اور اس سے دل میں سکون حاصل ہوتا ہے۔
 دماغ میں مقید کر دیتا ہے۔ دھڑکنے والے دل میں سکون حاصل ہوتا ہے۔ اور اس سے دل میں سکون حاصل ہوتا ہے۔
 طب میں جو درد و رنج ہے اس سے دل میں سکون حاصل ہوتا ہے۔ اور اس سے دل میں سکون حاصل ہوتا ہے۔
 پھر قلعہ جسم کو مسما کر کے روح کو ملک و مآب میں لایا جاتا ہے۔ اور اس سے دل میں سکون حاصل ہوتا ہے۔
 موجود ہیں جیسے چو تھی، اور روح کی شکست سے دل میں سکون حاصل ہوتا ہے۔ اور اس سے دل میں سکون حاصل ہوتا ہے۔
 میں مقید ہے۔ عشق سے دل میں سکون حاصل ہوتا ہے۔ اور اس سے دل میں سکون حاصل ہوتا ہے۔
 دبا حقیقت، صحرائے تنگ دشت نزع قرار، ملک حجاز جس میں سکون حاصل ہوتا ہے۔ اور اس سے دل میں سکون حاصل ہوتا ہے۔
 ہیں لیکن یہ کہاں ضرور ہے کہ ان کو حقیقت سے قریب نہ کر دیا ہے۔

راحت روح میں بھی سکون ہے اور یہ پہلو ہے حد غائب ہے روح کا تعلق ہے جس سے دل میں سکون حاصل ہوتا ہے۔
 ہے ان کا بیان ہے۔ سفر ارتقا میں نشاط پیشانی میں جو سکون حاصل ہوتا ہے جس سے دل میں سکون حاصل ہوتا ہے۔
 بھی ہیں جو ارتقا کے روح میں مدد دیتی ہیں بعض رکاوٹیں پیدا کرتی ہیں دونوں میں تصادم دیکھا جاتا ہے۔ تاہم اس کا جواب ہے
 سے کامیاب گزر جاتی ہے۔ جہاد نفس میں فتح پا کر وہ مصفا و مجلی ہو جاتی ہے اور طہارت قلب حاصل کریتی ہے۔ یہی
 عبودیت کامل ہے اور یہی جنت ہے۔

برخلاف اس کے گلزار سرور میں عام انسان کی کو بانی رنگ میں پیش کیا ہے جو عقل و جذبات و ہوا و عیش
 کوئی دنیاوی و فانی کی منزلوں سے گزرتی ہے۔ روح حیات کے مختلف نشیب و فراز کو عبور کرتی ہوئی ہر منزلت
 کی آغوش میں آجاتی ہے اور مادی پیکر سے آزاد ہو کر نجات حاصل کرتی ہے۔ گلزار سرور میں بھی سکون حاصل ہوتا ہے۔
 لیکن اس میں زندگی کا مجموعی نقشہ پیش کیا گیا ہے۔

دستان میں کردار کو خاص ہیئت حاصل ہے۔ گلزار سرور میں بھی ہیئت کو کردار کی رنگ میں

میں کیا ہے۔ گلزار سرد اور رات روح میں بردار نگاری کے اعتبار سے بھی مت بہت پای جاتی ہے روح دَل عقل عشق اور حس کے کردار سے اس حقیقت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ روح دیا رو حائیاں کا بادشاہ تھا جو شہر جسم کا فردا تھا اس کی جنگ شہت و عشق سے ہوئی روح مغلوب ہوا پھر بھی اپنے مختلف دور سے گزرتا رہا۔ جسم کا قلعہ مسمار کر دیا گیا۔ روح دیا رو حائیاں میں جا کر سر پر سلطنت برمودہ فوز ہو۔ روح کا کردار ملاحظہ ہو۔

”ملک کا مالک بادشاہ روشن ضمیر عدالت یسار دوس کہ اس کے روبرو، مہتمم بجز عدالت نو شیرواں سکندر نصرت جم مرتبت دار سے دربان۔ سیاست ملک۔ سیاست ماں کی طریقت میں کامل فیض شمع روشن شریعت کی نو میں شامل نشان دوست پرچم عدل سے آسمان فرس ہمت وہ کہ ماتم نظر میں گد مشعل حشمت دجاہ شام و پگاہ روح فرہنگ و دانش سے روشن، شرار برق شمشیر سے ماہ سوختہ خرمن مدار رعیت پروری اور ملک داری ہم درجہ سے دام سایہ عاطفت میں رعایا پر ہے اندیشہ و غم عباداقتب میں باد بہری ہو داری جن کے نہ ہاں صحن چین کو تر چھی نظر سے اگر دیکھتی نور سلسلہ موج بھی ر پائوں کی زنجیر ہوتی یا غنچہ نور سے لوجواناں گلشن کے روبرو غیر نفس مسکرتا چٹکنے کی صدا تازیانہ تقریر ہوتی یہ خسرو ذی احترام شکوہ تمام مجسمہ جوں تھا جان۔ روح بھی تھی۔ شہر جسم میں فرماں رسانی فرمات، عفا سے۔ جسم اس رئیس سے راضی رہتے تھے جب شہنشاہ عشق کے بارے میں معلوم ہوا تو اس نے پہلے وزیر سے مشورہ کیا پھر اپنے فرزند دل کو بھی بلا کر حقیقت حال سے مطلع کیا یہ ایک بادشاہ کے لئے نہایت ضروری ہے غور فرمائیے۔ رخت تازہ و حب اس بیچہ زنیاس سن کے طبیعت کو برس اور انتشار ہے اگر عنان توجہ توجہ ملک اور ملک سے بوڑوں سے رہا سے بھرے ملک و حکومت پر دوٹی چھوڑوں دامن جرات میں دھبہ جھین کا لگ جائے گا۔ ایسا شہر بے تحت تصرف خیر آئے گا۔“ روح و عشق کی فوج میں مقابلہ ہوتا ہے اس میں بھی روح حسن تدبیر سے میدان جنگ میں فوج ترتیب دیتا ہے قصر کی شکست پر عقل دَل سے مشورہ دیتا ہے اسی طرح اپنے ہر کام کو غور و فکر سے انجام دیتا ہے لیکن ناکامیابی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔

بادشاہ روح کا وزیر عقل نامی تھا جس کا کردار سردار کی زبانی سنئے ”وزیر صاحب تدبیر دستور داں، ہمیدہ و سنجہ دہیر سے نظیر گرم دسر زمانہ دیدہ، ذہن رس تدبیر دشمن کی دلدوزی کو خدنگ سے پر، وٹکر سیس کام نہ کرنا غریبا کے صاں پر مہر کی نظر ناخن تدبیر عقدہ سے منسلک پہل سے کھولتا بار عمل نیک و بد ہر شخص کا میزان خرد میں قوت بزم کا مجلس صحبت کا نیس رزم میں۔ جاں نثار امور ملکی مالی میں یکساںے رورگار زبان زود خاں و عام عقل نام نامی تھا ہمہ مصروف نیک نامی تھا۔ جب عشق بادشاہ کے ارادے سے روح واقف ہوا تو اپنے وزیر سے مشورہ کیا وزیر نے اس موقع سے یہ مشورہ دیا ملاحظہ ہو۔ ”کیونکہ عقل دیا سے دوی تصرف میں اگر مہناں ہو عرض کیا مادہ سلطنت خلاصہ حکومت ہمت و جرات ہے غیرت باعث ریاست و سیاست نہ گلزار سرد و رولف و حب ملی ملک سردار ملک کے انتظام سے نہ گلزار سرد و رولف

بدری محب آنکھ سے رُس تہنہ، بر محبوب برو دسری میں طاق مرنگار در زنگیروں کا تیغ، لطف در زتابندہ پیتانی،
رخسارہ درخشاں صفحہ ملامت چشم قاتل غمرہ نگاہ، دہن تنگ شیریں بیت غنچہ دہن چاہ زخداں، شائے درخ سے گوں
سیسہ کا خوب بازو تنہا کمر کی کیفیت میں وہم منت حیرن سر پر مسطنت پر صیوہ گرہ بونی..... یہ جملہ چہرہ کہ ہم نے
مناسبت روح شہرہ کا نصف رسد فزید، جہند یہ بات رکھتے ہیں کہ نظر عنایت ہماری اُس کو کشاں کشاں در مابہ دولت
تکسانی، اس بجز غریب گلشن میں رہا بانی۔

مندرجہ بالا کردہ رُسے نوے مثال کے طور پر پیش کئے گئے ہیں تاکہ روح کے کردار کے موازنہ میں سہولت ہو
سکے۔ اسلوب میں کردار و صفات کے اعتبار سے رُسے پذیر ہوتے ہیں۔

گزارش دہیں و قوت نگاہی کے اعتبار سے بھی حسب روح سے کچھ مشابہت ہے اور کچھ فرق بھی ہے۔ جب ہم بڑے
لیتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ بند ہیں و قوت میں، داستانِ رُف ہے جی دو، دشاہ تھے ایک دیار و دنیاں کا جس کا نام روح
اور دوسرا دیار دوسری کا حکمران تھا جو عشق کے نام سے منہور تھا۔ روح ہر دس عشق کی بھی حسن کو دل دے بیٹھتا ہے۔ عشق
پہلے روح کے پاس آتا ہے کہ کھینچتا ہے اور اسے اس وقت کے لئے مجبور کرتا ہے، آخر جنگ کی نوبت پہنچتی ہے دس معرکے
کئے ہیں ہر معرکہ میں دو نمائندہ صر فوج میں جیتے ہیں۔ سب میں روح کے، فسروں کی شکست ہوتی ہے اس درمیان میں
عشق کی، اندر حسن و دل میں پیدا ہوتی ہے دس میں بہ جذبہ ہوس پیدا کرتا ہے حسن کی سہلی ہڈی در محبوب تک پہنچا رہی ہے۔
فہر در غافل مہمان بازی ہی زں سے، وہ بے سنی بھی۔ بھر و پست اور خباں کے ذریعہ دل عاشق ہوتا ہے۔ ناز سدا راہ
ہوتی ہے حسن کا دیدار دیکھتا ہے، لیکن دس کے ارمان نہیں نکلتے، دل کو غرور اس دم اسفت سے باہر کرتا ہے، مژدہ طاقت
کے ذریعہ دس کی راہ چوں کرتا ہے، لیکن بے سود آخر حیلہ اس کو کسی طرح مانا ہے لیکن بد قسمتی سے پکڑا جاتا ہے، اور زندانِ فریوشت
میں قید کر دیا جاتا ہے، شکست کھائے کے بعد عشق کا قہر دیدار دوسری و بس جاتا ہے دل بھی ساتھ ہے، لیکن در حیلہ کے ذریعہ
پھر محبت کی مدد سے دس کو آزادی حاصل ہوتی ہے لیکن وہ وصالِ حسن کی طلب میں دیارِ حقیقت روانہ ہو جاتا ہے جہاں اب
حسن رہتی ہے۔ پہلے دیارِ حقیقت میں حسن مجاہدی سے ملاقات ہوتی ہے پھر تقسیم در رضا، ریاضت، حق، صلاح، زہد، عزت و قناعت
و غیرہ سے رشد و ہدایت پاتا ہے، دریا، حرق، طبع اور شہوتِ جہل و عجب و ثنوت و کبر و غیرہ سے کنارہ کش ہوتا ہے و انتقام
رضائیں پہنچتا ہے، پھر جیلِ تحمل پر چڑھتا ہے۔ بحرِ نیستی میں ڈوبتا ہے، ہستی بدی پایاب ہو جاتی ہے، پھر وصالِ حسن ہوتا ہے
آخر میں قلعہ جسم بھی ختم ہو جاتا ہے اور روح کو بھی دیارِ روحانیاں میں بلایا جاتا ہے۔ راحتِ روح میں بھی جنگ ہے لیکن
وہاں اس عشق کا ناز و فخر نہیں بلکہ خلاقِ حمیدہ اور عوارضِ زید و نبردِ زمانہ ہیں۔ اگر ایک طرف روح ہے تو دوسری جانب نفس
یہ اس میں موقوفاتِ منازل اور کائناتِ وضاحت ہے۔ قصہ و رموز قصہ ہے صرف لطف و اسباب کے لئے

گنزد سرور میں نفع بدی بھی جگہ نظر آتی ہے، بلکہ سبزہ زر کی فضا طحہ ہو جسے دس خوب میں دکھ ہے۔
 ”عالم رویا میں سبزہ زر سرایا بہار قطعہ مرغز، نظر آتا ہے در شاہ کستور سیر کو مشغول حید و تچہ میں سرگرم یاد دار دیگر کا مرتبہ
 ہنم ہوتا تھا ہنوز دشت کا روزنامہ زندہ کا فیستان و تبر کی روئی سے نہام ہوتا تھا۔ جس حرف نظر گزرتی تھی گوزن
 گور پہاڑی ہرن کے تودے تھے ڈھیر تھے صحرانی جو نور زلیست سے سیر تھے، صفحہ صحر کارنگ لہ زار سے نرال تھا جب تک
 صیاد نظر جاتا ہوا ہوا کا تھرا تھا، حسن سے وعدوں کو چودس چودس کی سنگلشن تب بس بولی س کی نفع بدی
 ”حفظ ہوئے“ بارغ دیکھا رشک روضہ رضوان بوستان شگفتہ دشت بشارت و رضائے گلرخاں یکبہن نظیر تکتہ رہ، شجر ہموار
 بیش نہ کر دشتیں، سنی اور صفائیں صدف پر طریق سدوم، رحمت ہی قسمت بند بار گل اندام بہ ہر طرف چشم
 و شوق کی ڈیڈ بانی، کھوپ پر جھٹک رہے کہ ہر پہاڑی ہرن نہت مسلسل جنہر میں مویوں کی طرح بیچاں تھریک ہو، سے بوج خیز
 سر دہائے لب جو، بسن قدر ست، زان نیک خو، در غزلت و سرین، دسترن کی صفت میں زبان، عقدوں مقدم ہوئے
 گل دوش صبا، ایلیہ جمیلی کی کلیں عقد تریا دم شکر شبنم چھینٹ دیکر شبنم کو خوب رحمت سے جونکا کی بسم صبح کی روشنیوں
 پر ہزار طرح کے گل کھدتی“

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ رحمت روح کا قصد بدھاں دہ ہے، در گنزد سرور کے کیناٹ میں ریحہ کی سیر میں کی طرح
 ڈھیلے پن نہیں، اور کسی نکتہ یا بات کی بجا تفصیل نثرانی رنگ میں ہیں پانی جاتی۔ سب سے گنزد سرور کا پلاٹ زیادہ مربوط
 اور تراشیدہ ہے لیکن رحمت روح میں سب سے زیادہ ربط و تنظیم پائی جاتی ہے اس میں بالادگی و رنوز نہ ہی گمراہ کی
 بندش اور ترشیدگی گنزد سرور اور سب سے دونوں سے بہتر ہے۔

قبل عرض کر چکا ہوں کہ رمزی اور ایمانی داستانوں میں اکثر و بیشتر مقفیٰ اور مسجع اسلوب اختیار کیا گیا ہے چنانچہ سب سے
 ور رحمت روح میں بھی ہے۔ گنزد سرور میں بھی مقفیٰ اور مسجع اسلوب ہے لیکن صریحیت میں بڑی عقیدہ و پیچیدگی ہے
 جس کے سبب لطافت زبان کا فقدان ہے۔

کردار نگاری اور راحت روح

داستان نگاری کی خصوصیت پر مستفصل روشنی ڈالی گئی اب فی داستان نگاری اور اس کے مختلف فن سرترکیبی کے معیار کی روشنی میں راحت روح کا جائزہ لیا جا رہا ہے تاکہ راحت روح کی قدر و قیمت متعین کی جاسکے۔

قصہ کے سر صنف میں دو بن صنفوں کے ہر شعبے ذکر اور واقعات، فضا بندی، مہذب بیان اور پلاٹ، میں کچھ اقدار مشترک ہوتی ہیں جو سمجھوں میں پائی جاتی ہیں اور کچھ قدر صنفی اور نوعی ہوتی ہیں جیسے داستان اور مہذب ناویں و رفاہی میں یہ اقدار مشترک ہیں بلکہ معاصر ہوتی ہیں جو انفرادیت پیدا کرتی ہیں۔ اقدار مشترک میں کردار نگاری کی خاص اہمیت ہے کیونکہ یہ ایسا فن ہے جس میں فنکار کو کوئی ضروری نکتہ کار کا نظر کھنا پڑتا ہے۔ ایک قصہ کے چند فن سرترکیبی ہوتے ہیں مگر درحقیقت اس کا پلاٹ یعنی پہلے بین غرض کی ترکیب و تنظیم و تعبیر اسلوب بیان جنی منہ جہا تو اس کے پیش کرنے کا طریقہ اور طرز بیان۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بہتری ترقی یافتہ داستانوں میں کردار نگاری کے چھ نمونے ملتے ہیں کہیں نفسیاتی تجربہ بھی پیش کیا گیا ہے جس میں گہرائی اور گیرائی بنی جاتی ہے۔ دوسرے کرداروں کے کرداروں سے مشابہ نظر آتے ہیں۔ کہیں کہیں واضح اور با تفصیل واقعہ نگاری کی مثالیں ملتی ہیں۔ کرداروں، دروہات کو ایک دوسرے سے ہم تنگ کر کے پیش کیا جاتا ہے۔

کائنات کی تخلیق انسان کے لئے ہے اس لئے کائنات کی آراستگی اور رنگارنگی انسان کے خون جگر کا غرہ ہے کائنات میں انسان کی جگر کا وہی کوشش عمل اور اس کی بیماری کا جذبہ کارفرمانہ ہوتا تو یہ کائنات ایک دیرینہ نظر آتی۔ فن فطرت اور منف ہر فطرت کی نوک و پیک درست کرتا ہے گویا اس کی تسخیر میں وہ سعی مسلسل کرنا رہتا ہے۔ اس کی تشریح و خواش اور ترتیب و تنظیم کر کے اس کی تہذیب کرنا ہے تب یہ فطرت منور کر ایک حسن پیکر کی شکل میں رہنا ہوتی ہے۔ اس جدوجہد اور کوشش پیہم میں اس نے کتنی قربانیاں دی ہیں۔ اس کی حسن کاری، اور آب و تاب کے لئے اسے خون جگر سے سپینا ہے اور یہی ایش رکائنات کے گوشوں کو منور اور جاندار بنا دیتا ہے۔ یہی طرح قصوں کی جانکاری، نیرنگی اور معنویت اس کے کرداروں سے وابستہ ہیں۔ داستان یا ناویں میں پلاٹ کی خاص اہمیت ہے لیکن تعبیر پلاٹ میں کردار کی اہمیت مسلم ہے کیونکہ بغیر کردار کے پلاٹ کا رفقہ اور اس کا نظم و ربط مشکل اور ناممکن ہے۔

اول یہ کہ کردار اپنی انفرادیت کی رنگارنگی کے سبب دلکشی و دلچسپی کے ضامن ہوتے ہیں دوسرے یہ کہ کردار واقعات و ماحول سے متاثر ہو کر واقعات کو بھی متاثر کرتے ہیں اور ان کا رخ موڑ دیتے ہیں اس لئے داستان میں اور بالخصوص ناویں میں

دوسری طرف میں سرور اہل کفر ہوتے ہیں ان کے لئے اسلام کے سامنے کی بھی جہت نہیں میں نے ہمیشہ غیر مسلم ہوتے ہیں۔
مکہ کو وہ مایہ نابت کی دوستی میں فکار کو ایسا کرد ریش کرنا چاہئے جو زندہ ہو اور میں زندگی کا پیچ و خم ہو اس
میں کچھ خوبیاں بھی ہوں گی اور کچھ برائیاں بھی ہوں۔ دونوں کے وازن سے کردار میں حقیقت کا انوکھا ہوتا ہے۔

زندگی شکر ہے ہی سے سنانی زندگی میں رتق پدیری ہے درہی رتق کرد کے ب میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔ کردار
دھم سے دھیم سے ترقی کرتے جاتے ہیں میں تبدیلیوں و رتق ت فطری میں میں سے کردار میں قوانین فطرت کا لی فہمکتے ہوئے
میں وہ رتق فہم کیا جاتا ہے۔ کامیاب کرد رنگاری کے لئے یہ رزمی ہے کہ فکار کردار کا فطری رتق فہم دکھائے اور حالات کے تحت ہو
تبدیلیوں و رتق فہم میں رہے۔ کہہ لے۔ خیزات فطری ہوتے ہیں درہی سے کرداروں میں جان آتی ہے اور کرداروں
کی ستوری و رتق فہم میں مدد ملتی ہے کہ کرداروں کو سیدھے اور پٹ انداز میں پیش کیا جائے تو ان کی زندگی
درجہ داری میں نکل و سہید ہو سکتا ہے۔ فطری رتق فہم ہے کہ ان کی تبدیلی سے حالات میں بھی تبدیلی آتی ہے۔ اور
خارص کے بدن و رتق فہم خود بھی بدن جاتا ہے۔ میں کی کیفیتیں، درخصوصیتیں بھی بدن جاتی ہیں۔ گویا ماحول کے مطابق
کردار بدستے ہیں۔ بدن کی جہلی خصوصیتیں میں بدستیں۔ میں کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان میں بڑی بنیادی تبدیلیاں
رو نما ہو جاتی ہیں و رتق فہم خصوصیات یکسر بدن جاتی ہیں جسے کوئی رتق فہم نہ بدست زندہ رہتا ہے۔ یہ تغیر کسی بڑے
سبب کی وجہ سے ظہور ہوتا ہے۔ گریہ تبدیلی جو ہمچوہ غیر ضروری طور پر دکھائی جائے گی جس میں کسی سبب کو دخل نہ ہوتا اس
کیفیت کو سیوڈو، مان کیفیت کہیں گے و رتق فہم رنگاری غیر نسبی بخش ہو کر رہے گی۔ پھر فطری ارتقاء اور حقیقت نگاری کا
نقد نظر آئے گا۔ کامیاب کرد، رنگار ان نکتوں کا کالی فہم و خیال رکھتا ہے۔ جو بڑا فنکار ہو گا وہ تبدیلی دکھانے سے پہلے
میں کے وجوہات پیش کرتا ہے بڑی تبدیلی کی کوئی نہ کوئی قوی خارجی یا داخلی وجہ ہوتی ہے۔ بغیر کسی وجہ کے کرداروں میں بنیادی
تبدیلی کا آنا ناممکن ہے۔ جب کوئی ایسی بات ہوتی ہے جسے شخصیت پر دباؤ پڑتا ہے تو پھر تبدیلیاں رو نما ہونے لگتی ہیں۔ ان
جموعی چہروں پر نظر رکھنے کو رتق فہم کردار کو فطری رنگ میں نباہنا کہتے ہیں۔

ڈاکٹر اردوئی اور نور الحسن ہاشمی نے ای۔ م فورسٹر (E. M. FORSTER) کے حوالے سے اپنی تصنیف میں
کردار کی دو قسمیں تحریر کی ہیں۔ مسٹر فورسٹر نے کردار کی قسمیں کی ہیں (FLAT) سادہ کردار۔ دوم (ROUND) مکمل
کردار۔ دو قسم کے کردار وہ ہیں جن کو عام نمونے، ٹائپ یا فکے (CARICATURE) بھی کہا جاتا ہے۔ اس
قسم کے کردار کسی خاص خیال کے تحت بنائے جاتے ہیں یعنی ان میں کسی خاص صفت ہی پر زور دیا جاتا ہے۔ صفت
عموماً دلچسپی سے خالی نہیں ہوتی مگر چونکہ عام طور پر زندگی میں انسان ایک ہی صفت رکھنے والے نہیں ہوتے اس قسم کے

میں رویت و ایمان سے نہایت بڑی ہے۔ میں روح دور دورہ نہیں ہے۔ بارہا حق و باطل کے درمیان میں رہتا ہوں۔
 جب روح میں بہت سے کڑے ہیں جس میں کچھ گڑبگڑ ہے۔ وہی نورانی عموماً ہیں۔ روح میں داستان کامرانی کردار
 ہے۔ یہ سے روح انسانی کے پیشہ روح کا مینہ روح ہے۔ حق و باطل میں لگتا ہے۔ یہ خارجی پیکر نہیں ہے بلکہ مری پیکر ہے
 روح کی کیفیتوں کو صوفیہ۔ مذہبی، اور سلسلہ میں میں لگتا ہے۔

مرکزی کردار روح کے گرد سارے کھڑے ہیں۔ میں کردار میں یہاں خصوصیت ہے کہ کردار میں حسیہ دور دورہ
 ہے۔ میں کے اندر بدیتی بھی رہتا ہوتا ہے۔ درد و غم کی حالت میں میں بھی روح حقیقت کی حالت میں سمجھتا ہوں۔
 حیات روحانی ہوتے ہیں۔ تہذیبی سے رہنمائی ہے۔ یہی دوسرے نفس سے جہاں بھی رہتا ہے۔ خیر میں میں کونسی
 دے میں کامیاب دکھائی دیتا ہے۔ تمام اخلاق حمد و تعریف میں۔ زمرہ میں کے تابع ہوتا ہے۔ پھر سفر میں یہاں صاحب
 جھیل کے منزل مقصود کو پہنچتا ہے۔

روح کی پیدائش اس کا سفر رفق و مصروف سے تھا۔ کچھ میں روح و سنی میں میں لگتا ہے کہ گئے
 ہیں کہ کردار زندہ جاوید نظر آتا ہے۔ غور فرمائیے۔

”جب سے پہلے روح کو صوفیہ و عرفیہ میں رہا۔ یہاں مقام پر دور سے روحانی میں نہایت سے
 نگہ میں بہت تھا عشق جیسے ماسر فی سست سے تعلیم ہوں۔ عشق میں دور سے حقیقت کا رہتا ہے۔ یہ سبھی
 روح حقیقت کا مسمی ہو۔ میں کے دھارے رزق و رزق کوئی حقیقت سے تب میں حذر۔ حال یہ کہ وہ بہت فائدہ معرفت
 کے جو ہے کہ۔ جس نے حقیقت کے متعلق کچھ جیسے۔ یہ فلسفہ کے روح۔ یہاں میں کھوٹا حقیقت کا چلنے کا
 حادوں کے ساتھ ہو کر میں کے وصف میں یہ رہتا ہے کہ۔ میں کا مقصد یہ ہے کہ میں روح جس
 حقیقت کا متعلق ہے اس کی۔ وہ نام جہانی ہو کر ہے۔ عقل کو ہر دیکھتا وہ سفر ہوتا ہے۔ یہ سبھی روحانی حقیقت کا
 کیا میں طرح رفق و روح کی رجحانی کی گئی ہے۔ دم بھر کے عرصہ میں ملک و ماب میں رہتا ہے۔ تہذیب کی کشش ہوتی ہو
 دیکھتا بشریت کی طرف رجحان۔ حاجات ضروریہ پیشوائی کو نہیں۔ بشریت سے جو لازم ہے میں کرکے کھیتیں دکھائی دیتے ہیں۔
 جیسے خطہ پر فضا میں داخل ہو۔ میں میں پانچ درجہ تھے ہر درجہ پر ایک نگہ تھا۔ قلب میں قلب کو ہر
 روح سے جو میں فرمایا۔ درکل کو دار الخلافت بنایا۔ روح اپنے ساتھ غنیمت و جلال کے ساتھ فرمایا کرتا تھا۔ میں
 عقل کو منصب و رات پر ہمارا کیا۔ اور اس کے خواہوں کو حسب حال باندھ لگاں مرفر نہ کیا۔ بہت عزیز جی روح نے
 نہ قابل میں قدم رکھ کر لازم بشریت کے خون دعوت کا زچہ چلی۔ سب سے پہلے تو اسے رجوع کیا پھر عشق سے کہ متعال
 شروع کیا۔ جذبہ، ماسک، ہضم و دفعہ ہمزہ اور مصورہ وغیرہ سے اپنا اپنا اقتدار چاہا۔ ہر ایک ایسے اپنے نام میں تھوں

ہوگ۔ صوفی مینری نے ان واقعات کے بعد روح سے اس طرح متعارف کرنا ہے۔

”روح، بادشاہ جہاں پرورد، رعیت کو از کرم گستر۔ رکانِ دوسب بے نظیر، کار گزار خوش تدبیر۔ ایک اپنے کام میں جست، عقل ثبات پوش بجا خواں درست۔ شہ فریہ معمور ملک آباد، جہنم روشن دل شاد۔ خلقِ راضی رعایا مند۔ بیشانی کشادہ چہرہ بول۔ لب خنداں دہن تیر، کام زبان پر خوشی کا کلام۔ ابرو بند و شائے تیر۔ بازو خم ہوئے دُند بے سمنہ کے سپر سے بہارِ ٹھننے۔ غرض حضرت جبریل علیہ السلام کے سامنے من و ماں سے سب کی دولت گزری تھی۔“

یہاں کی تصویر کسی بڑی تعقید سے دور زندہ ہے۔ چند کہ یہ کہہ نہ سکتے اور سارے نوعِ بشر کی مدد کرنا سے پھر بھی آگے چل کر جس میں جی ہوسے کی مخصوص کیفیتیں پیدا ہوتی ہیں اور یہ نجاتِ سرمدی کا متلاشی کردارِ جنت و جہنم کریت ہے۔ روحِ گم کردہ تئیں کو وحشت کرہ مستی میں، ایک دم ٹھہر کر دیکھتا ہے اس لئے ایک دن جی پیدا کرنے کو قصد کر۔ عقل و فکر کو بے ہرہ لیا۔ لبِ طریقین کے گل بوٹوں کی بار دکھتا ہو کہ بشریت کی طرف نکل پڑا دامنِ کوہ میں صحرائے غفلت دیکھ۔ اسی ثن میں توئے نفسانی کی اندھی زدگی تھی کہ ایک نظر پہنچنے لگا۔ منہ دیا کہ بھر مکنے لگا۔ عین کو کچھ نہ سوچتا تھا فکر کو بھی رہ نہ سکتی تھی غفلت کی گھٹ چھائی۔ عین، قنبر، باغ سے چھوٹ گئی۔ روح چاہے طبیعت میں نہ پڑے۔ سسنگ و تار یک چہ میں پریشاں ہاں رہا۔ قوت و جدائی اور قوت روحانی جو نہ پہنچتی تھی نا توں تھا۔ بالآخر ترقیق کی مدد سے روح کو اس مصیبت سے نجات مل گئی۔ پھر روحِ حقیقہ کے ساتھ دارِ خلافتِ دل کی طرف روانہ ہوا۔ ہر متوجہ میں وسیع، مزیت پوشیدہ ہے۔ روح کے کردار میں بھی ارتقاء ہے۔ ظاہر میں فطری لغزشوں کا اظہار ہے تو باطن میں مزیت کے پیر میں عوفاً نہ خفتن کا، نکلتن دونوں کا توازن کردار کو جو تراز بنا دیتا ہے۔ روح جسم ہو کر کردار کی حیثیت سے ارتقا پذیر ہے۔ روح بھی رہے ہی میں تھا کہ بصیرت دار لحدت میں اس کا منتظر نظر آیا۔ وہ جب پہنچی تو نہایت سے نفس باغی (نفسِ امارہ) کی بنیاد و سرکشی کی ساری کیفیتیں در احوال پرین کئے۔ روح نے بڑی طمانیت کے ساتھ ساری کیفیتیں سن کر مدبر کا ثبوت پیش کیا۔ پس وزیرِ عقل سے مشورہ کر کے عین ہفت اندام کے نام قرار دیا۔ جی کہ نام شروع چیزوں سے پرہیز کیا جائے اور فوج کو تیر کی حکم دیدیا۔ پہلے فکر کو نفس کی حقیقت اور کیفیت کا پتہ رکھانے کے لئے بھیجی۔ جب فکر کی زبانی کچھ حقائق معلوم ہوئے تو پھر اپنے وزیرِ عقل کو بھیجی کہ وہ نفس کو ہر طریقہ سے سمجھا بھا کر رکشی سے روکے اور روح کی اطاعت پر آمادہ کرے۔ اس سلسلے میں روح کے رعب و مدد بہ انسان و شوکت سے بھی اس کو مرعوب کر کے نفس نے وہاں جا کر اسے ہر طرح سمجھایا پھر خودی نفس کی محبوبہ دنیا کے عشق میں مبتلا ہوگئی۔ بصرت نے جا کر عقل کو اس

قریب سے نجات دلائی۔ روح تب بدستور ہر نفس کے رومے سے وقف ہو گیا تو اس سے قیوح کو قیوح ہر طرف ہر طرف
 سارا منظم بکس و خوبی در دور لذتی سے مکمل کیا۔ ہر نفس کو اس کے تجربے در دور کے اعتبار سے کام سونپے۔ تو روح
 بھی ہر نفس ہر مبدیہ ہر مبدیہ میں موجود۔ اور نہ تو گناہ و گناہ سے بے خبر۔ ہر نفس کے ہر نفس سے ہر نفس سے ہر نفس سے
 کی درجہ جہارت اور تنظیم صحت کا ثبوت ہیں یہ۔ ہر نفس کو تکست کوئی درجہ کی ہر نفس کو قیوح میں
 محصور ہوگا۔ روح کا کردار بہت ہییت کا مل ہے۔ اس سے کہ وہ ہر وقت کی حیثیت سے ہے۔ نفس سے بھی روح و قیوح سے
 اور اس نے اس جنگی ہم اور حسن نفس کو حسن و خوبی کی مبدیہ وہ اپنے تجربے در دور سے ہر نفس کی قیوح میں ہر نفس سے
 اور اس کا پختہ ذہن اس کو اس کا مبدیہ ہو کر اس کے ہر نفس کے ہر نفس سے ہر نفس سے ہر نفس سے ہر نفس سے
 نفس کو قیوح دماغ سے رقیق کیا۔ جب نفس شور و غل میں ہے تو اس کا قیوح ہی میں ہے۔ روح کی صحت میں۔ ہر نفس کی
 میدان تجرید و تفرید کی ہر نفس میں ہر نفس کی ہر نفس کی ہر نفس کی ہر نفس کی ہر نفس کی ہر نفس کی ہر نفس کی
 کو روکے کی کوشش کی لیکن روح چونکہ عشق کا تربیت کردہ تھا۔ اس سے وہ ہر نفس سے ہر نفس سے ہر نفس سے ہر نفس سے
 نے اگر طبیعت کو ایسا کیا۔ مبدیہ سے ہر نفس کے ہر نفس سے ہر نفس سے ہر نفس سے ہر نفس سے ہر نفس سے ہر نفس سے
 میں مجردانہ کام فرما رہا۔ ہر نفس ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں
 کو ثابت کرتا ہے اس سے کہ اگر ہر نفس کو ہر نفس سے ہر نفس سے ہر نفس سے ہر نفس سے ہر نفس سے ہر نفس سے ہر نفس سے
 اندر جو طبیب ہر مقصد ہے وہ کسی حال میں ترک نہیں ہوتا۔ ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں
 ہر آگے بڑھتا ہے۔ اپنے نفس سے بھی ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں
 کا کو یاد کرتا ہے۔ روح کو اپنا ہم سفر تھا۔ ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں
 منازل کی مشکل گزار رہا۔ اور اس کی ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں
 عقائد کو ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں
 مشاہدات کی تلخ کامی اس کے بڑھتے ہوئے قدم کو روکنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں
 راستے سے گزرتا رہا۔ ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں
 پیدا کرتے۔ ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں
 ایمان میں جن کے سہارے روح منزل حقیقت کو چلے کرتا ہے۔ حضرت یہ ان کے ایمان میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں
 جس سے روح تمام حقائق کا مشاہدہ کرتا ہے۔ ایک باغ پر فضا میں جنت کا نقشہ نظر آیا۔ ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں ہر نفس میں
 روح شمع حسن کا پردہ نہ تھا۔ ان حسین بیکروں کے شوق دیدار میں کچھ اس طرح کھو گیا کہ وقت کا بھی اندازہ نہ ملا اسی انداز

جس کا ایک ٹکٹ بر سو زنجبت نام کی ایک باعزت دوشیزہ وارد ہوئی۔ جسے ہی اس نے روح کو اس کا دھندہ یاد دلایا اور شادی کا مطالبہ کیا۔ حضرت امان فاضل، سکاح اور صدق و خدس کو وہ ہوسے دونوں کا نکاح ہو گیا۔ روح و محبت میں وصل ہو یہی دھماکا حقیقت ہے درحقی گاہ حقیقت کردہ کی بندہ کی خصوصیت اس صرح بھی نہ ہر کی گئی ہے کہ روح کی شادی محبت سے ہوتی ہے اس صرح قصہ پن بھی مدد کی گئی ہے اس میں در ہے کہ نفسانی روح بغیر از روح محبت کے مقرر نہیں ہو سکتی۔ روح سے محبت کے محسوس قریب و بعد کی دعوت بھی دی گئی۔ نفس و مشرہ میں اس کی بھی اہمیت ہے۔ اسی مبارک موقع پر روح نے نفس کا حال دریافت کیا معلوم ہوا کہ اب وہ نفس مارہ سے غش ہو رہا ہو گیا ہے۔ اپنے کسے پر نام و پیشاں ہے۔ معذرت خواہ ہے ورنہ شہتہ کی نخر و نعت کا محتاج ہے۔ اس کی دوستی سفر و شہر پر سے قید سے رہا کیا گیا۔ محبت کی بھیجی ہوئی منسوب ہم اس کی شادی بنی۔ محبت سے رزی گئی۔ روتے نے این۔ نبی و کشور جسم کی خدمت سے سے سرفراز کیا۔ روتے کے کردار میں صوفیانہ بصیرتیں و کیفیتیں جا بجا ہیں۔

اس دستار میں روح و سمورد نفس کا ست جسے مہار کا کردہ رہا جاسکتا ہے۔ نفس ایک بڑی کردار ہے جسے محبت بن کر پیش کیا گیا ہے نفس کے متعلق صوفیہ حقائق اور غیبی مسائل میں چونکہ نفس ہی جو رض و ذلیلہ کا وسیع ذخیرہ ہے۔ صوفیہ کے گروئے نفس کا تین قسمیں قرار دی ہیں۔ نفس مارہ، نفس کو مراد نفس مطمئنہ یہاں نفس سے مراد نفس مارہ ہے جو نام مذلت دنیاوی اور خواہشات حیوانی کا شرب ہے وہ مدد سنان کو سفلی میدان کی طرف متوجہ کرنا ہے۔ نفس دو متضاد در تضاد جتنی میدان کے درمیان پرورش پاتا رہتا ہے تاں تک ہم اور عقل کی مدد سے نفس مطمئنہ کا مقام آتا ہے اس کی بتدائی حالت نفس مارہ کی ہوتی ہے لیکن جب یہ نفس مصلح و رتاج ہو جاتا ہے تو اسے نفس مارہ کہتے ہیں۔ یہ روح کے تابع ہو جاتا ہے حضرت صوفی نمبر ۱ نے نفس کو روح کے مقابل لایا ہے۔ یہ بھی کشور جسم میں رہتا ہے لیکن روح کا باغی ہے۔

نفس کا کردار ہم اس لئے ہے کہ وہ روح کا مخالف ہے۔ درد متان کے عمل کو آگے بڑھاتا ہے۔ زندہ اور متحرک کردار ہے اس میں رتق پذیری بھی ہے۔ وہ اپنے خیالات میں پختہ ہے کسی کی نصیحت کا اس پر اثر نہیں ہوتا۔ جب بصیرت نے آکر اس کی سرکشی و رغبہ و تکیہ کو روح کو دی تو روح و اس کے راکین دوست فکر و مروج میں بڑھ گئے۔ بصیرت کی زبان سے نفس کا تعارف حضرت صوفی نمبر ۱ سے صرح کراتے ہیں۔

روح نفس نام ایک باغی طاغی سرمست نشہ بد دماغی با دفریونی سر میں آئینہ خود بینی نظر میں بانی ظلم و بیداد ہے مجموعہ فتنہ و فساد ہے نفاق اس کے ہاتھ سے گرم نا و فریاد ہے۔ بالکل متوجہ لذات قافی ہے۔ قید مقصود اس کا خطہ حسانی ہے۔ وزیر اس کا معدن شر و دوسواں۔ کچھ شیطان خن اس فتنہ عظیم کا سامان ہے۔ فلو دماغ کو لے رہا ہے۔ نگاہ بان جو اس کو نظر بند کیا

یہ دنیا کی ظاہری زیب و زینت ہے اور اسی پر ہر عاقل و نادان عاشق ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ عقل جیسا صاحبِ تدبیر درصہ جب فہم و دانش بھی دیکھتے ہی فریفتہ ہو گیا اور ایسا خیدا ہو کہ کچھ مدھ بڑھ نہ رہی فطرت کی صورت بنائے کفِ ڈسے محوِ حسرت ہو گیا۔ دنیا اسی طرح روزانہ اپنے ظاہری حسن و کشتش سے اپنے شیداؤں کو دیوانہ کر کے تباہ و برباد کر دیتی ہے اس کے دیوانے سر بھی ہیں ورنہ بھی۔ نندرست بھی ہیں اور بیمار و ضعیف بھی۔ صاحبِ عقل و دور اندیش بھی ورنہ فہم و کج اندیش بھی۔ سب کے ساتھ فریب کرتی ہے پھر بھی سب اسی کی محبت میں دیوانہ و مجنون نظر آتے ہیں۔ دنیا چونکہ نفس کی مجبوس ہے اور نفس برے کاموں کی طرف ہی لوگوں کی ترغیب کرتا ہے اس کے لئے دنیا سے ہر شخص و بستہ نظر آتا ہے البتہ بصیرت اس کے دام میں نہیں آتا بلکہ عبرت دلا کر اس سے منفر کرتا ہے۔ چنانچہ جب روح نے عقل کو بھیجی و عقل اس کی محبت میں دل و شہید مجنون کی حالت بنائے محوِ حیرت نظر آیا تو اس نے پہلے ہر طریقہ سے سمجھنے کی کوشش کی لیکن کسی پسند و نصیحت کا اثر نہ ہوا تو پھر دنیا کے اصلی رنگ و روپ سے واقف کر یا۔ صوفی سبزی نے دنیا کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:

”دیا کو سامنے رکھ کر وہ منہ سے کھینچ لیا۔ ایک عورت تھی پیر زل کر ہیہ منظر بد حال سیاہ روئے سپید موئے اس کی صورت صبر میں کہ صورت چہرہ کا رنگ آئینہ دیدہ میں رنگ عکس سے اس کے دیدہ آئینہ کو زلف بیجاں، فعی گور۔ تنگی میٹنی کبجی کی نشانی۔ خط سر و نسب میں مکر کے حروف و فریب کے فقر و بے جوڑ توڑ، برویت بے قیام و ہر بے جوڑ۔ کان سے کہ دیکھنے کے ساتھ کان پر ہاتھ رکھنے، اپنے ہاتھوں سے گوشان کا لیدہ چکھنے بے ڈول ناک عجیب ہونا ک..... بھونڈی صورت، گندہ طبیعت۔ تنگ کان، ماک، منہ سے کتفت جاری تھی ظاہر کی زیبائش، لباس و زیور کی آرائش، صرف پردہ داری تھی۔ عقل کو دیکھ کر ہفت ہوئی اور اپنی نادانی پر شہوانی و رند مت ہوئی۔ نصرت سے کہا اس رنڈی نے غضب کیا بروادھو کا دیا میں اس کے فریب میں، کرپے اختیار سے نکل گیا تھا، اس بڑھیکے چلے لباس پر پھسل گیا تھا بارے خدا کے فضل سے صدر پہلی ہوئی آپ کے حکم پر اس مقدمہ کی صفائی ہوئی؛ دنیا کا کردار نفس کی مناسبت کی وجہ سے ہے نفس کی بدل رزم ہے۔ نفس کے خیال میں آدمی کیا جو رہ پڑی میں مجبوس ہے، کشموروں کو اس کے ہر میں دیا ہے جان نثار کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ اس میں کوئی شک میں کہ دنیا اور نفس میں گہرا ربط ہے لیکن دنیا میں دبا کا رو و ریب و دستار و عارفانہ بصیرت کے لئے لایا گیا ہے دنیا کی برائی دکھا کر دنیا سے نفرت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ صوفی سبزی کی اس کردار سے، اتنی غرض ہے کہ جب دنیا کی برائی بچشم انصاف و صاف نظر آئی طبیعت نفور ہوئی، نفرت دنیا کی گرد نظر نفس سے دور ہوئی بصیرت نے کہا بخت و دھوت بربر سے بلکہ عزت سے خلا و خلق بہتر ہے کہ زمانہ کے حالات دیکھ کر نہت ہوئی دنیا و دنیا کے طور سے سبزی و نفرت ہوگی یہاں تک کہ دل خلق سے شکستہ ہو جائے دنیا کی محبت سے پاک و رستہ حق سے و رستہ بوجہ، دنیا کا کردار و تقابیر نہیں ہے۔ بصیرت کے ظہار حقیقت کے بعد اس کردار پر چودھری ہو جاتا

لے راحت روح و رہبر اقامت لحد و حشر

ہے۔ حقیقت میں جب نفس قید خانہ میں بصیرت وغیرہ کی تقسیم سے نفس کو مر ہو گیا تو اس نے دنیا کو ہندو نہ دیا۔

نا نوی کرد میں سب سے اہم بصیرت نظر آتا ہے۔ بصیرت کا کردار ہمہ جہت ہے۔ حدود و نایاب ہے۔ درجہ بزرگی یہ ہے بصیرت تو یک رمزی کردار ہے جس میں عارفانہ کوائف ہیں۔ عوالم و ذیلیہ کی صراحہ سی کے ذریعہ ہوتی ہے۔ ہند میں سب رواج کی خدمت میں نفس کی سرکشی کی خبریں سیکر تھیں۔ صوفی مینری نے اس کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:

”وہ بڑا دل پر ایک جوان دیکھا بڑا ستا، جس خدا داد کے برابر میں آ رہا ہے۔ صوفیہ و عرفانی ہاں بڑا پیدائش و خشت۔
میشانی کی روشنی میں اگر غریب کچھ خط سر نوشت آنکھیں موند کر رہے تھے۔ خانہ دل میں گریہ و فغان ہو۔ کورہ درز دلی نہ بھرت
روز روشن ہو۔ فکر نے کہا نام، بول بصیرت پوچھی مقام۔ کہا عارف حکمت پوچھا مطلب کیا ہے یہاں سے کا سب کیا ہے۔ کیا یہ
شہ کا انتظار ہے، کچھ مدعا ضروری رہتا ہے۔“

جہاں پنہ کے آتے ہی اس نے نفس کی سرکشی کی رمی و دوا دسنی اور دل کے پیر میں کچھ ستور سے عقل و دماغ
و عقل کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا کہ اس نے تدبیریں بتائیں اور شہ ساریت اور اس کے۔ اس سے عقل و دماغ کی پختگی۔
ہیں نہیں کہ بلکہ بصیرت نے وہاں رہ کر فوج کا سردار سے حسبِ خواہ تب کہ حکم کی ماریاں میں عقل و دماغ
خدمت میں حاضر ہو کر متورہ دیا کہ نفس کے۔ اس پہلے فکر کو یہ سب سے سب سے۔ فکر کو عقل و دماغ کی سمجھ
بھی یہ جب عقل کے لئے میں تاخیر ہوں تو بصیرت خود بہ نفس نفیس عقل کی رہائی کو جانتا ہے۔ وہ۔ اس کے ذریعہ عقل کی پختگی
”بصیرت کے کہ شہادت و سہاوت کو بڑا دیا۔ اور عقل و دماغ کی۔ دماغی بود و نمود کو شکست اور دوستوں کو فوری
ہو چکے دھڑکا ہے کہ عقل بھی بڑا ہے۔ اس کا سب سے سب سے۔ اس کا سب سے سب سے۔ اس کا سب سے سب سے۔
اس کا دوسرا سب سے نہیں کچھ اچھا ہے۔ وہ حضور کا عقل دل ہے اس کی رفتاری میں نہیں ہے۔ اس میں جاتا ہوں نہ
جد بامراد آتا ہوں۔“

بصیرت کا اندیشہ اور ضمیر اس کی تجربہ کاری درجہ ذہن کی ترجمانی ہے عقل و دماغ میں ہند ہو گیا ہے ہر طرح عقل کو
سمجھ یا لیکن دنیا کی محنت سے مڈھا کر کھانا تھا بصیرت سے جائز اس کے فریب کا پردہ چاک کیا و بصیرت سے بچنا
درونی دنیا کے متعلق بصیرت کا تجربہ اور منہ ہر بصیرت و سدفت کا پند رہتا ہے۔

”بصیرت نے کہا یہ زن و سرن سخت پردہ خانہ جو فردوس گندم نامہ عیسیٰ سے مکاری سے مردوں کو گرفتار کرتی ہے
چار دن پیار کر کے آخر ذلیل و خوار کرتی ہے عہد پر عہد اس برفانے توڑے ہیں رکھوں، شہنشاہی خاک میں ملا کر چھوڑے ہیں

نفس کی تہ ہے فالودہ وصل اس کا آلودہ زہر ہے جس پر غضب یہ کہ جادوگری میں بھی یہ فسوس و علامہ دہر ہے بادھودس کے کہ صورت اس کی کس اور حالت اس کی تجس ہے ایک عالم کا دل اس کے فروق میں مردہ ہو رہا ہے کہ نہ حرکت ہے نہ جس ہے سارا مانہ اس کا ہلکا ہے یہ ساحرہ بدہ ہے مشت خاک پر افسوں، پنا پھونک دیدہ عقل میں دُش دیتی ہے اندھ کر کے پنے قدو میں کو پنی ہے اس پر میل اور اس سے میل ہونا چشم دس کے سے میل بلکہ میل ہے کو رہا ظن ہونے کی دلیل ہے جو دیدہ دین رکھتے ہیں چوکتے نہیں اس نا پاک پر تھوکتے نہیں۔“

سیدن جنگ میں بھی بھیرت فوج کا جائزہ لیت رہا اور اپنے صاحب مشورے، درتد بیر سے چھ یا رہا۔ روتن کو بھی سی کی تجو بزیں پسند آتیں اور اس پر عمل کیا جاتا جنگ میں بھی بھیرت ہی فتح کا ضامن ہے صرف وہ جنگ کی فتح و کامرانی کی تدبیریں نہیں سوچتا بلکہ نفس کی فوج میں سے کس کا زندہ رہن ضروری ہے جو اخلاق حمیدہ کے معاون و مددگار ہوں گے اس پر بھی اس کی بیع نظر ہے غور فرمائیے جب حتم نے خشم کو معصوب کیا تو عقل نے اس کے قتل کا دستورہ دیا لیکن بھیرت روک کر اس طرح گویا ہوا ”بھیرت نے کہا ہاں ہاں خون ناحق سے بہتہ نہ بھرنا اس بہادر کو ایسے بے ہڈی کو ضایع نہ کرنا رعایا پر رعایت ضرور ہے حجت کو اس کی حمایت ضرور ہے کہ خشم اس کا برادر ہم تازو ہے بزور قربت قریبہ قوت بازو ہے غیرت سے بھی غیرت نہیں اس کے روتنے میں خیریت نہیں، اگر خشم ہلاک ہو قانون حکومت کا دفتر چک ہو۔ محبت رہے گا نہ غیرت رہے گا عام ہے محبت و بے عزت کہے گا نصف پر ستم ہو جائے ریاست کے حق میں ستم ہو جائے گا عدل و دود ریاست سے قاصر رہیں گے مدت یہی دراصل ہے موقع بار خاطر رہیں گے جب سیاست نہیں ریاست نہیں بلکہ رہے عدل کے جو دات میں نصر ہمد خیال کا رہے بھر قید غتیر میں پابند عدل کا رہے سلسلہ توسط کا نہ ہو تنا کر اہو کہ گرائی تے نہ تنا نوم کہ ہلکا ہو چھٹے غلو و نقصہ کی روانہ تے مفید محسن کا جو حب حسن، خوق اور بندہ نوزی شاہ آفاق سے شرمندہ ہو گا شرط خیر نو ہی بجا رائے گا ناک صلاں بندہ ہو گا۔ بصورہ در غبت حلقہ مدعت سے قدم باہر نہ دھرے گا جہاں حلم کا موقع نہ ہو گا وہاں یہ کام کرے گا۔

نفس نے جب اپنی شکست یقینی دیکھی تو روح کو فریب دے کر لب ہر طاعت قبول کرنے کی ترکیب سوچنے لگا اس موقع پر بھی بھیرت نے خبردار کیا اور جنگ عام کا یکبارگی حکم دیدیا سیدن کا راز میں بھی یہ ہدایتیں صادر کرتا رہا۔ نفس جب فوج دماغ میں محصور ہو گیا تو اس وقت بھی بھیرت کی تقریر کا رگر ہوئی۔ روح کے مناں سلوک اور راہ حقیقت کے طے کرنے میں بھی اس کے ہمراہ ہے اور ہر قدم پر روح کی رہبری کرتا ہے آخر میں جب نفس کی شادی بی بی طاعت سے ہو جاتی ہے تو وہ قدرے مطمئن ہوتا ہے اور جنگ نامہ روح و نفس اصدا ج نفس کے لئے نفس کو

۱۔ داتا ہے تاکہ اس مرتبہ سے۔ بقدرت کے کردار میں۔ تقدیر سے درپردہ کھجور بات مسدود بھی کامیابی کے خاص میں۔
 ۲۔ دستوں میں نہ کرداروں کے مدد دہ بھی کچھ درجہ سبب چھوٹ کر رہیں۔ غرضت معجزات غیرت
 ۳۔ توفیق متقدّر سے بددعا سے بچاؤ دیکھو۔ چھوٹے کردار جو جس بوسے میں بہ سبب نیکی اپنی صد عمر میں ورنہ
 بدگاہ خصوصیات کے قتل ہیں۔ یہ سب بھرتی کے کردار ہیں کہ جسے جو سکتے بددعا جو کردار بھی ایک لمحہ کے لئے آیا وہ
 بھی کوئی سبب کام ضرور کرنا ہے جس سے بات کے بڑھتا ہے۔ ورد سدا کی مزین مکمل ہوتی ہے۔
 مختصر یہ کہ عکوفی ہنر کی کردار نگاری کے فن میں باغ نظر کی کائنات دیے ہیں۔ وہ ہیبت حقیقت پسندی۔ سانی
 نصرت کے مختلف پہلوؤں کو دیکھتے ہیں۔ اور اس کی شخصیت کے مختلف مشاغل میدان ت کو ہر سے سبب سے نفرت
 ہکتے ہیں۔ داخلی حقایق کو زندہ وجودوں کی حیثیت سے پیش کرے ہیں کامیاب ہیں کرداروں کے درمیان
 رہت و غلبہ موجود ہے۔ اور کرداروں کا فوٹ کے رکھ رہے ہیں۔ وہ منصفی تحقیق بھی ہے۔

واقعہ طرازی اور راحت روح

دستار میں جس طرح کردار کی عینیت ہے اسی طرح واقعات کی بھی یہ دونوں آپس میں مربوط اور لازم و ملزوم ہیں۔ ان کی حیثیت ایک دوسرے کے مترسک نہیں ہے۔ کردار و واقعات دوستان کے لئے تدارک و چھوڑ کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن یہ بھی عجیب بات ہے کہ ان دونوں کی حیثیتوں میں ربط و تعلق رہتے ہوئے بھی دونوں کی نوعیتیں الگ الگ ہیں۔ تعمیر و جرم کے لئے کردار کی طرح واقعات بھی ضروری ہیں۔ ان فوٹ سے بھی پلاٹ آگے بڑھتا ہے اور واقعات کے تارے ہارنے سے قصہ بنتا ہے۔ دراصل واقعات اور کردار دونوں میں کچھ تو تہ دار اور پیچیدہ بناتے ہیں۔ واقعات کردار کو غمی رنگ میں بھونکے کا ماحول بھی دیتے ہیں اور ان کا ہی کے ذریعہ کرداروں کے کھرے کھوٹے کی پہچان ہوتی ہے۔ دراصل واقعات کرداروں کے لئے ممد و مدد کی حیثیت ہے اور یہ سطر بھی رکھتے ہیں۔ قصوں کے چھوٹے کردار و واقعات میں کریم و جور و قور قائم کرتے ہیں اور کرداروں کی جدوری کا ثبوت ملتا ہے۔ درنہ کی انفرادیت واضح ہوتی ہے۔ گویا۔

ایک ارضیہ کا کام کرتا ہے۔

زندگی اور واقعات ہم مربوط اور مترسک ہیں۔ اسی لئے زندگی کے بیچ و دم میں واقعات کو دھلے۔ واقعات زندگی کی ہر رنگ کو پروا دیتے ہیں۔ زندگی میں سے دن کچھ پیسے واقعات ضرور رونما ہوتے ہیں جو کبھی منظم ہوتے ہیں اور کبھی غیر منظم۔ قصہ نگار واقعات کی تنظیم و ترتیب سے پلاٹ بنا کرتا ہے۔ ان قصے کی کسی صنف میں تنظیم کٹھی ہوئی ہوتی ہے اور کسی میں اور صنف و فن کے متعلق کلمہ درین حمد کا جملہ ہے کہ

”واقعات کی ترتیب و ترقی ان کے انتخاب و تفسیر میں بھی بڑی حیرت انگیز ہے۔ یہی معیار پیش نظر ہوتا ہے نفس و فہم سے مطلب نہیں جس میں اکثر تحمل کی بے لگامی کی منتہا ہوتی ہے۔ ہاں واقعات کی تنظیم و بیان کے بارے میں تعین سے بکثرت ہے۔ واقعات میں بھی جزی حیرت انگیز ہوتا ہے جو نظر کو فوراً جذب کر لیتا ہے اور سبحان ستر و آلاء و ہدیٰ بند ہوتی ہے۔ واقعات صاف ہوتے ہیں و دربان میں ترقی ہی ضرور ہوتی ہے کہ انھیں کہانی سے جسم شکل دکھائے۔ ان کے انتخاب اور تنظیم میں باری پیچیدہ لکریں اور رعبی ہیں ہوتی۔ وہ بے حد۔ ہر سے نظر کے سامنے آتے ہیں۔ ہر سبب جاذب نظر ہوتا ہے لیکن دیر تک نہیں ٹھہرتا۔ کسی دوسرے میں ربط و تعلق ہونا ہے بلکہ۔ یہ بہت سہولت و سہولت سے لکھ بیان میں ملتا

سین جنت پھر ہو، دیکھ ہو ہماری آنکھوں اور ہمارے کانوں کو۔ تھیں اس میں صحت مدد ہے۔

مذکورہ بالا خیالات واقعہ طرزی سے منطبق حقیقت سے قریب تو ہیں مگر برقی یا فنی وسائلوں میں کمزوریوں کی کمی اس میں انتخاب و تنظیم کی جہاں حد بندی بھی ہے اور برقی اور فنی وسائل کی کمی بھی۔

وقعات دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ ہیں جو خود اسے میں جی تو رہا ہے ان کے تباہی سے بچنے میں بہت ہوتے ہیں اور ایسے واقعات کے صانع خود کردار ہوتے ہیں۔ وقعات کی دوسری قسم یہ ہے کہ جہاں جی انہوں نے جیسے وقعات کو وجود میں لاتے ہیں جن سے کردار متاثر ہوتے ہیں دونوں طرح کے وقعات آپس میں مربوط ہوتے ہیں اور آپس میں آپس سے آپس وقعات کردار پر اثر انداز ہوتے ہیں اور ان سے مزید بھی۔ وقعات کی ایک قسم اور بھی ہے کہ فطری و منطقی طور پر رونما ہونے والے وقعات اور ان کی جو جہاں درغیر فطری سبب کے رونما ہوتے ہیں۔ ایک چوتھی قسم بھی ہے کہ فطری وقعات اور فوق فطری وقعات۔ فوق فطری وقعات میں معجزات، شہادت، صوم، توہمات، حرکات اور منہیات وغیرہ شامل ہیں۔

گوہ واقعات ہر صنف اور کے لئے عمومی اور ذاتی جز میں سن ایک صنف میں اس کی نوعیتیں محدود ہوتی ہیں۔ داستانوں میں زیادہ تر ایسے وقعات ہوتے ہیں جن کی وجہ سے دوسرے کے ذریعہ فیزی و حیرت خزانہ پیدا ہوتی ہے۔ ایک واقعہ دوسرے واقعہ سے اس طرح جو سبب کا سبب جیسے ایک منٹ دوسرے منٹ کے ساتھ۔ اس لئے عام طور سے داستانوں کے وقعات میں عضویاتی تعمیر و ارتقاء میں پیوستہ ہے لیکن جب ناول میں واقعہ نگاری کا معاملہ آتا ہے تو اس کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ فنکار واقعہ نگاری کے تصور ہی خود ہر جگہ رکھتا ہے۔ وقوعہ نگاری کے فن میں بھی مندرجہ ذیل باتیں بہت رکھتی ہیں۔

(۱) وقعات کا انتخاب :- پلاٹ کی تعمیر میں جتنی کارفرمائی ہو تو اتنی ہی کارسری وقوعہ نگاری کی ہے بلکہ کے بغیر دوسرے کا تصور نہیں کیا جاتا۔ لیکن ایسی حقیقت بھی نہیں کہ فنکار وہ سارے وقعات پیش کر دیتا ہے جو ایک کردار پر روزانہ صبح سے شام تک گزرتے ہیں بلکہ ان وقعات میں سے فنکار منتخب کرتا ہے اور دیکھتے وقعات کا انتخاب کرتا ہے۔ جس طرح فنکار وقعات کا انتخاب کرتا ہے اسی طرح واقعات کے حسن انتخاب میں بھی اپنی خود دذہنیت اور مہارت سے کام لیتا ہے۔ نوکھے اکھر سے اور غیر معمولی وقعات کو منتخب کر کے دستانہ ناول میں جگہ دیتا ہے۔ وہ واقعات کو اپنے تخیل اور ضرورت کے مطابق ترتیب و تنظیم میں رکھتی درجگان کی صورت میں پیدا کرتا ہے اور اس طرح پلاٹ کی قطعہ بندی و حسن کاری ہوتی ہے۔ ایک مربوط اور کٹھے ہوئے پلاٹ کی تخلیق و تعمیر کے لئے یہ ساری ہے کہ فنکار ایسے غیر معمولی واقعات منتخب کرے جو اپنے اندر دلکشی اور جاذبیت رکھتے ہوں۔ معنوں بھرتی کے وقعات ناول اور داستان

کے ہاٹ کوپٹ اور ہلاکت دیتے ہیں اور وہ صدف سے عاری نظر آتے ہیں۔ اس میں حقیقت نگاری کی کمی واضح ہوتی ہے۔ واقعہ نگاری کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہر فرد پچھپ اور دلکش واقعات ہی منتخب کرے جو اس کے حسن و عفت کے سب سے کردار بھی جاذب نظر بنائے اور پلاٹ کی تنظیم بھی منصوبہ بنی طور پر ارتقا پذیر ہو۔

۲۲) دوسری ہم بات اس سلسلے میں یہ ہے کہ فنکار جن واقعات کو پیش کرے وہ کردار کے ساتھ مربوط مستحکم اور ہم ہنگ معلوم ہوں۔ بضرر ربط کے دونوں عناصر کے الگ الگ حسین ہونے کے باوجود پلاٹ کی تنظیم میں خامی رہی نہ گی۔ پلاٹ سے وقت مستحکم غنائے گا جب کہ کردار اپنے واقعات کے ساتھ پیوست نظر آئیں۔ فنکار واقعات کو اس طرح ترتیب دے کہ کوئی بھی واقعہ خواہ مخواہ معلوم نہ ہو۔

کردار اور واقعات کا ربط دو طرح سے قائم کیا جاتا ہے، ایک تو یہ ہے کہ واقعات خود کردار کے ذریعہ پیدا ہوں جن کا الگ کرنا ناگزیر ہو۔ فطری طور پر واقعات کردار کی شخصیت سے گہرے طور پر وابستہ ہوں۔ اب جب فطری رنگ میں واقعات کا رتقا ہو تو ان کا اثر کردار پر بھی دکھایا جائے کیونکہ کردار زندہ انسان ہوتا ہے اور یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ غیر معمولی اور بڑے بڑے واقعات سے صدمہ، پریشان کن اثر ضرور ہوتا ہے۔ اسی طرح منظم اور ترقی یافتہ کردار بھی اپنے ماحول میں پیدا ہونے والے واقعات سے نرید پر ہوتے ہیں۔ ان کے اندر سے کردار میں تبدیلیاں اور ترقیاں ہوتی جاتی ہیں اور اسی طرح دونوں جب ایک دوسرے کے سہارے بڑھتے ہیں تو حقیقت نگاری پیدا ہوتی ہے۔

واقعات کی دو نوعیتیں ہوتی ہیں، مادی واقعات ہمہ وقت اور غیر معمولی کو سانحات کے لحاظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ واقعات وہ ہیں جو درمیان کسی نہ کسی طرح کرداروں کے ساتھ درخشاں ہوتے رہتے ہیں۔ اس میں مسلسل پایا جاتا ہے اس سلسلے ضروری ہے کہ جو واقعہ بیان ہو کر دے کے ساتھ ہم آہنگ ضرور ہو اور سبب اس کے ساتھ ہی پیش ہو۔ سانحات ان کہتے ہیں جو کبھی کبھی رونما ہوں اور عموماً اس سلسلہ سبب دور تک واضح نہیں ہوتا ہو۔ سانحہ کے معنی ہی کبھی کبھی رونما ہونے والے واقعات ہیں۔ واقعات تو زندگی کے ہر قدم پر رونما ہوتے ہیں سانحات کبھی کبھی گر قصوں میں سانحات کی نسبت اور کثرت ہوا اور منطقی طور پر ابھرنے والے واقعات کم ہوں ہیں یعنی واقعات کی جگہ سانحات سے ہیں تو بھر ایسے قصے میوڈرائی کہے جاتے ہیں۔ قصے کی پوری ترش خراسیسی ہونی چاہئے تو معتبر فطری درستی بخش معلوم ہوں۔ کامیاب واقعہ نگاری ان تینوں امور کے ہتمام پر منحصر ہے۔

جس طرح کرداروں کا ارتقا ہوتا ہے اسی طرح واقعات بھی ارتقا پذیر ہوتے ہیں کیونکہ ان دونوں کا باہمی تعاون بہت گہرا ہے وہ اسی ارتقا کے سہارے پلاٹ کی تعمیر ہوتی ہے۔ ان میں دونوں عناصر کے ربط سے پلاٹ بنتا ہے ہندو واقعات کے ارتقا کے لئے یہ ضروری ہے کہ یہ عنصر باقی اور نامائی رنگ میں ہو۔ ارتقا، خواہ کردار کا ہو یا واقعات انہیں یکساں

MECHANICA (مکینیکا) (ORGANIC) (ارگانک) رنگ میں ہوں اسی لئے کہ زندگی

[illegible]

دستان میں و قوت کی ہیئت کر۔ جسے انہیں علم میں ہیں و قوت کی کثرت ہوتی ہے جس کو دھڑ سے قوت پیدا ہوتی ہے۔ کبھی کبھی دستان میں و قوت کی درجہ سے دستان میں بہت معقول ہوتی ہیں۔ دستان کی خاص خصوصیت ہے کہ اس میں قصہ سے قصہ پیدا کیا جائے۔ ہر ت کی عمر و قوت سے دستان سے درجہ حرارت کے ساتھ قوت کی بڑی ہیئت ہے۔ راحت و روح میں بھی و قوت کی کثرت و مسلسل ملتبت ہیں جو کہ زیادتی و کثرت سے و قوت میں بھی رمزیت ہے۔ رمزیت ہی کی بنا پر و قوت میں وہ شخص نہیں جو کہ اس میں کوئی ہے۔ اس میں قصہ کی ہی ہوتی ہے جس سے انہوں و حالات سے زیادہ واقف نہ تر ہیں ہوتے۔ و قوت میں بھی قصہ۔ تحقیق زیادہ میں اس سے و کیف و کم نہیں جو ظاہری زندگی و حالات میں واقع ہونے پر کھٹکی تم چٹھے میں۔ اس رمزیت و دستان میں بھی و قوت کی ہیئت ہم آہنگی و تسلسل موجود ہے۔ زیادہ تر و قوت و کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی و قوت کی رو سے ہوتے ہیں۔

[illegible]

جستیں اس داستان کا ہم و قوس ہے اور صوفیانہ اور اخلاقی حقائق کا عکس ناک سا کچھ۔ روح کی طرف سے خلاق حمیدہ اور
نفس کی جانب سے غرض رذیلہ برسرِ پیکار کرتے ہیں آخر میں روح کی فتح ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس عالم اجسام میں ہمیشہ
روح و نفس میں جنگ چھڑی رہتی ہے۔ پوری داستان میں مختلف قسم کے وقوت رونما ہوتے ہیں جن میں سب سے زیادہ
وہ جنگیں ہیں جو روح و نفس کے درمیان واقع ہوتی ہیں جن میں خلاق حمیدہ کا غلبہ غرض رذیلہ پر ہوتا ہے۔ ان واقعات میں
حقیقت نگاری کا زیادہ دخل ہے سب سے اس جنگ کا نقشہ فی ہر رت در کا بنی کے ساتھ دکھایا گیا ہے۔ ختم و علم کا مقصد
ہے ختم کو شکست ہوتی ہے بلکہ، سے قتل نہیں کیا جاتا سب سے کہ عدل و انصاف و سیاست کے لئے رہن ضروری ہے ورنہ
قانون صومٹ کا جو مسئلہ ہے۔ سنی ات و بکل میں بھی جنگ ہوتی۔ بکل مغنوج و رسی ات فاتح ہو۔ شہوت و صبر کا مقابلہ بھی
ہمیت کا حاصل ہے۔ شہوت کی شکست ہوتی۔ شہوت و ختم دونوں صدمہ کے لئے نکی تعمیر و ترمیمت صبر و حلم کے ہاتھوں ہوتی۔
ختم صبر و شہوت سیم ہو گیا۔ ن دونوں خلق نفسانی کو پیش کر کے صوفی میری ہے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ سلامی نقطہ نظر
سے کسی خلق نفسانی کو ختم کر دینا من سب نہیں بلکہ فطری ضقیوں کے درمیان توازن و درست روی پیدا کرنے ہی کا نام خلاق
ناضد ہے۔ سی طرح جنگ کے، اور بھی جھوٹے جھوٹے وقوت ہیں جس میں خلاق ناضد و صوفیانہ حقائق دکھائے گئے
ہیں۔ نفس باغی کا واقعہ مرکزی کردار کے مقابل کی حیثیت رکھتا ہے۔ نفس کا رواج سے بغاوت کرنی دنیا کی محبت میں گرفتار
رہ کر غرض رذیلہ کو پہنا، بیع کرنا و روح کی طاعت قبول کر کے جنگ برآ، وہ ہو جانا شکست کھانے کے بعد ریا کاری، اور
مرب کی تدبیریں سوچنا بڑی مشکوک سے رفتہ رفتہ نقل و رہبریت کی تعلیم سے روح کا مطیع ہونا، دنیا کو طلاق
دینی و اپنی کارکردگی پریشیاں ہونا پھر روح کو معذرت نامہ لکھنا بی بی طاعت سے شادی کرنی یہ سب رمز کے پردے ہیں
صوفیانہ حقائق ہیں۔ صوفی میری نے روح کو نام نہان حقائق سے کھینچے ہیں جس میں کوہ من، غار یا اس قریہ عادت و غیور کا
نقشہ کھینچے ہوئے تصوف کے من رل ہیں کئے ہیں۔ ن وقوت میں ربط و نظم کی کچھ کمی ہے، یہاں معلوم ہوتا ہے کہ اپنے حیات
و نظریات کو زبردستی پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ربط، اعتقاد، مان، سدم وغیرہ کا کردار وقوت کو آگے بڑھاتے ہیں
کہیں کہیں، فوق فطری باتیں بھی ہیں جیسے جنت کا نقشہ جس میں گر کوئی گوشت کھا کر بڑی پھینک دے تو پھر جو نور زندہ
ہو جائے۔ روح ن چہروں کا نظارہ کر رہی رہا تھا کہ ناگاہ ہوا سے سطح میں بر ایک تخت تر، جس سے محبت نام کی ایک دو شیرہ تر
کر روح پر رافروختہ ہوئی اور اس سے محبت اور شادی کی دعوت ہوئی، روح کو، روح کی زندگی میں منسلک کرنے کے لئے یہ واقعہ لایا
گیا جو غیر فطری معلوم ہوتا ہے۔ قصہ طول دینے کے لئے یہ واقعہ گڑھا گیا جس میں معاشرتی زندگی کی ایک جھلک دکھائی منظور ہے
اسے دانتاب کو کردار صبر میں دیتے ہیں جس کی وہ سے ربط و تسلسل میں ہی ہیں کی نظر آتی ہے۔ روح کی محبت سے شادی ہو جاتی ہے
اور اسلامی قانون کی ناپرا تان قاصی، نکاح و ہدق و اقدام کو دہوئے نکاح کے بعد وصل کا بھی نقشہ کھینچا گیا ہے لیکن

”جب کوئی سوک طریقت اختیار کرے چاہے شریعت میں قدم گاہ درست و قدم استوار کرے کہ شریعت کی برکت سے اور طریقت کھستی ہے۔ درجب بقدم یا رنگ دعویٰ مالک طریقت ہو رفتہ رفتہ حقیقت کھلتی ہے۔ شریعت بمنزلہ جسم و طریقت بمنزلہ روح درحقیقت مثل جان ہے جب ن تین مزیوں سے سوا مت گذرے گئے معرفت کا میدان یہ مقبول مقتضایان طریقت ہے اس پر جماع اہل حقیقت ہے..... بندہ اگر بمقتضائے بشریت گنہگار ہو میں گرفتار ہے دروہل ہزار ہے، غصہ و جو روح کو وہ معصیت میں مگردن حکم ہزارہی حد ہے۔ یہ عارضہ رائق عروج اور قابلِ دو اس ہے زندانِ گویا میدانِ حشر یا حرمِ دوزخ اس کا درخش ہے اور اگر عقیدہ میں فساد ہے یہ بیماری دل ہے اگر زندگی میں نہ گئی ابد تک جان کشت میں ہے“

اس میں صدی دروہی پیش کش حسین مدد میں مختلف جگہ نظر آتے ہیں روح کا حقیقت کی تلاش میں طرح طرح کے رنج و کرم سے دوچار ہونا۔ یہ میں مہمات سر کرتے ہوئے منزل مقصود تک پہنچنا۔ تجلی گاہ حقیقت تک رسائی پس اخلاقی اور روحانی مرحلے ہیں لبنہ نیت سے شادی کرنی اور ولیمہ کی دعوت دینی معاشرتی اور تہذیبی مرقع نگاری پر لحاظ کیجئے

”شب برت سادی وصل سے یک چلہ تک اصلاح نیت بزم تہنیت تھی مطبخ کرم کرم تھا طعم ولیمہ کی دعوت نھی تمام ملک جہان خون نام کھا تو زہ دعوت عام تھا ہر جگہ سفرہ الوان نعمت کشادہ تھا ہر طرف سامانِ جشن حسن انتظام سے آدہ تھا مقربانِ حق صدق و توفیق و خدش اہتمام میں تھے ہمت دستاوت و شکر کام میں تھے“

اس میں سیاسی و اقتصادی ماحول کا مرقع نہیں ملتا ہے لبنہ معاشرتی جھلک جا بجا نظر آتی ہے۔

فضا آفرینی کے باب میں مسطر نگاری کی کافی ہمت ہے چنانچہ راحت روح میں مناظر نگاری کے نمونے کثرت سے ملتے ہیں۔ خطہ جسم کی مسطر نگاری دلِ خطہ کیجئے۔

”ایک خطہ دیکھ دیجھپ دیہ فند غمزدوں کے سے غمزدہ نظر بندی حکمت کا دل کش طسم تن و جسم اس کا اسم سو داس کا سودا ہیز آب و ہوا ہوس نیر۔ عنصر کی چار دیواری انجوبہ کا رخا نہ نئی تیاری۔ عمارتیں خام گدہ کا کام، مکانات قابل رہنے کے نہایت عریض مگر لکیں کی جگہ خالی۔ قطع معقوں وضع مقبول۔ ڈیس ڈول میں درست تنگ نہیں مگر خوبی میں چست۔ سجاوچ چمک دیک رنگ ڈھنگ آب و تاب، صفائی ستھرائی میں، انتخاب ایک دوسرے کا جواب مگر ہر ایک راجو ب جو چیز تھی بے مثل، ورنہ ادھرتھی ہر شے سے کاریگر کی یکتائی ظاہر تھی۔ انصاف ہنگام مشاہدہ عیش عیش کرے نگاہ صنعت صانع پر عیش کرے نظریں میں اگر کوتاہی نہ کرے دور کی سوچھے سمجھ اگر سیدھی ہو کر آئے بوجھے دانندہ صانع بے عدیل ہے صنعت اس کی ہماری دلیل ہے اگر ناظر تھوڑی سی صفت اس کی سامعہ کو منائے وہیم کچ فہم بہت فضول گوا اور چھوٹا

تجربے سیکلے مردم دیدہ گاہ ہیں روت کے گوہ میں سر سے ہر قسم داغ دس یس و سبع و ہند و درہا علی تن کالوہ
 عالم کا ہند کا آسمان تھا۔ قصر و ایوان دل کنس، مرصع و منقش و نندی کی جھپٹ سونے کا مہم۔ حسرت و تاسیس کا سر بنا
 نکتہ کے سنے موجب آرام قلعہ محفوظ بن مستحکم اور خوشنما پانچ دروازے کھینچے ہوئے نہایت دل شہر در پر تعین
 تو اس سے یک دربان ہوشیار، مگر خیر جان کے بیکار۔ آنکھ کے دروازے پر باقصرہ نگہبان مردم چشم اُس کے زیر
 فرماں چشم بددرد دیکھنے کے قاب میں سات پردے زر کے چٹل جس پر سرخ ڈوروں سے بندھ پردہ سادہ و سپید پڑے
 جس عبرت میں مناظر فطرت کی جھلک کم ہے بلکہ مستحکم، توں بیش یک بٹ سے درس میں حرمان نگاری
 بھی کی گئی ہے۔

حضرت صفوی میری نے جسم کی مناظر نگاری فنکارانہ انداز میں کس جہت سے کی ہے۔ اس میں مصنف کا
 صرحت پختہ ذہن ہی نہیں بلکہ تجربہ بھی شامل ہے۔ سارے نقشہ نظروں کے سامنے آتا ہے درمیانی کیفیت پیدا
 ہو جاتی ہے۔ اسی طرح عقل جب دنیا کی محبت میں گرفتار ہو گیا تو بصیرت سے عقل کو اس فریب سے نکال دینے کے
 محل کو دکھایا جس کی تصویر کشی صفوی میری نے اس طرح کی ہے

”بصیرت عقل کو دنیا کے رنگ ڈھنگ دکھ سنا کر وہاں سے کھڑکس مقام میں رہا تو وہاں محسوس ملکیت بھی
 مودار عفونت تھا۔ لیا خوب پھرایا ہر طرف ٹھلایا، توں میں بہت پر قدم پر عقل کو تنفر ہونا تھا۔ نئی حرکت پر نکتہ ہوتا تھا
 رکامات اُس کے صفائی سے خالی کدورت سے بھرے جس قدر کوئی مذمت کرے وہ اس کی تحسین ہے بدست سے اور زیادہ
 اس مذمت پر بھی بھروسہ ہے سرزمین پر اُس کے مزبلہ کا عالم بیخ ہے دنیا کینف، دھرم کا تھوڑا سا سودا سب قیزیوں کا
 دم مادر گندہ تاثیر نفس اُس کا دماغ سوز مینی گیر..... پیشگاہ صحن میں حائے باغ اُس کے کھولنے کی منت کے رہا۔ شہ
 بہاد اُس کی کوشش کا رنگ دکھاتی تھی، دامن نگاہ میں دھبے لگتی تھی۔ جو بوز وہاں کے مردھیادوں کے حرام حور۔ بھل
 وہاں کے ظاہر میں نظر فریب و خوش آئندہ، مگر کھانے والوں میں شرمندہ۔ ذائقہ میں اُس کے تخی دس نتیجہاں کا ندمت
 اور وہ بھی ناجیامت۔ یہ اُس کے جادو کا اثر ہے کہ بتدس کا کور کر ہے..... وسط باغ میں یک کمرہ ساز کوشش در
 سامان تکلف سے پر مصدق اعلیٰ اتم الحیوۃ الدنیا لہو لعب درینہ و تفخیر اُس میں ایک سونے کی
 موسہری پر کہ خوب گاہ اہل غفلت تھی جو اس گسترہ خط و شہوت تھی“

اس میں حزنیات کو بہت کمال رنگ میں موزونیت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اور اس کا ایک ایک جز نفسیاتی
 نکتے کو پیش کر رہا ہے۔

سہ راحت روح رغبتہ راقم الحروف صلی

بھس گئے میں پہٹ جاتی ہیں بابہ تھوڑی تھیں دور کی مسافت سے جس پر ہم آنا تھا۔ سو روپ کا خرچہ موت کا
سلام پہنچاتا تھا کہیں سو روپ کا تھوڑا سا زیادہ ہو گیا۔ سدا وہ جو کہ جنگ توڑا وہ وہاں پہنچا۔ تھوڑے
بیکار ہو جانے سے چڑھ گیا تو بہر اور تلو پر چھٹک کر کھڑا رہا۔ کسی طرف نہ بڑی کہیں تیرندازی کسی جانب
سو روپ کے درمیں گزروں کی۔ کہیں پہنچا اور کہیں کہیں دھبے گانسی۔ سو روپ کی وجہ پر یہ دسے موج بردار۔

روح عشق کو شکست دے کر دور سے مقید کر کے مستلہس ہو تو پھر حقیقت کا خیال با صواب حقیقت میں
صحر نورد ہو طرح طرح کے مصائب جھینٹا جنگل دیہاتوں سے کرتا ہو جنگل موسم میں پہنچا وہاں کا عقلمند سوئی ہوئی سے
س طرح کھینچا ہے جس میں صوفیانہ بشیرتوں کے علاوہ دخی اور فوجی سفر نگاری بھی ہے۔ اس انداز میں۔ توں
کی بھی جھٹک ہے اور منظر میں منظر کی بھی مصوری۔ داخلی کیفیات کو خارجی سماجی صورت کے روپ میں اس کے
۔ جب اس کو چہ تنگ سے نکلتے تو ایک جنگل میں پہنچے درخت اس کے خود رو پھول خوش رنگ گرہن تار اور
بدبودہ جنگل موسم بہ جنگل موسم تھا۔ دقوں کے سے در سے تختلہ نمودار۔۔۔۔۔ قریب اس کے کا روپ جس کو کہہ دو
قریب عادت کہتا تھا بیچ میں تھوڑی وسعت تھی کہ وہاں باز رنگ تھا مبد رہت تھی۔ عشق سے عبارت سے کہ چھوٹا تھا
کے ہوئے صحت ضرر میں رنگ با حسیب ختم قدم نیز کے جاتی تھی عشق قدم جستم عماری شوخی دھوکا تھی خطر کے
جھنے کا دل کے۔ کھنے کا رن تھا مریج نہ جاتی نہ نیا تھا تھا کہیں کچھ عود۔ صحت جیسے کا ستم بیک سوات
کے شیعے نرم گرد کھٹے پروردگار سے نیا کار مجرم مطبوعہ پرچہ دوں بندوں کے سے ذوق زیاں کسی طرف بھووں کے
برھیوں کی بہار، حماقت کے کھے ۶۵۔ ہر تکلف ہر سے وہ ہر سے ہر سے۔ اس پر کھنی طرف دقتار جہات سے سو روپ۔ ایک
حرف ذکر خیر کی محض مگر تکلف خداف و بادین کے نال ہر کوئی نظر سدا عطا خود سندی رسم کی تفہید رنہ کی
کی پامندی۔۔۔۔۔ کہیں بزم سنیوں کی فطر شوبی ہیں اور سینہ کوئی کہیں جس میں سوز خوئی کی دھن تان در و تاج
کی و دھیر بن کہیں تحت لفظ پڑھے دایوں کی ہر فت فی وہ وہ کہے دایوں کی فدر دنی کہیں تو ایوں کا گور۔ کھنی نہ
تو۔ ہاتھوں میں ڈھونڈ در ستر راس کی جوت ندر کی مار۔ پھر تو لوگوں کا بہ حال ہوا کہ صنبھل جی ہوا۔ خوب
کوئے گئے، جیسے دسے گئے، جیسے دسے گئے کہ مرے تو دست رہیں دست و کی ایک تار نہیں۔

مذکورہ بارعب رت میں تہذیبی و سماجی حالات کی کتنی عمدہ، ماحول نگاری اور جزئیات پر مبنی ہے۔ فتویٰ میری
سے منظر نگاری کا ماحول وہاں دکھایا ہے جب روح مقام تقویٰ کے طے کرنے میں مصائب و تکالیف سے دوچار

ہوا لیکن وہاں حقیقت کے عزائم اس کے قدم کو نہ روک سکے۔ رہ میں کہیں تنگ و تاریک غار کہیں روح فوسا
جنگل ملتے رہے بالآخر ایک غ نظر آیا جو غیر معمولی حسین تھا روح کو اس گلزار کے سیر کا اشتیاق پیدا ہوا لیکن
رہ نہ تھی۔ آخر حضرت یاقن نے مرۃ البقیع پیش کیا جس میں روح نے اس گلزار پر ہر کار نقشہ دیکھا اس میں
جنت کا نقشہ ہے جس میں جزیرت نگاری کی گئی ہے۔

”روح نے جو اس ششہ میں ملاحظہ فرما پا قدرت حق کا تاش نظر آیا۔ ملک عظیم پر از ناز و غیم ہر طرف
خوش قطع عمارتیں، ہر دم تازہ بشارتیں۔ ہر مکان سبب بھس سے سبب جو صفت کیجئے بجا۔ ہر قسم کی آرائش، ہر طرح
کی تسائش۔ ہر تکلف گرہ ہر بے تکلف دم بھر میں موجود در تکلف گرہ ایک بھی دعوت نہ ہو ابدالاً، دتک
مفقود وہاں جسے عزیز کہتے ہیں وہاں در مہمان کی خاطر ہے جو کچھ جی چاہے فوراً بے زبان لائے ہر طرف دیر کا
کام نہیں، نہیں کا نام نہیں۔ ہاں اندیشہ و فکر بہت نہیں خوشی کے چرچے تمام در کوئی ذکر بہت نہیں زمین وہاں گی
متک در عمارت کی ٹھیکریوں اور کنکریوں کی جگہ جو ہر درخشاں پر ہے کہیں چھوٹے در کہیں بڑے مکانات
بعضے نقرہ و طلا کے بعضے ایک ایک پارہ جو ہر ت گراں بہا کے۔ بعضی ہذا عقیس ہر شے تطویل کلام لاطائل
ہے، یہاں بوستان قابل دستاں درختوں سوزوں خوبی ناز سے اپنے بنے موقع پر سر فراز اور گہائے
رنگیں جلوہ ناز سے اپنے رنگ میں مت ز۔ ایک کی شوخی ایک پر غائب گرد و زوں کے طالب پوشش نا
سراسر در۔ با برہ۔ انواع و قسم کے درخت سرسبز در پہلے در گراں پر جانوروں کے چہچہے۔ میوہ توڑ کر کھائے
پھر درخت میں سسم پائے جانور ایسے نازک کہ رغبت کی نگاہ سے دیکھنے تو گرمی نظر سے کباب ہو جائیں قدرت کے
کرشمے دکھائیں، گوشت کھ کر ہڈی پھینک دے تو زندہ ہے پھر وہی پرندہ ہے ہر طرح کے حیور دشت سے دور
سراپا ہر ہمہ تن نقش و نگار۔ ان کے اد میں محبوب صدائیں مرعوب۔ کبھی در توت پر اور کبھی ہر میں۔
نہ سنج و عریذہ ساز ہوں در کبھی سامنے کر کرشمہ پرداز ہوں گانہ سنائیں رقص بے نقص دکھائیں۔
ہر رنگ کے بھول رنگ میں مقبول ہر قسم کے میوے مردوں کے پلے حق کی تعریف ہو سکے زمین میں ج بھی
چشمے جاری نیچے ہریں بیتیں در و پر باد بہاری۔“

اس منظر نگار میں فوق الفطری صر بھی موجود ہیں لیکن عداں سے پیرایہ میں جس سے دیکھی پیدا ہوتی ہے
در مبالغہ غیر فنکارانہ ہیں ہوتا۔ چونکہ رحمت روح میں روحانی کوائف کی بیش کش ہے لہذا غیر معمولی حرات

بھی حقیقت کے خلاف معلوم نہیں ہوتے۔

میں نے پہلے ہی عرض کیا ہے کہ فضا کفری کے سے باتوں اور جزبات نگاری بھی ضروری ہے۔ میں نے
صوفی منیری نے بھی راحت روح میں عدم نگاری کے پس پردہ موثرات و تدبیر کا فائدہ چسے جس میں نہ
میں پیش کیا ہے۔ شادی کے بعد شب عروسی کا نقشہ کتنے فنکارانہ انداز میں کھینچا ہے۔ روح کی محبت سے جب
شادی ہو جاتی ہے تو شب عروسی میں وہ تمام جذبے جو کارفرما ہوتے ہیں سب کا تحقیق کے یہ وہ میں جائزہ لیا
گیا ہے۔ درجوش میں پیش کی گئی ہیں ان میں بھی تمدنی و معاشرتی باتوں کی آئینہ سالنی ہوئی ہے۔
صوفی منیری نے کامیابی کے ساتھ فضا کفری کے فنی تقاضے پورے کئے ہیں فضا کو دردوں و واقعات
سے گہر ربط حاصل ہے۔ درد اصلی کو لطف و جی تعبیرات کے ذریعہ بہت پر تاثیر طور پر پیش کیا ہے۔

اسلوب بیان

کردار نگاری واقعہ طرزی، ورنہ فاضل فریبی کے بعد ہی سہی ممکن اسلوب بیان کی ہمیت کچھ کم نہیں ہے۔ داستان ناول اور مختصر افسانوں کی طرح ایک بیانیہ قصہ ہے جس میں فنکار کوئی قصہ زندگی سے، فطرت کے و تجربہ کی کسوٹی پر پرکھ کر پیش کرتا ہے وہ یہ قصہ تحریر کی شکل میں آتا ہے۔ ڈرامہ بھی قصہ کی ایک قسم ہے لیکن ڈرامے کا فن قصہ کو عملی شکل میں پیش کرتا ہے اور اس کو اسٹیج پر عملی طور پر متحرک شکل میں پیش کیا جاتا ہے۔ ڈرامے کے کردار اسٹیج پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور سامعین کرداروں کی گفتگو، لب و لہجہ اور حرکات و سکنات سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اس کے کردار زندہ اور متحرک نظر آتے ہیں اور ہماری زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں داستان یا ناول میں ڈراما کے برعکس قصہ بیان کیا جاتا ہے لہذا فنکار کے اسلوب بیان کی ہمیت اس فن میں زیادہ ہے کیونکہ قصے کی دلکشی اور جذبہ بیت کرداروں کا حسن، وقعت کی ترتیب و تنظیم، منظر نگاری کی جاذبیت سب کچھ اسلوب بیان ہی پر منحصر ہیں جس قصہ گو کی قوت ظہور بیان واضح ہوگی اتنا ہی زیادہ وہ قصے کی عناصر ترتیبی کو بحسن و خوبی پیش کر سکے گا اور قصے کے بیان و ظہور میں تسلسل اور ربط قائم کر سکے گا کردار نگاری ہو یا واقعہ طرزی یا فضا بندی یہ ساری باتیں حسن بیان سے دہشت و رکامیاب ہوتی ہیں۔ کرداروں میں زندگی، واقعات سے، سکی ہم آہنگی اور ماحول کی حسین پیشکش اسلوب بیان کے حسن ہی پر منحصر ہے۔ کامیاب فنکار اپنے مخصوص اسلوب کی مدد سے کرداروں میں زندگی بخشتا ہے۔ انداز بیان کی مدد سے کرداروں کی خصوصیت اور انفرادیت واضح ہوتی ہے۔ ان کی خارجی اور داخلی زندگی کی تفسیر و تشریح ملتی ہے کرداروں کا واقعات کے ساتھ ربط بھی قائم کیا جاتا ہے۔

جس طرح کردار نگاری کے لئے حسن اسلوب کی ضرورت ہے اسی طرح واقعہ نگاری کا مرحلہ بھی انداز بیان کی کامیابی کے ساتھ وابستہ ہے۔ معمولی اور ادنیٰ واقعات کو بھی قصہ نگار اپنے اسلوب کی مدد سے غیر معمولی بنا دیتا ہے ہم اور واقعہ واقعات بھی اسلوب بیان کے معمولی ہونے کی وجہ سے غیر دلچسپ بن جاتے ہیں ایک ہی بات زنجین شاعرانہ انداز میں بھی بیان کی جا سکتی ہے اور خشک فلسفیانہ انداز میں بھی لیکن اسلوب بیان کی قادر الکلامی شاعرانہ انداز بیان کو قبولیت و دلچسپی بخشی ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ جب تک جذبے میں خلوص اور تجربے میں صداقت نہ ہوگی بیان کی رنگینی اور حسن اسے پائیدار نہیں بنا سکتا۔ ہم جو کچھ بیان کرتے ہیں اسے مختلف اسالیب ہی کے ذریعہ پیش کرتے ہیں اس لئے کہ اسلوب کی کارفرمائی

دکاشی کی ضامن ہے معمولی واقعات بھی واضح روشن اور دلکش بیان پر تاثیر ہو جاتے ہیں اور غیر معمولی واقعات تو اور بھی نکھر آتے ہیں۔

واقعات طرزی ہو یا ذہنی اسلوب بیان ہی کی خوبی سے وابستہ ہے کیونکہ منظر کی دکاشی اور واقعات کی دلچسپی کے لئے اس کا ربط ضروری ہے۔ ایک کامیاب فنکار جب کسی چیز کی تصویر پیش کرتا ہے تو اسکی جزئیات پر بھی اس کی نظر ہوتی ہے اور ان جزئیات کو طرز بیان کے ذریعے موثر بناتا ہے۔ منظر نگاری کی ایک سادگی اور خاموش تصویر میں بھی حرکت اور زندگی سمجھنا ہے اس کے حوال میں روح پھونک کر جان دار بنانا ہے۔ اسلوب بیان کی خوبی اور حسن صرف اس کی تخلیقی اور حسین الفاظ ہی پر منحصر نہیں بلکہ موضوع سے بھی ربط اور میل ہونا چاہئے۔ عبارت آرائی میں الفاظ کی ترکیب و تنظیم ہی سے صرف خوبی پیدا نہیں ہوتی بلکہ فقرہ تراشی و جملہ سازی بھی ضروری ہے۔ عبارت میں بندش، جستی اور تسلسل بھی دہنی ہے، کہ توں اور منظر میں تجربہ اور فن کی پختگی ہو طرز اور اسلوب کیلئے بھی مقصد اور مواد سے ہم تنگی ضروری ہے۔ مختصر یہ کہ کردار نگاری، واقعات طرزی اور فنکارانہ سبکوں میں اسلوب بیان کی اہمیت اور حاجت ہے۔

داستان میں اسلوب کی کافی اہمیت ہے۔ داستانیں زیادہ تر ترجمہ کی ہوئی ہیں۔ کچھ داستانیں طبعاً وہیں لکس پر اپنے اپنے زمانے کی جھلک ہے داستان کے اسلوب بیان میں دو طرز اختیار کئے گئے ہیں۔ ایک سادہ و محاورہ اور روزمرہ ہے دوسرے رنگین معنی اور مسجع ہے ان دونوں میں طرز کاروں نے اپنی فنی مہارت اور پختگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اردو میں ان دونوں اسلوب بیان سے آراستہ ہیں۔ بیان چند لکھتے ہیں کہ

اگر زبان و طرز انشاء کے لحاظ سے دیکھا جائے تو دو انتہائی سرے ملتے ہیں ایک سادہ اور بامعورہ و روزمرہ دوسرا رنگین مسجع اور مفرس اور معرب پہلے کی بہترین مثال باغ و بہار ہے۔ دوسرے کی قصانہ عجائب تمام قصوں کے طرز ہیں ان کی طرح یا انکے درمیان کسی نقطہ پر واقع ہوئے ہیں۔ سادہ طرز میں باغ و بہار، مذہب عشق، آرائش محفل، طوطا کہانی، اخلاق ہندی، کیتکی کی کہانی، اشک کا امیر حمزہ، بستان حکمت، سفید کے ترجمے، بوستان خیال کے دونوں ترجمے ہیں۔ سفید نے عجائب کے ڈھنگ پر گل صنوبر، بستان سرور، شگوفہ محبت، سرور سخن اور طلسم حیرت ہیں۔ عام طور پر ہر داستان کی ابتدا میں زیادہ رنگینی مسجع اور عربیت کی کوشش کی جاتی ہے۔ ندر یہ نہیں چل پاتا۔ قافیہ تنگ ہو جاتا ہے۔ قدیم انشاء کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ بیان میں گہرائی کے نہیں طوالت کے قائل تھے۔ موجودہ زمانے میں الفاظ کو اس تفصص کے بعد رکھا جاتا ہے کہ مختصر الفاظ میں بہت سے معنی سما جاتے ہیں۔ معنویت کی زیادتی انہیں عبارت کی طوالت سے بچا لیتی ہے۔ انکے فقرے بہت چمکے تلے اور

گہرے ہوتے ہیں قدیم انشا میں جب کوئی بیان کرنا ہوتا ہے تو کسی فقرے یا لفظ کو دیکھ کر سوچنے کے بعد تحریر نہیں کیا جاتا بلکہ ایک جگہ لکھنے کے بعد زور دینے کے لئے دوسرے جگہ لکھ دیا جاتا ہے اور پھر تیسرا کسی ایک جگہ میں بہت جان نہیں ہوتی۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اردو کی شری داستانوں میں بھی مقفی اور مسجع عبارت کی مقبوضیت رہی ہے۔ رمزی داستانوں میں تو اس کو نمایاں مقام حاصل رہا ہے۔ سب رس اس اسلوب بیان کا شاہکار ہے، ابتداءً و بہار میں سب رس کی اور سداست کی صناعی ہے غالب کی تفریطیں، فسانہ عجائب کی عبارت اس اسلوب کی نمائندگی کرتی ہیں نظیر احمد رضا تبریزی کی ایک ایمائی اور رمزی داستان زبور۔ سب رس رجب علی بیگ سرور نے مقفی و مسجع عبارت کی صناعی کی ہے تشبیہ و استعارے کے علاوہ یہام اور رعایت لفظی کی رعایت ہے جس کی وجہ سے اسلوب بیان عام فہم اور رواں نہیں اور شاید رمز و ایما ہی کی وجہ سے اس کا خاص خیال رکھا گیا ہو۔

اس اسلوب بیان کے سلسلے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ باغ و بہار کی زبان عام فہم و سادہ و رو بہ اس میں دلی کی زبان و بیان کی خوبی بھی بیان کی گئی ہے۔ سرور نے اس کے جوہر کو نہ عجیب میں دیا ہے۔ لکھنؤ کی زبان پر فخر ہے اور اسے دلی پر فوقیت دیتے ہیں۔ تصنع اور تکلف اور رعایت لفظی کا اس میں خاص خیال رکھا گیا ہے۔ فخر الدین حسین سخن دہلوی نے سرور کی سخن لکھ کر سرور کے اس دعویٰ کو غلط ثابت کیا ہے اور دلی کی افضلیت کو ثابت کیا ہے۔ سرور کے شاگرد جعفر علی خاں شیون نے طلسم حیرت میں سخن دہلوی کے اس دعویٰ کی تردید کی ہے۔ فسانہ عجائب کے اسلوب بیان کی تعریف کی ہے اور سخن دہلوی کی مذمت بھی کی ہے چونکہ میخونی اور سخن دونوں غالب کے شاگرد تھے اور دونوں ہی کی نظر میں دلی کی اہمیت تھی صوفی چونکہ صوفی یا سفاقتے سنے، انہوں نے ادب کے پیرایہ میں رجب علی بیگ سرور کے اسلوب و طرز بیان کا جواب رحت روح کے اسلوب کے پس پردہ دیا ہے اور اس میں کامیاب بھی ہوئے ہیں۔

راحت روح کا اسلوب بیان مقفی اور مسجع ہے تشبیہ اور استعارات کی مرصع نگاری ہے عربی اور فارسی الفاظ کی بھی کثرت ہے لیکن اس میں ایہام اور پیچیدگی نہیں ہے بعض مقام پر تو عبارت میں طرز بیان کی وجہ سے ترنم پیدا ہو گیا ہے۔ ان کے مکالمے کے اندر بھی جانوری ہے ضرب مثل، محاورات کا بھی استعمال دلکش انداز میں ہوا ہے زبان تعقید و گنگنک سے پاک ہے راحت روح کے اسلوب بیان کا جائزہ دیتا ہوں تاکہ اندازہ ہو سکے کہ صوفی میری اس میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ راحت روح کی عبارت مقفی اور مسجع ہے لیکن فسانہ عجیب کی طرح تعقید و گنگنک نہیں ہے

بلکہ مزیت دایما ثبت کیلئے رنگینی اور صورت پیدا کی گئی ہے اور اس سے اسلوب میں اور مدد ملی ہے عبارت میں روانی بھی ہے، اور مفہوم واضح ہوتا چہرہ گیات اس میں تصنع اور تکلف نہیں۔ عبارت مقفی ہونے کے باوجود رواں ہے۔ باغ و بہار کی طرح روانی، سلاست و رسادگی نہیں ہے تو فسانہ عجائب کی طرح بھی عبارت میں تصنع، تکلف اور پیچیدگی نہیں ہے۔ فضا بندی دلکش در پر تاثیر ہے قلعہ دماغ کی تصویر کشی حقیقت نگاری کی ایک زندہ مثال ہے جس میں سلوب بیان کی معجز بیانی ہے غور فرمائیے۔

”سر سے پر قلعہ دماغ دلپسند وسیع و بلند و در بڑ عالیشان تھا تو یا عالم کا بید کا آسمان تھا۔ قصر و ایوان دلکش و منقش چاندی کی جھت سونے کا کام راحت و آسائش کا سر انجام انسان کے لئے موجب آرام قلعہ محفوظ پناہ مستحکم و خوشنما پانچ دروازے کھتے ہوئے نہایت دلکش ہر در پر جمیت حواس سے ایک دربان ہوشیار مگر بغیر جان کے بیکار آنکھ کے دروازے پر باصرہ نگہبان مردم چشم اس کے زیر فرمان چشم بدور دیکھنے کے قابل سات پردے نور کے حامل جس پر سرخ ڈوروں سے بندھا پردہ سیاہ و سفید پڑا۔“

یہ عجیب دلچسپ بات ہے کہ دماغ کے مغز کی دو تہیں ہوتی ہیں ایک کارنگ زرد ہے و دوسرے کا سفید تشبیہات علم تشریح کے عین مطابق ہیں۔ سی طرح آنکھ کی باڑیک جھلیوں کا میان پردہ کی صورت میں کیا گیا ہے اور باڑیک گوں کا نقشہ کتنا عمدہ پیش کیا گیا کتنی چھی حقیقت بینی اور حقیقت نمائی ہے۔

ایک جگہ روح کا کردار مصنف نے پیش کیا ہے مصنف نے روح کے اوصاف ایجاز کے پیرائے میں اس طرح بیان کیا ہے جس میں ”باغ و بہار“ کی لطافت کارنگ پیدا ہو گیا ہے مقفی ہونے کے باوجود تسلسل اور روانی کی صناعی ہے۔ ویسے تو خود باغ و بہار میں موزونیت کے ساتھ مقفی عبارتیں موجود ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

”بادشاہ جہاں پرور رعیت نواز دکر مگستر رکان دولت بمنظیر کارگر خوش تدبیر ہر یک اپنے کام میں جیت عقل ثابت ہوش بجا حواس درست شہر و قریہ معمور ملک آباد چشم روشن دل شاد خلق رضی رعایا نہاں پیشانی کشادہ چہرہ بجا لب خنداں دہن شیریں کام زباں پر خوشی کا کلام برو بدار شائے تیار باز و خم ٹھوکتے ڈنڈ پیستے سینہ کے سپرے پہاڑ ٹھیلے۔“

کہیں کہیں فسانہ بھی تب کے طرز بیان کی بھی جھلک ہے لیکن اس میں روانی زیادہ ہے تشبیہ و استعارے بھی ہیں لیکن تعقید دایما نہیں ہے جو فسانہ عجائب کا خاص انداز ہے بلکہ راحت روح کی عبارت میں تشبیہ کی مرصع کاری ہے۔ روح کے چاہ طبیعت میں گرنے کا نقشہ اور وہاں کی کیفیت اس طرح بیان کی گئی ہے۔

”عقل کو کچھ سوچتا نہ تھا سخت پڑتانی تھی نہ کو سوچ میں میری تھی نہ ہمتی تھی کہیں نہ مہمتی تھی۔ ایک نظر ہٹنے کا سمندر تک بھٹکنے کا یہ رہہ پتہ تھا سمجھائے نہ سمجھتا تھا ہر جگہ موندہ کی کھائی۔ جی ہی جانتا ہوگا جیسی جیسی جوت آئی کمر بستہ ٹوٹ گئی غنم ختیب ہاتھ سے چھوٹ گئی دفعتاً جاننا نہیں خانہ زین سے جدا ہو کر ماہ کنوں کے مانند چاہہ طبیعت میں موندہ کے بل گرا اور راہو رہے سوار دشت غفلت میں چھوٹا مویرہ و درہ ہکا پھکا چاہ کیا غار تھا ایسا تیرہ وقت کہ تاریکی کی شوخی چہرہ آفتاب میں سیاہی لگاتی تھی چہ در روز تو پردہ شب بنی تھی روشنائی چشم وہاں یہی دواوت کا رنگ دکھاتی تھی اندھیروں کے بادل فل پردہ چھائے ہوئے زاغ شب کے پیٹ سے بیضہ آفتاب نہ نکلتا تھا در درہ سے سر ڈاسے بازو پھیلے ہوئے تنگ ایسا کہ بقراری کر دے ہل نہ سکتی تھی آہ نکل نہ سکتی تھی ناہوں کا دم بند تھا جان پر گزند تھا سانس نکلنے کی جگہ نہ پاتے تھے سٹے پھر جاتے تھے غریق یہ اس کے قعر کو پستی میں تحت الثریٰ پر فوق حلقہ و مہر شیطان و س کے قیدیوں کے گلے کا طوق۔“

بصیرت نے عقل کو نفس کے پاس جانے کا مشورہ دیا اور نفس کو سمجھانے کی تدبیریں بھی بتائیں۔ سرکشی اور بغاوت کے علاج کا انداز اور حسن بیان ملاحظہ کیجئے۔

”بصیرت نے کہا عقل برہ ثواب جائے اس خود سر کو بجنون شائستہ سمجھائے شراب شباب کے نشہ میں سرشار ہے۔ علت الشبَاب تبعید من الجنون میں گرفتار ہے قمر ساطعی کا تذکرہ سہل کی کر دی دوا ہو۔ نیم و براس کا امتس اور اجزاء سے سوا ہو خدا کرے اخذ طافاسدہ و س کے باطن سے نکل جائیں سردوں کے روڑے جو سردارہ صراحی مزاج میں ٹل جائیں پھر شربت تبرید عنایات جہاں پنہاں کی تیجھی بات ہو کہ میداس میں بجائے نبات ہو بعد و س کے خوف عقوبت اور بیم مکافات کی تیج دوائیں دہن کے کھر میں حل کی جائیں پھر مید نبات اور توقع ترقیات کی شد و شکران میں ملائے معجون مرطب بنا کر مقدار مرض کے برابر صبح و شام کھائے۔ خدا چاہے تو نفع ہو عارضہ سرکشی رفع ہو اگر اطاعت قبول کرے عین مطلب ہے و گرنہ تعزیر اس کی انسب ہے۔ دوسری تدبیر ہو۔ اخذ لیل السیف نسخہ اخیر ہو تمقیہ کامل کا قصہ ہو رگ گردن کی قصہ ہو س آغاز کا نجوم السیف ص لا سلام یہ صبح ہے تو وہ شام ہے فوج جزا جہاں شمار ہے سرقت کی کو تیار ہے اگر صبح ہو الحمد للہ اور اگر جنگ ہو بسم اللہ سخن مختصر فرمان شاہی ہو اور عقل او دھرو را ہی ہوا۔“

صوفی کی عبارت صرف فصاحت و روانی نہیں بلکہ بلاغت بھی ہے الحمد للہ اور بسم اللہ کا کتنا خوبصورت موزوں اور پر معنی استعمال اپنی اپنی جگہوں پر ہوا۔ سبحان اللہ۔

راحت روح میں طبی اصطلاحات کو بھی بڑے ادبی انداز میں پیش کیا ہے۔ اس سے زبان پر قدرت اور فن سے واقفیت کا اندازہ ملتا ہے طبیعت کے لئے دافعہ، ماسکہ، اقسامہ، تمیزہ، مقصورہ، دافعہ، قوت نامیہ، و قوت جمادیہ وغیرہ لازمی ہیں۔ یہ تشریحی اصطلاحات ہیں جو فطری رنگ میں پیش کی گئی ہیں تشبیہات و استعارات کا استعمال صرف تصویریت نہیں معنویت بھی پیدا کرتا ہے

میدان جنگ کا نقشہ کھینچنے میں فنی اصطلاحات کے ذریعہ انداز بیان کو کتنا پرتاثر بنایا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے زبان پر قدرت کے علاوہ اصطلاحات سے بھی بخوبی واقفیت ہے۔ فن حرب کی اصطلاح جسے گھائی کہتے ہیں، سکو اس طرح استعمل کیا ہے مثلاً ”خشم پانودیکھتا تھا نہ سر پہلو نہ کمر طہانچہ نہ کڑک بیدھڑک وار کرتا تھا۔ کشتی کے فن کو کتنی فنکاری سے پیش کیا ہے ملاحظہ کیجئے۔“

”جب تیردکن تیغ و سنان سے کام نہ نکلا فتح و شکست میں کسی کا نام نہ نکلا نوبت جنگ ختم کے تالوں سے بلند آوازہ ہوئی خاک زمین دم و زرش روئے فلک کا غارہ ہوئی زور آزمائی باہم ہونے لگی کشتی دھام ہونے لگی گاؤ زمین کے سرکوب نکلے پانوں کی دھمک تھی کوس اذ از لزلت الارض کی کمک تھی دیر تک کشتی رہی دونوں میں سختی اور دشمنی رہی آخر کار اسی گیر و دار میں خشم نے چالاکی کو کام سرختم کا قبضہ سحام کرکے بری دستی کھینچی اور اٹھی ماری غضب کا جھوٹکا آیا زور کا جھٹکا کھایا شل موئے آتش یافتہ دریاں تافتہ اس پیچ سے بل کھا کر اینٹھ گیا قریب تھا کہ مونہ کے بن گرے مگر سنبھل کر دوزالو بیٹھ گیا۔ پھر دفعاً نہایت پھرتی جے جانب راست مڑ کر دشمن کے ہوش کی طرح اڑ کر پشت پر آیا نماز بند کی پیچ سے کمر بند پکڑ کر اٹھایا سر پر پھرا کر ناظرین کو دکھا کر اس طرح زمین پر دسے، مار کر نفس کے جی پر چوٹ آئی سردے مارا جلم نے سینہ پر چڑھ کر کہا کیوں مردار اب کہہ تجھے حلال کروں یا جیتا کھا جاؤں کیا ہاں کروں“

ایک جگہ عقل و عشق کا موازنہ بڑے فنکارانہ انداز میں کیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے اور اسلوب بیان کی فنکاری کی داد دیجئے۔^{۵۲}

”عقل میں آبادی ہے اور عشق میں بربادی عقل سبب عمارت ہے اور عشق سامان غارت عقل میں سیرانی ہے اور عشق میں مینابی عقل ابر حاصل اندوز ہے اور عشق برق خرمن سوز“

راہ تصوف کے راہرو تو بہت ہیں لیکن ہر کی کیفیت جدا جدا ہے۔ اسلوب بیان کی قدرت ملاحظہ ہو۔^{۵۳}

”راہ میں چلے والے، انہر یکھے بہت مسافر دیکھے کوئی صاحب عمامہ و عبا کوئی اہل دستار و قبا کوئی خرقہ پوش

کوئی آزاد خانہ بردش کوئی موشیا کوئی خود موش کوئی کویا کوئی خاموش کوئی سیدہ گوشہ سلامت کوئی حویں
جگر میدان سلامت کوئی منہ جاتی کوئی خراباتی کوئی محزون کوئی مسہروانی مست کوئی مخمور کوئی موش میں کوئی جوش
میں کوئی سمت کوئی چست کوئی تہستہ رو کوئی تیرہ رو

محبت اور روح میں شادی ہو جاتی ہے دھن د نقشہ کتنے دب و رشتا سسلی کے پیرایہ میں پیش کیا گیا
ہے ملاحظہ کیجئے

”ناگاہ ایک مرد جوان مردی میں فرو قوی جوان زور اور پہاؤں زبور دہ ۵۔ دلیہ و جہر تنہا بن رہا تھا
سیکڑوں قلعے فتح کئے ہوئے وادہ مدنگی دیے ہوئے عالم علوی میں جس کا شور تھا وراس پر سن کا بھی یہ زور تھا
کہ ہاتھ سے گئے اور ہاتھ سے پنجرہ لپٹے ہنسی میں بجلی کو زمین پر گرائے آنکھوں میں وہ نشہ نہ چشمہ بد دور
ساغ شراب طور وہ شاہ عشق کی فوجوں کا سپہ سالار تھان مقام تھان جذبہ اس کا نام تھا سردش غیبی کے ماتہ دس
بیدل کے سر پر آیا در پھول کی طرح اس کو دمن ناز میں لگی یا یہ تو باطل محہ تھا نہ سکر تھی نہ صحو تھا۔۔۔ جتا رہ
نے پردہ در اٹھا کر جملہ ناز میں لے جا کر منہ عنایت پر عروس کے ساتھ سردیا و محبت کو جہاں کی شرم سے ہونہ
دھلا دیہ محبت ہی کی سلسلہ جنبانی و پرچہ ساری تھی بیدریں کی دنیوری تھی مغن جذبہ جب پن کا مہر چاہیں
کو خفت ملی اشتیاق کی بن آئی کہ خلوت ملی مگر شرم در میان آکر اس سے جملہ ٹٹنے لگی نگاہ بھی اشتیاق کی کمس میں
لڑنے لگی آخر یہ غالب آیا شرم کو مار ہٹایا محبت نے اٹھ کر اس کے سرو پہنے ڈانوسے ناز میں پردہ کل ماسے دس
بھرا دمن سے دمن لب سے لب ملایا چشمہ تہی ت سے تب بقا پلا یا بار سے روج ہوش میں آیا در اپنے کو بار کے
آغوش میں پایا پہلے تو اس کو سادگی کے پیرایہ میں دیکھ وراپ دیکھا نئی ٹھنی باس رنگین میں در دھن بنی یک تو
اٹھتی جوانی اور پھر حسین اور اس پر آرائش و تزئین چشم بدور سو دلی نودہ دہ دید رکھی دوبارہ تھا پھر بخودی
کو آنے میں کونسا اور کیا چارہ تھا پھر بیہوشی چھائی فراموشی آئی محبت نے زلف مشکیں کا لہجہ سنگھایا بسوں سے قند کر
کا شربت مونہ میں پیکایا تو ہوش ہوا پھر توجہ کھوں کر ہم آغوش ہوا سوز و ساز یک ہوئے دونوں کے راز یک
ہوئے منی اور توئی نہ تھی آپس میں دوئی نہ تھی ستاروں کی نظر اور سایہ فلک کے آسیب سے بے خطر وہ عالم ہی وہ
تھا جاموں کی گردش تھی ساقی کا دور تھا ساقی وقت سا غزلے کہ نوش کیجئے بمطرب حال ساز درست کئے کہ جوش کیجئے
ہندی کے الفاظ بھی بڑی فنکاری سے پیش کئے گئے ہیں جیسے رنگ دھنگ، ڈیل ڈوں، سچ دھج، چمک مک
لوٹ پوٹ، کھوٹے کھرے، اوہل سنبھل، جوڑ توڑ، تین تیرہ، جھٹ پٹ وغیرہ۔

محاورات کے استعمال میں بھی چبکدستی کا ثبوت پیش کیا ہے مثلاً بانی بچانا، کہنکر ہلانا، آنکھیں چرانا، لنگوٹی پر پھاگ کھیننا، سود، پٹنا، دھولیں، رنا، پرے جمانا، تیوری چڑھانا، گوں لگانا، روغن قاز ملنا، سناگ لانا، پت پانی ہونا وغیرہ۔

راحت روح میں عربی و فارسی ضرب الامثال بھی حسن و خوبی کے ساتھ استعمال کی گئی ہیں جس کے اسلوب بیان میں بلاغت کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے مثلاً فارسی کے ضرب الامثال مثلاً خود را فیضت و دیگران را نصیحت، جو زوش گندم نما، موسے آتش یافتہ و ریسمان تافتہ، و گزیدہ از ریسمان پیچیدہ می ترسد۔

عربی کے ضرب الامثال ملاحظہ کیجئے سفر و سبلہ الطفر، اشباب شعبۃ من الجنوں، حر الحیل السیف، الدنوب مزرعة الاخرة، العضب قطعة من النار، قيمة المرء همتة۔

داستان و ناول میں بھی بین بین مکالمے آتے ہیں۔ ان سے وہ تو طرز میں تنوع پیدا ہوتا ہے۔ بیان میں ڈرامائیت پیدا ہوتی ہے اور کرداروں میں گویائی کی وجہ سے جان داری آ جاتی ہے۔ مکالموں کی کامیابی نئی باتوں پر منحصر ہے۔ زبان دانی، مشاہدہ حیات، کرداروں سے مطابقت، موقع اور محل اور کیف و کم کا لحاظ ضروری ہے۔ طویل مکالمے بارگراں ہوتے ہیں۔ مصوفی نے بھی جا بجا مکالمے کیے ہیں۔

راحت روح میں عقل اور نفس کے درمیان یک مقامہ ہے۔ اصل میں عقل نفس کو سمجھنے آتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

”نفس فتنہ جو آتش خو عقل کی ہوا خواہی سے بھڑک کر شعلہ کی طرح تند و تیز ہوا۔ زبانہ زبان سے شر را انگیز ہوا کہ میں کسی کا محتاج اطاعت نہیں تیری باتیں قبل سماعت نہیں۔ عام جسم میں شاہنشاہ نامدار میں ہوں۔ ہفت اقلیم ہفت اندام میں صاحب اختیار میں ہوں۔ شکر میرا اس حد سے باہر ہے کہ بیان میں آئے۔ خزانہ اس حساب سے زیادہ کہ لکھا جائے۔ عقل نے کہا اسے نادان دشمن جان یہودہ نہ ادب کہتے ہیں اب بھی سنہیں۔ آدمیت کے لباس میں آہوش کرو اس میں آ۔ راہ صواب ہم نے بتادی چھنے نہ چلنے کا اختیار ہے۔ یہ سبکسری سراسر بے کار ہے۔ میرا سمجھانا تیرے حق میں ایسا ہے جیسے اندھے کے آگے چراغ دہا علی الرسول الا البلاغ۔“

محبت روح کی تلاش میں آئی ہے اور اس طرح جملہ مہرے

”اس نے کہا میں تجبت جو رجا سے جمور زو سے جمور ہوں سینہ ہر گچھنے کے شیشہ محل کی مسین

ہوں۔ غصوت کدہ دل کی پردہ نشین ہوں جب وہاں آؤ گے مجھ کو وہیں پاؤ گے۔ ترک کو نہیں میرا مہر ہے

غیر پر نفات کیا تو قہر ہے۔ روح نے کہا اللہ اللہ“

مکاموں میں بھی عموماً مقفی طرز کا ہی برتاؤ ہے لیکن جو جہل پن نہیں ہے وہ یہ کہ جہاں سکتا ہے کہ

مجموعی طور پر صوفی کی مکامہ نگاری کا یہ ب ہے۔

پلاٹ سازی

داستان کے عناصر و خصوصیات کے جائزہ کے ساتھ ساتھ راحت و روح کا بھی تجزیہ کیا گیا اور اس کے پلاٹ کے خدو خال پیش کئے گئے۔ داستانوں میں قصہ ایک اہم جز ہے اور پلاٹ پورے قصے پر حاوی ہے لیکن اس کے باوجود داستانوں میں پلاٹ کی تنظیم و ترتیب ناقص اور ڈھیلی نظر آتی ہے بلکہ قصہ ہی کو پلاٹ سے تعبیر کیا جاتا ہے حالانکہ قصہ اور پلاٹ میں نمایاں فرق ہے۔

کردار، واقعات اور فضا کی ترتیب و تنظیم ربط اور ہم آہنگی کا نام پلاٹ ہے لیکن پلاٹ سازی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ قصہ کو ایک معین صورت اور قطعہ بندی عطا کی جائے۔ قصے کی ابتدا، درمیانی منزل، انجام، ورتیکمیل ضروری ہے۔ محمد احسن فاروقی، ورنور احسن ہاشمی لکھتے ہیں کہ

”پلاٹ میں قصہ نہایت سلیقے کے ساتھ ڈھند ہونا چاہئے ضرورت سے زیادہ واقعات یا حرکات جو نفس قصہ سے کم تعلق رکھتے ہیں یا سخت چوٹ دینا چاہئے پلاٹ بنانا ویسا ہی ہے جیسے کوئی بت تراش کچھ خاص بنی قاعدوں کے موافق کسی پتھر کی سل کو تراش کر ایک خوشنما بت بنائے مگر خوبی یہ ہے کہ اس میں بناوٹ کا ترخہ نہ ہو جیسے کسی بت تراش کے بت کا اصل سے مطابق ہونا ضروری ہے۔ الغرض پلاٹ کی بناوٹ جتنی زیادہ دلکش ہوگی اتنا ہی اچھا پلاٹ ہوگا۔“

میں نے اوپر جو پلاٹ کے متعلق تفصیلات پیش کی ہیں اس کا وجود زیادہ تر ناول میں ہوتا ہے داستانوں میں ڈھیلا ہوتا ہے کیونکہ داستان کے پلاٹ میں بندش کی جستی نہیں ہوتی اور نوع بیجا پایا جاتا ہے۔

پلاٹ سازی کے اعتبار سے راحت و روح کا جب تجزیہ کیا جاتا ہے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ یہ ایک داستان ہے لیکن اس میں بیجا طوالت، وغیرہ متعلقہ امور قصہ در قصہ نہیں پایا جاتا۔ داستان کا ایک حصہ نہایت ضروری اور ایک دوسرے سے مربوط ہے کسی ایک حصے کو اگر ہم ہٹا دیں تو داستان کی کلی حیثیت کو نقصان پہنچے گا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ راحت و روح کا پلاٹ گٹھا ہوا ہے اور اس میں عام داستانی ڈھیلا پن نہیں ہے

اس میں بیجا بیانات و تشریحات بھی نہیں ہیں لہذا ہم مجموعی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ راحت روح کا پلاٹ نہایت توفیق و عطا اور ہم آہنگ ہے۔ اس کا پلاٹ "سہرس" "منصفہ ملا وجہی سے زیادہ ربط اور ہم آہنگی رکھتا ہے۔ سہرس میں عشق اور عقل، تجربہ کے متعلق خواہ مخواہ کی طوں بینی پائی جاتی ہے۔ راحت روح میں یہ نقص نہیں ہے لیکن بعض موقعوں پر صوفی اشعار بہت پیش کرتے ہیں۔ مثلاً موت کا ذکر ہے تو اعم، عذابِ قہر اور راہ معرفت کے راہ رو نیکی بدی کی کیفیت پر تقریباً نوٹے اشعار کی نظم مکمل گئی ہے جو پلاٹ سازی کے فطری ارتقا میں رکاوٹ ہے۔ دنیا کی بُرائی دکھانی مقصود ہے تو ایک طویل نظم جس میں دنیا کی برائی تمثیل کے انداز میں پیش کی گئی ہے تحریر ہے۔ اسی طرح اور بھی چھوٹے چھوٹے نقائص ہیں۔

مجموعی تاثر کے اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ راحت روح ایک اعلیٰ درجے کی رمزی داستان ہے جس کے تجزیہ سے یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ اس کے عناصر ترکیبی عموماً فنی معیار پر پورے اترتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے نقائص کے باوجود راحت روح جزوی در کلی طور پر اوسط حجم کی ایک کامیاب داستان ہے۔

صوفی منیری کے دوسرے نثری کارنامے اور ان کا اسلوب بیان

صوفی منیری نے نہ صرف معرفت و حقائق کو داستانی پیرائے میں بیان کر کے راحت روح تصنیف کی بلکہ انھوں نے ان صوفیائے کرام کے حالات، اقوال اور رشد و ہدایت کا بھی تذکرہ لکھا جن کی زبان فیض ترجمان سے یہ حقائق و معارف صادر ہوئے۔ مصنف نے جہاں معرفت و تصوف کے دقیق مسائل بیان کئے وہیں عوام کے ایمان و عقائد کے لئے مذہبی نوعیت کے مسائل بھی لکھے جس کے ذریعہ ایمان و عقائد کی درستگی اور اصلاح کی کوششیں کیں۔ اور ادنیٰ مضامین کو دانشیں پیرائے میں پیش کیا۔ اردو نثر میں راحت روح کے علاوہ وسیلہ شرف، ذریعہ دولت، خط راست، عروۃ الوثقیٰ اور فارسی نثر میں خمخانہ و مصطلحات مکتوفین جیسی کتابیں تصنیف کر کے صوفی منیری نے اہم خدمات انجام دیئے ہیں۔ راحت روح کا تفصیلی جائزہ یا چچکا ہے اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صوفی منیری کے دوسرے تصانیف کا بھی مختصر جائزہ یہ جائے اور اس کے موضوع و طرز بیان سے بحث کی جائے۔

وسیلہ شرف | اردو نثر میں ایک تذکرہ ہے جس میں حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد عجمی منیری کے حالات قلم بند ہیں۔ بزرگوں کے تذکرے اور صوفیائے کرام کے حالات لکھنے کا رواج بہت قدیم ہے عہد قدیم میں ملفوظات اور تذکروں کا بڑا ذخیرہ جمع کر دیا گیا تھا لیکن یہ تذکرے عربی یا فارسی میں تھے اردو زبان میں اس طرح کی تذکرہ نویسی کا رواج دیر میں شروع ہوا اگرچہ یہ بھی حقیقت ہے کہ اردو کا فروغ صوفیائے کرام ہی کے ہاتھ ہوا اور ان ہی کی ابتدائی کاوشوں سے اس زبان نے علمی حیثیت اختیار کی لیکن مبسوط اور مرتب شکل میں صوفیائے کرام کے تذکرے اردو میں اٹھارہویں صدی عیسوی تک دستیاب نہیں ہوئے۔ وسیلہ شرف کو اس حیثیت سے بڑی اہمیت حاصل ہے کہ یہ اردو زبان میں صوفیائے کرام کا مبسوط تذکرہ سلسلہ ۱۳ھ میں مرتب ہوا ہے۔ اس میں جیسا کہ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد عجمی منیری کے حالات اور روش و شرب پہلی دفعہ اس تفصیل سے پیش کئے گئے ہیں اور یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت صوفی منیری

نے جس طرح یہ تذکرہ اردو میں ترتیب دیا ہے وہ صرف میں منسوب، صفا مصنفہ حضرت مخدوم شاہ تعییبؒ
 گنج ریفی مفوظ حضرت مخدوم حسین ہوتہ و حیدر درموس قطوب مفوظ حضرت احمد شہر دیا، انھی سے بنایا گیا ہے
 بعد ان روایتوں سے بھی روشن اس کرتا ہے جس کا تعلق سیف کے بجائے سیف سے ہے۔

اردو میں یہ پہلا تذکرہ حضرت مخدوم جہاں کے حرارت پر مشتمل ہے جس میں تیس کے حوالہ، خلق و عدت آپ
 کے من مرقوں سے تعلقات، عبادتیں اور ریاضتیں، ارشاد و ہدایات، اور تعلیم و تہذیب پر شرح و بسط کے ساتھ روشنی
 ڈالی گئی ہے اور دیگر مستند کتب و رسائل سے درج بھی پیش کئے گئے ہیں۔ درمیان میں جو بجا فافسی اور اردو کے
 شعبہ بھی رہے ہیں جس سے دیچھی میں ضائع ہو گیا ہے۔ اس تذکرہ کے تالیف کی خاص وجہ حضرت مخدوم سے غایت
 عقیدت و سلسلہ بیعت کی نسبت ہے۔ ۱۱ صدی وجہ رشد و ہدایت ہے، اس تالیف کے ذریعے غور و خوض کی
 رہبری کیسے باخصوص اپنے مہرین و متوسلین کے باطن کی صلاح جو اس میں کشف و کرم سے قدرے متراز
 کیا گیا اور مخدوم جہاں کی تعلیم و راقوں کا صفائی کیا گیا۔ مناقب، صفا مصنفہ حضرت مخدوم شاہ تعییبؒ کا ترجمہ
 کیا گیا ہے لیکن فکھ کرمسک کی وضاحت بھی مصنف نے کر دی ہے۔ یہ تالیف ۶۳ صفحات پر مشتمل ہے متعدد بار
 ریوڑ طبع سے آراستہ ہو چکی ہے۔ رقم حروف نے بھی سے ترتیب دے کر ششہ میں طبع کرایا ہے۔

راحت روح میں باریک تصوف نہ، خلائی اور عرفانی مسائل کو عام اور انداز میں پیش کیا ہے اس سے کہ سنے
 محض طب پڑھے کئے لوگ زیادہ ہیں۔ صوبہ بین بھی عقلی و سمیع ہے لیکن وسیع شرف کو عوام و رہنمائی پڑھے کئے
 لوگوں کے لئے لکھا ہے اس لئے عام فہم اور بول چال کی زبانوں سے قریب تر ہے اس کا طرز بیان سیدھا سادہ ہے نہیں
 کہیں شعار پیش کر کے عبارت میں جاذبیت پیدا کی گئی ہے جہاں ترجمہ میں اصل کی تعلیم کی گئی ہے وہاں قافیہ پوی
 ہے۔ چند اقتباسات بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں تاکہ وسیع شرف کے طرز بیان کا تجزیہ کیا جاسکے۔ حضرت مخدوم جہاں
 کے حالات شروع کرنے کے پہلے کچھ ن کی خصوصیات پر اس طرح روشنی ڈالتے ہیں:-

”وہ مجھ و تجھ پر توحید میں و مفرد نصیح تفرید میں، وہ بین کرنے والے دقیق و درحقیقت کے، وہ سام کرنے والے
 معانی حقیقت کے وہ صاحب صفا وہ مرد خدا، وہ سائن بجا حدیث، وہ متکلم مقام زودیت، وہ مبارز میدان دین
 مجاہدہ، وہ مالک ملک کشف و مشاہدہ، وہ سمیع و قف یقین، وہ ہما کے ہمت بل تمکین، وہ دادر تخت خلافت
 وہ سلیمان ملک محبت و معرفت، وہ واقف اسرار ہدایت و رہبری شیخ جہاں شرف الدین احمد بھی میری کب و ششخ عرفیت
 اور عظام اہل حقیقت سے تھے۔ ریاضت و مہرہ میں شان عجیب و غریب رکھتے تھے۔“

۱۱ وسیع شرف مرتبہ رقم الحروف ص ۵۔

مذکورہ بالا اقتباس میں تصوف کی اصطلاح سے حضرت مخدوم جہاں کی خصوصیات پر ایسی زکے پر لیسے میں اہذب کی کیفیت پیدا کی گئی ہے۔ اس کا طرز بیان متفقہ ہے۔ مناقب الصفا کا ترجمہ ہے اس لئے اس کی پیروی کا کافی خیال رکھا گیا ہے جس کے باعث ثقافت پیدا ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ اصطلاحی باتیں یا مذہبی امور پیش کئے جائیں گے تو اس میں ثقافت ہوگی۔ غرضیں ہر انسان سے ہوتی ہیں لیکن منہ سب ہے کہ اس کی پردہ پوشی کی جائے اور اس کے محاسن بیان کئے جائیں۔ اس موقع پر حضرت مخدوم کی تعلیم کا ایک واقعہ بیان کیا ہے اور مصنف نے آپ ہی کے احوال کی روشنی میں اپنی رائے بھی پیش کی ہے ملاحظہ فرمائیے۔

”سنا ہے کہ ایک شخص آگے گیا، ماست کی نماز کے بعد لوگوں سے آپ کو یہ بات پہونچائی کہ یہ مرد شراب خوار ہے فرمایا ہر وقت نہیں پیتا ہوگا لوگوں نے کہا ہر وقت پیتا ہے فرمایا ماہ رمضان میں نہیں پیتا ہے ف سبحان اللہ کیا پردہ پوشی اور شان ستاری ہے اور کیا خوب حسن ظن ہے۔ دوسرے پر آپ کا قول ہے کہ اگر کسی مسلمان میں کفر کی نشان دہی دیں اور ایک ایمان کی دیں پاوے تو اس ایک دیں کو ترجیح دے یہ دوسرے کے حق میں ہے اور اگرچہ میں نشان دہی دیں ایمان کی پاوے اور ایک دلیل کفر کی تو اس ایک دیں کو ترجیح دے اور ترسہاں اور لرزاں رہے اور اس کے اندالہ کی فکر کرے۔“

مذکورہ بالا عبارت میں ثقافت ہمیں ہے بلکہ عام فہم ہے چونکہ سنہف کی محنت عوام سے ہے اس لئے یہ نصیحت بھی سادگی کے پیرائے میں ہے تاکہ عوام کے دل میں تاثر پیدا کرے۔

حضرت مخدوم جہاں کے وقت تخریں کا نقشہ کتنا بدوہناک اور حسرتناک ہوگا ایسے وقت میں بھی آپ کی زبان فیض ترجمان سے ارشادات صادر ہوئے ہیں جنہیں آپ کے مرید خاص حضرت زین بدر عربیؒ نے قلم بند کیا ہے۔ صوفی میری نے اس کا ملخص ترجمہ کیا ہے اور وقت آخر میں کے ارشادات کو وائف کو مؤثر انداز میں اس طرح پیش کیا ہے۔

”پھر مولانا شہاب الدین ناگوری آئے۔ آپ نے کئی بار ان کے سر اور مونہہ اور ریش اور دستار کو بوسہ دیا آہ آہ الحمد للہ الحمد للہ کہتے ہوئے اپنا ہاتھ ان پر اتارتے تھے اور اور درود پڑھتے تھے اور مولانا شہاب الدین جب جب حضرت مخدوم کے جمال باکمال پر نظر کرتے تھے درود پڑھتے تھے۔ پھر فرمایا تم نے میری بہت خدمت کی ہے و حسن خلق کے

ساتھ تم نے میری موافقت و ملازمت بجد کی ہے عاقبت بخیر ہو۔ شہاب الدین نے مولانا مظفر بلخی اور مولانا نصیر الدین جون پوری کی یاد دلائی و عرض کیا کہ ان لوگوں کے باب میں کیا ارشاد ہوتا ہے۔ آپ نے بہت خوش ہو کر مسکراتے ہوئے فرمایا اور پانچوں انگلیوں سے سینہ مبارک کی طرف اشارہ کیا کہ مظفر میری جان ہے اور میرا جان ہے اور میرا نصیر دین بھی ایسے ہی ہیں جو کچھ خلافت و مقتدائی میں چاہئے سب ان لوگوں میں موجود ہے پھر قاضی شمس الدین آئے، و حضرت مخدوم کے پہلو میں بیٹھے۔ مولانا شہاب الدین درجہ اولیٰ و عتیق نے عرض کیا کہ قاضی شمس الدین کے باب میں کیا حکم ہوتا ہے فرمایا قاضی شمس الدین کو ایک کہوں گا۔ قاضی شمس الدین میرا فرزند ہے بمستیات میں کتنی جگہ میں دس کو فرزند نہیں سے کہیں برادرِ علم درویشی کے قابو ہونے کا باعث وہی ہے دسی کے در سے تنہا نہ رہنا جو اب ہے نہیں تو کون کھتا پھر مولانا قاضی شمس الدین و دمی قدم بدوس سوے آپ نے فرمایا پیرہ وہاں سے قصد کر کے میرے پاس آیا تھا۔ آپ کے سر مبارک پر طیقہ تھی رکھ دیا اور عاقبت کی دعا دی اور فرمایا۔ رو جاؤ اپنے دین و ایمان کا غم نہ کرو اور مشغول رہو پھر حضرت شیخ خلیل الدین برادرِ حقیقی اور خادمِ خاصِ کرب کے پہلو میں بیٹھے تھے انہوں نے آپ کا ہاتھ پکڑا۔ آپ نے ان کی طرف منہ کیا اور فرمایا خلیل خاں جمع رکھو، در کچھ وصیت فرمائے۔

مذکورہ بالا عبارت میں سادگی ہے۔ عام فہم ہے۔ بیان کرنے کا طرز دس نہیں ہے۔

ذریعہ دولت

ذریعہ دولت و پیدائش شرف کا تم ہے اس نے اسی کے ساتھ شامل ہے۔ اس تذکرہ میں بائیس انقباس قدسیہ کے حالات قلم بند ہیں۔ ذریعہ دولت میں حضرت مخدوم جہاں کے جانشین اور اخلاف کے سلسلہ بیعت کے بزرگوں کے حالات ہیں۔ حضرت مولانا مظفر بلخی، حضرت حسین نوشہ توحید بلخی، حضرت پیر بدر عالم نابھی (آپ کا ضمیمہ تذکرہ) حضرت حسن دامن جشن بلخی، حضرت احمد نگر دریا بلخی، حضرت ابراہیم سلطان بلخی اور حضرت درویش بلخی کا تذکرہ ہے۔ چونکہ سلسلہ فردوسیہ کی ایک شاخ حضرت درویش بلخی کے واسطے سے منیر شریف پہنچی ہے۔ صوفی منیری کی نانہاں اور بیعت کا سلسلہ بھی اسی سرزمین سے وابستہ ہے اس لئے صوفی منیری نے منیر کے بزرگوں کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ مخدوم درویش بلخی سے لیکر اپنے پیروں شہاد و بڑے بھائی حضرت شاہ اولاد علی منیری تک کے حالات یکجا کئے ہیں۔ فتح منیر کا بھی تذکرہ ہے۔ ان بزرگوں کے حالات صفحے کی بجائے سینے میں زیادہ تھے۔ اس لئے ان تمام حالات کو اس تالیف میں یکجا کر دیا گیا ہے۔ حضرت مخدوم شاہ دولت منیری سے

غایت عقیدت کی بنا پر اس کا نام ذریعہ دوست رکھی۔ ان بزرگوں کی روش اور مسلک تعلیم اور رشد و ہدایت کا ہر مقام پر خاص خیال رکھا گیا ہے جن بزرگوں سے فیض پہنچا ہے ان کا بھی تذکرہ ہے اس میں مریدین و متوسلین کے رشد و ہدایت تزکیہ باطنی، اخلاقی اصلاح اور تعلیم کیسے عام فہم زبان میں تحریر کیا ہے۔ فارسی اور اردو اشعار کے ذریعے شریعت کو تبلیغ اور لطیف بنانے کی کوشش کی ہے۔ یہ ایک سوینتالیس صفحہ پر مشتمل ہے چند اقتباسات بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں۔

حضرت حسینؑ نوشتہ توحید بخانی کے وصال کے وقت جو ارشاد زبان مبارک سے صادر ہوئے اس کا یہاں اس طرح ہے :-

”جب آپ کا انتقال قریب ہوا وادما جہ نے عرض کیا کہ ہم کو جو حاجت ہوتی تھی دینی یا دنیاوی حصہ میں عرض کرتے تھے اب حضرت کو یہ حال پیش آیا ہے ہمارا کیا حال ہوگا در عرض حاجت کس سے کریں گے۔ آپ نے فرمایا کیوں تعلق کرتے ہو جو تصرف کے ولی کو دنیا میں ایک چند ہے جب اس عالم میں جائے گا دو چند ہوگا کیونکہ دنیا میں روح محبوس اور قید ہے فوراً بذات خود مشرق و مغرب میں نہیں جاسکتی لیکن جب قاب سے جدا ہوئی اور مجرد ہوئی پیک مارتے میں جاسکتی ہے در فانیات میں ایک جہان کا کام کر سکتی ہے۔ تم کو جو حاجت پیش آئے میری طرف توجہ کرنا اور حضرت مخدوم جہاں سے عرض کرنا تمہارا کام ہو جائے گا، انشاء اللہ تعالیٰ۔“

ایک مقام پر اپنے ماموں حضرت اعظم علی عرف شاہ بیکن منیری کے حالات میں آپ کی تعلیم و تربیت کے متعلق لکھتے ہیں کہ :-

”آپ مرید و طالب کو تذکرہ موت اور تعلق قیامت کی ترغیب کرتے تھے کہ اپنے کو مردہ تصور کر کے حالت جاں کنی اور سوال و جواب منکر نکیر، در تنگی گور و عذاب و غیرہ کا خیال کرے اور رفتہ رفتہ اس خیال کو تصدیق اور یقین کے درجہ پر پہنچے کہ ایک دن مرنا ہے اور موت کو نزدیک خیال کرے تو محنت کی نیند سے آنکھ کھلے اور طول اہل کا سلسلہ ٹوٹے اور دنیا کی محبت سے دل

سرد ہو جائے سمیت اسے عربیان ملزم شہوات اکثر و ذکرہ دم اللذات اور کار عقبی کی طرف رغبت ہو اور حزن و درد و شکستگی پیدا ہو اور محبت حق دل میں گھر کرے اور طالب حق اور سلوک طریقت کا راستہ کھلے۔۔۔ اور جو اس روش پر قدم رکھے گا در اس نشان پر چلے گا وہ زیادہ جوش نہ کرے گا کیونکہ اس میں کار افتادگی و عجز و درماندگی ہوگی، ورنہ شکستہ خاطر اور درد مند رہے گا اور اس میں اضطراب پیدا ہوگا اور اضطراب فنا

ہے ایک وقت حضرت موسیٰ صدوات اللہ علیہ نے کہا، نبی تجھ کو کہاں ڈھونڈھوں قرآن
پہنچا شکستہ دلوں کے نزدیک عرض کیا الہی کوئی دل میرے دس سے زیادہ شکستہ نہیں حکم
آپا پس میں وہاں ہوں۔ شعر

زاں سوئے کائنات بازاریت کہ درو جز شکستگی نخرند

اس عبارت میں قافیہ آرائی ہوئی ہے اور سادگی کے قریب ہے، سلاست کا جزو کم اور بلاغت کا رنگ
گہرا ہے۔

حضرت شاہ ولاد مہی کے حالات میں ان کی تعلیم کو اس طرت پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:۔
”اور کم کھانا، اور کم سونا اور کم پوننا، و رخصت کے ساتھ صحبت کم رکھنا ضروریات سے ہے
اور خلوتِ معدہ اور خفتِ معدہ شرط ہے۔ عام اس بات سے کہ خفتِ معدہ ہضمِ طعام سے
ہو یا قلتِ غذا سے لیکن اپنی طبیعت کو اچھی طرح تو لے رکھنا ت عملِ خوارِ معدہ میں حاصل
ہوتی ہے یا خفتِ معدہ میں دینی ہی غذا معمول کرے، اور فراطرف سے پرہیز کرے
کہ دونوں مانع کار اور مضر ہیں اور کثرتِ افکار میں ہضم زیادہ ہوتا ہے اور آتشِ معدہ تیز ہوتی
ہے اور گرگشتگی کا غلبہ ہوتا ہے تو اس میں معذوری ہے اور ہمدار میں ذکر کی نظروں میں
صورتیں اچھی معلوم ہونگی اور سر و قدانِ نوحیز اور گلہ دیانِ دل آویز کے دیدار کا شتیق پیدا
ہوگا اور آوازیں بھی اچھی معلوم ہونگی، ورنہ وسوسہ و سرود کی رغبت ہوگی اور کلام پر مبنی حکمت
آئیز سوچیں گے اور بولنے کی طرف دل کو کھینچیں گے۔“

مذہبیت کا غلبہ ہے اس لئے واعظانہ رنگ گہرا الفاظ معرب و مفرد ہیں اس لئے عبارت میں
بوجمل پن ہے لیکن عبارت پراثر ہے۔

یہ تصنیف اردو نثر میں ردِ شیعیت میں ہے اس لئے اس کا انداز بیان مناظرانہ
خطِ راست ہے۔ اصل میں یہ ایک طویل خط ہے جسے اپنے مرید احمد علی نامی ساکن موضع سرین کندی
ضلع گیا کو شیعہ مذہب کی ایک کتاب کا شفع سرخفی نامی کے جواب میں لکھا تھا سے بعد میں رسالہ کی صورت دے
دی۔ اس رسالہ کے لکھنے کا سبب مصنف کے خط سے ظہر ہوتا ہے کہ احمد علی صاحب کے بہنوئی کا شفع سرخفی کے
مطالعہ کے بعد مذہبِ شیعیت کی طرف مایل ہوئے اور انھوں نے اپنی بیوی جو کہ حضرت صوفی منیری کی مرید تھیں

اں کو اس مذہب کے اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ جب اس کی اطلاع احمد علی صاحب کو ان کی بہن نے دی تو انہوں نے رسالہ کاشف سرسختی حضرت صوفی منیری کی خدمت میں بھیج کر اس کا رد لکھنے کی استدعا کی۔ پہلے تو مصنف موصوف نے اپنی روش اور مسلک کے مطابق خاموشی اختیار کر لی لیکن مرید مذکور بعد ہوئے تو ایک خط میں اس رسالہ کا جواب دیا جس کا نام بعد میں خط راست رکھا یہ رسالہ ستائون صفحات پر مشتمل ہے اس میں مستند تصانیف سے دلائل بھی پیش کیے ہیں، تم بحروف نے اسے بھی حاشیہ سے مزین کر کے مرتب کیا ہے لیکن غیر مطبوعہ ہے اور صوفی منیری کی تصانیف کے شامل ہے اس کا عزیز میان مذہبی اور مناظرانہ ہے۔ قرآن مجید کے ترجمے اور احادیث کی وضاحت جا بجا ہے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیے۔

کاشف سرسختی کے جواب میں لکھتے ہیں کہ:-

”تردید اس کتاب کی تدریج لکھی جائیں انشاء اللہ تعالیٰ بعض اجاب کو تکلیف دہنگا لیکن مجھے بھی کچھ مہاجرین و انصار و بل بیت و ازواج مطہرات سید ابراہیم علیہ السلام و علیؑ میں دیدہ کے فضائل بدیل آیات قرآنی کہ آفتاب نیمروز سے روشن تر ہیں بیان کرنا واجب ہے، و حدیثوں سے دلیل دینی بے فائدہ درنا مناسب ہے کہ مخالفین حدیثوں کے وضعی و جعلی کہہ دیتے ہیں گرچہ وہ موافق قرآن مجید کے ہوں بالک نہیں رکھتے اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں جب آیات قرآنی کی شان نزول میں تحریف کرتے ہیں جیسا کہ یثوف محرف آیاتوں کو جو منافقوں کے حق میں ہیں اصحاب رسول پر ڈھالتا ہے قرون کی طرح فتنہ پردازوں سے دین میں رخنہ ڈالتا ہے۔ برادران دینی کی خدمت میں التماس ہے کہ ان آیات کو جو ہم معہ تفسیر تحریر کرتے ہیں بغور ملاحظہ کریں اور نوبر دلائل قطعہ کی شمع ہاتھ میں لے کر دیکھیں کہ راز دزد کو کیا سوچھے گا جس کے دیدہ دل میں نور ایمان ہے وہ دیکھ کر بوجھے گا و یا، اللہ التوفیق و موافق“

انداز بیان صاف ہے خال خال مقفی کیفیتیں پیدا ہو گئی ہیں چونکہ موضوع مناظرانہ اور مباختانہ ہے اس لئے اسلوب بیاں میں اتنی شگفتگی نہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دھار کے بعد خلافت کے تشرعی معاملے پر اس طرح روشنی ڈالتے ہیں:-

”اللہ اللہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا مسلمانوں پر قیامت ٹوٹ پڑی

جہان تاریک ہو گیا بعضوں پر دیو بنی جنوں پر یہ ہوشیاری ہوئی حواسوں میں فتور ہو
 دفن کے بعد بعضے غم دیدہ مہینہ منورہ چھوڑ کر جنگل میں نکل گئے، اور بعضے بستیوں میں چلے
 گئے کسی نے دعا کی اپنی میری نکھیں سے لے کر تیرے حبیب کے مشاہدہ جہاں کے بغیر اون
 کو میں نہیں چاہتا اور فوراً بینائی جاتی رہی بعضے کنج خانہ میں قید غم کے زندانی زندہ درگور
 رہے خصوصاً اہل بیت اطہار و اصحاب کبار۔ غرض غس و تکفین حسب وصیت مردان
 اہل بیت کے متعلق ہوا اور چونکہ انتظام، حکام، سلام ضرورتاً بحکمہ صدر و اوصحاب
 اور رابطہ صبر کر کے اس دلیل سے کہ شدت مرض میں نماز کے وقت بدلانے طلاع دی
 کہ الصلوۃ یا رسول اللہ آپ نے فرمایا بوبکر سے کہہ دو کہ نماز پڑھاؤں اور وہیں در
 بھی ہیں کہ وہ بھی قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں مومنین کے مشورے سے
 امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خبیثہ ہوئے پھر اس تو مجسمہ کہ در میں غش تکمیل
 میں جگہ دی۔ بیت

چوں عرش دل زمیں کش دند دس نور خدا وراں نہادند
 ایک جگہ پھر اس طرح فرماتے ہیں کہ:-

”جن لوگوں کی صحت میں آیات و احادیث ہیں اور میں تو کوئی گفتگو ہی نہیں عظیم من کی
 فرض ہے سوا اون کے جن کا صحنی ہونا اخبار معتبرہ سے ثابت ہے گران سے کسی وقت میں
 کوئی کارنا پسندیدہ ہو گیا ہے تو پس اس ادب صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ
 اس میں بہت سی حدیثیں ہیں اہل سنت والجماعت محل خطر سمجھ کر حذر رکھتے ہیں و کفایت
 لسان کرتے ہیں زبان نہیں کھولتے و یہ راہ سلامت ہے بفتویٰ من مسکت سسم
 و من سلمہ نیچو چپ رہا سلامت رہا ورجو سلامت رہا نجات پائی اور یہ وہ وسط
 ہے اور خیر السبل ہے یعنی سب راہوں سے خوب ترکہ تو وسط ہر امر میں بہتر ہوتا ہے جیہ کہ
 خداوند تعالیٰ نے اس امت کو فرمایا ہے جعنت کم امۃ وسط و رد دوسری جگہ فرمایا سنتہ
 خیر امۃ اور صراط سونی ہے یعنی برابر اور ہموار جس میں افراط و تفریط کی بندہ ہی پستی
 نہیں اور کامل اور پوری کہ ناقص نہیں کیونکہ اصحاب و اہل بیت سب کو ملتے ہیں اور

ادب و اکرام سب کا واجب جانتے ہیں اور صراط مستقیم ہے یعنی جادۂ راست گردن پیشواؤں کی پناہ میں پہنچنے پر سیدھے بخط مستقیم چلے جاتے ہیں اور چپ و راست کچ نہیں ہوتے شعری نگاہ دار دو پہلو بخط راست برو میانہ باش کہ خیر الامور اوسط راست۔

مذکورہ بالا عبارت میں چونکہ مناظرانہ انداز بیان ہے قرآن مجید کی آیتوں سے بھی دلائل پیش کئے ہیں اور عربی ضرب المثل بھی جا بجا تحریر ہے اس لئے اسلوب اظہار میں رنگارنگی ہے۔ زبان عام فہم ہے لیکن کہیں کہیں فارسی ترکیب کی وجہ سے ثقافت پیدا ہو گئی ہے۔

العروۃ الوثقیٰ | صوفی منیری کی یہ تصنیف اردو نثر میں ہے لیکن نامکمل ہے۔ سب سے پہلے صفحات پر مشتمل ہے اور تین ابواب پر منقسم۔ پہلے باب میں ۱۹ فصلیں ہیں پہلا باب عقائد شریعی مکتوبات حضرت

مخدوم جہاں کا ترجمہ ہے جس میں عقاید و ایمان پر بحث کی گئی ہے۔ دوسرا باب حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کے بیان میں ہے، اس باب میں حضرت رسول اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک، اور اخلاق و عادات پر روشنی ڈالی ہے اور قرآن و احادیث سے دلائل بھی پیش کئے ہیں۔ تیسرے باب میں حضرات خلفائے راشدین کا تذکرہ ہے لیکن بہت مختصر ہے صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تذکرہ اختصار سے ہے اور ضیف دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا تذکرہ نامکمل رہ گیا ہے، ایسا معدوم ہوتا ہے کہ مصنف کی زندگی نے وفات کی اور موقع نہ مل سکا۔ اس کا سن کتابت ۱۳۱۵ ہجری اور مصنف کا سن وفات بھی ۱۳۱۵ ہجری ہے۔ یہ تصنیف ابھی تک قلمی شکل میں ہے۔ عروۃ الوثقیٰ کا اسلوب بیان پرانے طرز کا ہے، اس لئے کہ اس میں مذہب و عقیدے سے بحث کی گئی ہے اس کی عبارت کے مطالعہ سے اس کی قدر و قیمت متعین کی جاسکتی ہے۔ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

”فصل دوسری یگانگی میں خدائے تعالیٰ کے :- جب ہستی خدائے تعالیٰ کی دلیل سے ثابت ہوئی تقید سے نہیں جانتا یگانگی کا اس کے بھی واجب ہے اور وہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ دو ہوتا کوئی کام درست نہ ہوتا کیونکہ ایک چاہتا کسی چیز کو بہت کرے دوسرا چاہتا نیست کرے یا خواہش دونوں کی پوری ہوتی اور یہ محال ہے کیونکہ لازم آتا کہ وہ چیز بہت بھی ہو اور نیست بھی ہو ایک حال میں اور وہ محال ہے یا خواہش دونوں کی پوری نہ ہوتی وہ بھی محال ہے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ دونوں عاجز ہوں در عاجز خدائی کے لائق نہیں اور اگر کہے تو ایک دوسرے کی موافقت کرتا جس چیز میں کہ وہ دوسرا چاہتا کہوں میں وہ بھی

باطل ہے اس لئے کہ کام سر یک ہ موقوف سے موقت پر دوسرے کے یا موقوف نہیں ہے
اگر موقوف ہے دونوں ناقص ہے و اگر موقوف نہیں ہے دوسرے باطل ہوا تو اس پر کوئی کام
موقوف نہیں ہے ہونا نہ ہونا اس کا برابر ہے۔ جب دلیل سے دوسرے باطل ہو، یگانگی قطعاً
ثابت ہوتی۔“

چونکہ عقائد و ایمان پر بحث ہے اس لئے زبان میں سلاست نہیں ثقہ سے بلکہ ہمیں ہمیں منطقی دلیل
کے سبب تعقید کا شبہ ہوتا ہے۔

دوسرے باب میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک اس طرح تحریر فرماتے ہیں :-
”آپ میاں نہ قدر تھے نہ فریب نہ ناغہ مقتداں جسم یوں بدن مناسب اعضا اعضا کے جوڑ مستحکم
جب کھڑے ہوتے سب سے بلند و سر فراز و جب بیٹھتے سب سے نیچے و ممتاز نظر آتے چہ
قد اور لوگ جمع ہوتے۔ رنگ سفید و روشن و صاف، دل بہ سُرخ کنہ و ہاں پسینا آپ کا
مشک، نافر سے زیادہ خوشبو۔ دونوں شانوں میں وسعت تھی اور درمیان دن کے مہر بہت
تھی ہوئے مبارک کبھی کانوں کی نوک کبھی کندھوں تک۔ آپ ہالوں کو چار حصہ کے بلاق
جیسو کے دونوں طرف چھوڑ دیتے تھے اور جب کٹاٹھی کرتے تھے شکنوں سے اس کے نہ معبود ہوتا
کہ نور موج دار رہا ہے اور سترہ بالوں سے زیادہ نہ پکے تھے اور چہرہ مبارک مطلقاً مدور نہ تھا مگر
یک تدویر اس سے پیدا تھی اور روشن تھا چودھویں کے چاند کے مانند چہرہ کہتے ہیں کہ
میں ایک رات کہ شب بد رقی چہرہ مبارک پر نظر کرتا تھا میری نظر میں آپ کا چہرہ چاند سے
اچھا تھا۔ ابو بکر صدیق جب آپ کے چہرہ پر نگاہ کرتے تھے یہ شعر پڑھتے تھے شعر

امین مصطفیٰ بالخیرید عوا لضعاء الشمس رائیة النورام

مذکورہ بالا عبارت میں قافیہ چماتی ہے لیکن خال خال اور مناسب جس سے عبارت میں رنگینی اور دل کشی
پیدا ہوتی ہے اور حسن بیان میں لطافت۔

حضرت منیری نے صرف اُردو و ترکی میں جو لانی طبع نہ دکھلائی بلکہ فارسی میں بھی اسی طرحی ذہنی کاوشوں اور
فنی چابک دستی کا ثبوت پیش کیا۔ آپ کے زور قلم کے نتیجے دو اہم تصانیف نکلنے لگیں اور مصطلحات المتصوفین ہیں جو
فن تصوف اور اصطلاح تصوف کے لئے کامیاب ہیں اور فارسی نشر کے محقق کے لئے ایک بیش بہا سرمایہ۔ زبان و بیان

کے عتبہ سے بھی قادی مہمت کے حامل ہیں میں صرف ان دو تصانیف کا زبان اور موضوع کے اعتبار سے جائزہ لینگا۔
 یہ فارسی شریں ایک مختصر رسالہ ہے جس میں پیمانہ پیمانہ کر کے اخلاق و تصوف کی تعلیم دی گئی ہے۔
 شمسہ ہجری کی کثامت مصنف نے اپنی کلیات میں تحریر کیا ہے اس کی طرز تحریر میں سادگی اور فصاحت
 وسدست ہے۔ سعدی شیرازی سے متاثر نظر آتے ہیں۔ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

یہ پیمانہ مقربان سلطنت محمود بر منزل آیاز رشک بردند و چیزے می گفتند۔ شاہ
 بتبید ویشاں را بطلبید و گوہر غریب بدست شش داد و گفت این را بشکند ہمہ گفتند
 سے خداوند متعال نادرو گزین بہا است ضائع کردنش ناروا است۔ پس بہ آیاز نیز گفت
 اودر حال شکست شاہ گفت اسے آیاز چنین گوہر نایاب را چہ شکستی گفت خطا کردم
 پنجش نگاہ تہاہ روئے بدیشاں آورد و گفت شہ سنگ پارہ رنگین را دیدید و سراز
 فرین ما پیمیدید و آیاز چوں سنگ در پیش دید آں را از راہ عبودیت بر چید نظر بر آں
 سنگ نہ کرد و التفات بدان رنگ اودراں نگریست کہ این حکم کیست حق بندگی نگاہ
 داشت و ادب فرمان شاہ باز چوں ملزم کرد مش گردن نہاد و بجرم خود اعتراف کرد
 و دیس نیاورد و از اہم بر خویش تن گذاشت و خود را متہم داشت ع بندہ بودن چنین
 بود کہ۔ آیاز در محمود بیند نہ در سنئے اودا نظر بر شاہ و شہا بر رنگ اودر نظارہ
 سلطان و شہ مشغول یں و آں بندہ۔ آیاز است کہ ہمہ تن نیاز است و زان بحضرت ما
 ممتاز است تا بدینکہ بندگی سراقندگی است خواجہ شنائی فرماید رحمۃ اللہ علیہ بیت
 نہ رود بر مراد ما کا رسے بندہ بودن چنین بود آرسے

خو جہ جنید رضی اللہ عنہ فرمودہ است کہ بیس در طاعت مشاہدہ نہ یافت و آدم علیہ
 السلام در گنہ مشاہدہ گم نہ کرد و مولانا جلال الدین رومی برد اللہ مضجعہ گفتہ است کہ
 بیس نادمانی کرد و فعل خود بحق بر بست و بردار اصرار شدت و گفت فیما اغویتہ
 لا عوبتہم و آدم را صلوات اللہ علیہ زلت افتاد بآداب پیش آمد و معترف بقصیر خویش
 و تقدیر راجحت نیاورد و گفت ربنا ظلمنا انفسنا۔ شعر

گناہ گرچہ نہ بود اختیار ما حافظ تو در طریق ادب کوش گو گناہ من است

مذکورہ بلاغ رت میں گلستان سعدی کی تقلید کی گئی ہے اور حکایات کے ذریعہ وحفظ و نصیحت کا راز اختیار کیا گیا ہے۔ زبان بھی عام فہم ہے سلاست اور روانی کی معجزہ آئی ہے جو بجا و بجا و بجا و بجا کے تدبیریں رنگین بیانی کے لئے استعمال کیا ہے، سلاوب بیان میں لطافت ہے، یہ معلوم ہوتا ہے کہ صوفیانیہ کی و فارسی زبان پر بھی کامل قدرت ہے۔

الہ و الے دنیا کی دوست و ثروت سے کتنی پناہ ملتے ہیں ورموت کو اس پر ترجیح دیتے ہیں اس کی مثال ملاحظہ فرمائیے:

”پیمانہ در عہد خدقت عثمان رضی اللہ عنہ مردے بود کہ چوں از فرض پرداختند سے
 بک بر خاستے و وہ خانہ گرفتے۔ روزے ذوالنورین زوے سبب شتبیں پر سبب
 یا امیر المؤمنین میرس ترسم کہ دیں حکایت شکایت بود و من در وقت تکیاں رود باقی
 دارم دل خستہ چوں من ز غم و دوست حاسد ریش گفتہ شکوہ دوست
 ہر نیک و بد سے چوں میرود از تقدیر بد گفتن من بدست و دوست
 در میان دو تن ہمیں یک ستر پوشے دریم کہ یکے بعد دیگرے در ستر نمازی از یک بیت
 و خدشت فت و از عقب و سے امیر المؤمنین۔ شہید و سید و کور و دوست
 کہ و سے مناجات در آمد و منکوہ اش میں ہمیں گفت کہ ہی و زعمت خیفہ رسوں زمرہ
 سترانی ندایم و سے دتیار مجسم بردہ آوردہ است و بہر گوردن نہ ہمیں چوں نہ
 تا ازیں کشاکش وادہیم دعا بہ اثر حفت بود و موشی نتیجہ اس گفت و مہمیں ناں چہ
 الحاح کرد جوابے نہ یافت چوں بنی نہ در آمد و جہان بحق سپردہ بود و نہ و سے دوست بردہ
 عثمان رضی اللہ عنہ ہاں نقد و جنس کہ بردہ بود یہ تجہیز شہاں پردخت و بقیہ وقف و خیر
 ساخت۔ ملا حسین بی

”ناں کہ خدایگان دین اند در راہ طریقت میں چنیں نہ“

مذکورہ اقتباس میں کتنی سادگی اور سلاست ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ہر جہر تاثر میں روبا ہوا ہے اور دل کی گہرائیوں میں اترتا جاتا ہے۔ مقصد طرز سے، صحت طرز سے اور سادگی اور پُرکاری کے اصول کو برتا ہے۔

لے ختمانہ مصنف حضرت صوفی میری (قلی)

مصطلحات المتصوفین | حضرت صوفی منیری کی یہ مایہ ناز تصنیف فارسی نثر میں ہے اس میں صوفیائے کرام کے مصطلحات کی برسی وضاحت سے تشریح کی گئی ہے۔

صوفیائے عظام کے اقوال و اشعار سے دلائل بھی پیش کئے گئے ہیں مصنف اور شاعر کا نام بھی تحریر کر دیا ہے اس کتاب میں حروف تہجی کے اعتبار سے حرف الف سے لے کر ہائے ہوز تک کے مصطلحات کی وضاحت کی گئی ہے، اس تصنیف میں مسلک شافعی طریق پیران فردوسیہ پر بھی روشنی ڈالی ہے، اس تصنیف کا قلمی مسودہ خود مصنف کے دست خاص کا نوشتہ ہے جو سلسلہ ہجری میں مکمل کیا گیا۔ دو سو چھیالیس صفحات پر مشتمل ہے، در بڑی تقطیع میں ہے یہ تصنیف زبان دبیان کے اعتبار سے بھی اہمیت کی حامل ہے اس کا دوسرا نسخہ بھی مصنف کے صاحبزادہ شاہ اسد اللہ منیری کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اسی نسخہ سے چند قبباس بطور نمونہ پیش کرتا ہوں۔

”فقیر کے کہ بیچ چیز محتاج نشود چنانکہ یکے گفته است لفقیر لا یحتاج الی سہ ای سبیبہ و حفظ نفسہ و دیگرے گفته است لا یحتاج الی نفسہ دلا الی رتبہ بعضے میں قول رافبت بخواجه بنید رضی اللہ عنہ کردہ اندیشاں مقتدرے طریقت بودہ اند ز اہل محو و محی ب تمکین و زیں قول سکر و مستی و غلبہ ص تراوش می کند و در تذکرہ اولیہ و غیر ہم این قول منقول نیست بہر کیف معنی آنست کہ احتیاج صفت موجود یعنی صفت اہل ہوش و تمیز باشد و فقیر چوں در بحر نیستی غوطہ خورد اصبہ جش نہاند یعنی نظرش ز رویت احتیاج ساقط گردید چنانکہ شیخ جریری رحمۃ اللہ علیہ فرمودہ است الفقیر من لا قلب لہ ولا دین لہ ولا دین لہ ہر کہ راقب نبود بے دین بود و بے دل از خودی گذشتہ بود و از قید تمنا و آرزو آزاد گشتہ فص

گوئی بوقت قتلم ہاں چہیست آرزویت

من دل ندارم اے جاں من آرزو ندارم

تن سے دین محی طبع نبود لاجرم مفتی شرع خاموش شود و قاضی عقل خود فراموش فص

تا بود در من آگہی باقی باشد آزار با من اے ساقی

بیخودم کن دوائے من ایلات من نہاتم شفاء من این است

”خال اثرات است نقطہ دہشت میں حیات اٹھا کر مدد کو منتہا ہے کہ تہ است
 است منه بدء والہ یرجع الامر الیہ چہ حال ہو سلفہ یا تہ بدء
 غیبت ہویت است کہ از ادراک دشعور و غفرت محتجب و مخفی است کہ لا
 یری اللہ الا اللہ لا یعرف اللہ الا اللہ و شیخ جمالی فرماتے ہیں کہ خال نقطہ
 روح انسانی است و عین لقضاء در زمرہ الحقائق خال ہے جس کی دہشت
 است صلی اللہ علیہ وسلم ۛ

مذکورہ بالا مصطفیٰ میں فقیر اور خال کی تعریف گوئیں حسین بی بی میں پیش کیا ہے اور اوہان
 کے اقوال سے دلائل پیش کر کے عبارت کو زیادہ وسیع اور باریک بنایا ہے جس سے بے حدنی منیری کا
 عریضہ تمند بنام غائب دہوی پیش کرتا ہوں۔

عریضہ تلمذ بنام غالب دہلوی

تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حَامِدًا وَمُصَلِّيًا

ایں دیدہ کہ کحل اشمسے میخواید غالب زدہ تو مددے میخواید
عنوان قبائلی نصیب صوفی از مہر سلیمان سندے میخواید

بمضور بار یافتگان آسمان جاہ جناب مستطاب معالی القاب قبلہ و کعبہ سرتاج سخنوران نامی استاد
اوست و ان فن خوش کلامی سایہ آفرینندہ عالم معانی آفتاب جہان تاب سخنرانی بدر اوج کماں یگانہ بے
مثال بالاتر از انجمن گویند و افزوں تر از ہرچہ دانند مدد اللہ تلال جلالہ و کمالہ و افاض عینا شراف
نوالہ و افضالہ سر تسلیم بر آستانہ ارادت نہادہ و عتبہ عقیدت از دور بلب ادب یوسیدہ و نعمت توفیق
سعادت سجدہ شکر بجا آورده عرضہ میدہد کہ این سفلہ بے بضاعت گم کردہ کارواں ننگ خاندان سہ
بدنام کنندہ نکوتائے چند نااہلے از دودمان مخدوم جہاں حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری فردوسی
است قدس اللہ سرہ العزیز کہ مرقد طیبہ حضرت ایشاں حضرت بہار و مکتوبات و ملفوظات و رسائل
و دیگر تصانیف شریف شاں آفتاب نصف النہار و این طائفہ حضرات صوفیہ را رضوان اللہ علیہم
بے بحث موزونی و ناموزونی شعر گوئی شعابہ بودہ آمدہ تا ایندم تلمذ ہر یگان از آبار و اجداد خود کہ بزور بخت
سعید شاں سایہ فلک بودند شدہ لیکن این محروم از زیارت جملہ بزرگان بے بہرہ ماندہ بزیارت تصانیف
بزرگان ہوس خام در این شیوہ بخت و سطرے چند بطور ہزریان تو قست ہر چند ناموزونی و بے ربطی ننگ
ناقصاں نیست سزد کہ نظر بدین دقائق برگمارند فاما اصرار و استبداد اجباب براں شد کہ بر آستانہ رسم و تلمذ
درایم و من دریں حیص و بیص کہ این ہزریان پیش کہ برم و سمیع غراہی کدام تلمذ من و تلمذ ہر چند عندا خواہم

و جیلہ برداشتہ نگراشتند ناچار و مجبورم ساختند و رچہ ابجد خوانان این فن برائے صلاح میں کلام خبیث و
 ایس تحریر بے ربط من فردوسی و خاقانی باشند مگر چون فیض باطن دریں خاندان زہماں بقعہ متبرکہ دہلی اُمتی
 از حضرت خواجہ خواجگان عرش آستان حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسی قدس اللہ سرہ بمنذول شدہ
 نحو استم کہ بحکم آنکہ درے گیر و محکم گیر بآستانہ دیگر جہد سایم ہر چہ از فیض ظاہر و باطن بمن رسد زہماں جوار
 و دیار باشد نام نامی کہ از مہر فلک بالاتر مشہور غرب و شرق است بار بار در عقیدت منزل برہیں مصہ می شد
 کہ بزمہ غلامان گرامی در آجوازش دادم کہ خود ما باین نامی بشاگردی ہمچو جنابے نامزد محض بے ادبی و
 ناحق پسندی است اگر نظر آنکہ اگر خاک باوج گراید کہ خود را بفلک رساند ز رفعت فکب بیچ نقصان نہ پذیرد
 و خود بنا اہلیت ہم صحبت فکب نادم و خوار در حقیض افتد اگر این دماغ باطل بندم رہبرے باید و معرفت تیر
 گفت طفلی خام عقلی تست ع شوق در ہر دل کہ باشد رہبرے در کار نیست۔ بکامل رسی خضرے نباید بادیہ تمنا
 از پائے شوق طے توں کرد و معبود است کہ کلام را بر ناقصاں و تو نگراں را بر فقیرں بطفہ عام باشد چنانکہ
 آفتاب را براہ بوجہ نقصانے دے بضاعتی و لطفے تمام و نظر نامہ باشد بے تکلف خود را بآستانہ فیض کاشانہ
 نواب فلک جناب مستغنی عن الامام والمناقب یعنی حضرت غائب متع اللہ بركات الف سد برسوں و
 بخیالیں و آن بدر آبرخیز و کار خود کن ناچار برقع بیغیرتی بر خود انداختہ سطرے چند بذریعہ عنفداشت نظر
 غلامان پیش می کند نظر فرمودہ آید زیادہ حدادب و التسلیم۔

حاصل کلام صوفی کا مقام

صوفیات رملی ادبی خدمت اور علمی کارنامے بہت محدود ہیں۔ ان سب کا اگر جائزہ لیا جائے تو زیادہ تر موقوفات کا ذخیرہ ہے۔ موقوفات تاوی حثیت رکھتے ہیں اس لئے کہ ان کے جامع خود صاحب موقوفہ نہیں بلکہ ان کے توسیع ہو سکتے ہیں مزید بریں موقوفات میں زیادہ تر کشف و کرامات کے تذکرے بڑی فراخ دلی سے شایع ہوتے ہیں جس کی وجہ سے ہمیت نہیں ہوتی۔ یہ صوبہ صوبہ ہمارے صوفیائے کرام بلکہ بیرون ممالک کے صوفیائے عظام کے موقوفات تھے۔ سب سے پہلے میرا رنگ بونے ہیں۔ حضرت صوفی منیریؒ باوجود ایک صوفی خاندان سے منسوب ہونے کے اپنی رشتہ میں دیگر صوفیائے کرام سے مختلف نظر آتے ہیں۔ وہ بیک وقت شاعر بھی تھے۔ تذکرہ نگار بھی اور مخصوص طرز کے افسانہ نگار بھی۔ چونکہ ان کی شاعری میرا موضوع سخن نہیں اس پر بہت سے لوگوں نے دو تحقیق دی ہے۔ کہ یہ بلا خوف و تردد کہا جاسکتا ہے کہ غالب جیسے نکتہ شناس کا ان کو نہ صرف فخر حاصل تھا بلکہ ان کے کما حقہ داد سخن بھی حاصل ہے۔ شاعری میں صوفی ہر صنف نظم پر کامل قدرت رکھتے تھے۔ و جنسیت شاعر ہمارے برگزیدہ شعرا کی صف اول میں ممتاز جگہ رکھتے تھے۔

صوفی منیریؒ اپنی نثری تصانیف کے باعث بھی اردو نثر نگار کی حیثیت سے ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔ نیز وہ اردو نثر میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ صوفیانہ مسائل کو جس جامعیت اور خوش گفتاری کے ساتھ صوفی منیریؒ نے پیش کیا وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ تذکرہ نگاری اور داستان طرزی میں بھی صوفی نے اپنی ایک خاص روش نکال ہے۔ ان کی تصنیف رحمت روح، وسیلہ شرف و ذبیحہ دولت، خط راست، عودہ ونگا، ورفہی میں قمخانہ وغیرہ جو ان کے طرز بیان اور جدت اسلوب کی شاہد ہیں۔ ایمانیت اور عزیت کا جو طریقہ ان کے مابین کے مصنفین مند ملاؤ جہی، سرور اور جعفر علی خاں شیون وغیرہم میں پایا جاتا ہے اس سے علیحدہ اور صوفی نے اپنے دلائل نہ زبان سے، نہ مخصوص طرز انشا میں جدت سے کام لیا ہے۔ زبان و بیان کے ان نکتے وہ دیگر مصنفین ہند سے کسی طرح پیچھے نہیں ہیں اور صوبہ ہمارے مصنفین کی صف میں گویا وہ امام نظر آتے ہیں۔

سلسلہ چشت اہل بہشت

سید المرسلین شیخ المذنبین خاتم النبیین محمد مصطفیٰ ﷺ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سیدنا امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ

فرزند علی صوفی منیری

ولایت علی اسلامی (مرشد طریقت)

اولاد علی منیری (پیر طریقت)

(خالقہ اسلام پورہ)

(خالقہ منیر شریف)

ہدایت علی بلخی

اعظم علی بکین منیری

کمال الدین بلخی

عاسل بلخی

عبد الطیف بلخی

ولی بلخی

منظفر بلخی

دیوان شاہ حبیب اللہ قادری

سید عبد الباقی

عبد اللہ صوفی

محمد عباس

حاجی حمید

عمود عباس

شیخ معین اسلام

حسام الدین مانچوری

لطف علی منیری

دھومن منیری

بصیلہ منیری

بنیاد منیری

مسکی منیری

ہدایت اللہ منیری

مبارک مصطفیٰ منیری

محمد علی منیری

محمد امجد منیری

محمد امجد شاہ دولت منیری

حافظ بکین جلال ناگی ساری

سید ارشد الدین

سید رابع حامد

حسام الدین مانچوری

نور قطب عالم پنڈرہ

علا الرحمن پنڈرہ

خواجہ حسن بھری

خواجہ عبد الواحد بن زید

خواجہ نقیص بنیاس

خواجہ ابراہیم ادھم بلخی

خواجہ خدیجہ مرعشی

خواجہ ہیرہ بھری

مشتاد دینوری

ابو اسحق شامی

ناصر الدین بودکھ جستی

خواجہ یوسف جستی

خواجہ مودود جستی

حاجی شریف زندی

خواجہ عثمان باردی

خواجہ معین الدین جستی بخاری

قطب الدین بکین ناگی

فرید الدین علی شکر

نظام الدین اولیا

اختر سراج

سلسله سهروردیه

شاه فرزند علی سونی میری
 بسند سابق محمد شاه دولت میری
 حافظ مخن بن جلال ناظمی سارنی
 حسین بن قاسم
 راجو قتل
 کسیر بن جلال بخاری
 جلال بخاری
 شاه مسعود
 رکن الدین
 شاه حامد
 جلال الحسن
 رکن الدین بوانج
 صدر الدین عارف
 بهار الدین زکریا متانی
 شیخ الشیوخ شهاب الدین سهروردی
 صفیر الدین ابوالنجیب سهروردی
 خواجه ابوحفص
 محمد عمسویه
 احمد اسود دینوری
 ممشاد دینوری
 ابوالقاسم جمید بغدادی
 (بسند آخره)

سلسله قادریه

شاه فرزند علی سونی میری
 بسند سابق محمد شاه دولت میری
 حافظ مخن بن جلال ناظمی سارنی
 عبد الرحمن بن قاضی شطاری
 قاضی علا شطاری
 عبد الوهاب بن عبد الرحمن
 عبد الرؤف بن علی
 ابوسعید محمود الحسینی
 عبد الغفار قادری
 ابوجمال محمد حسنی قادری
 ابوصفی جعفری الحسینی
 ابو محمد ابراهیم حسنی
 ابوبکر عبد الله الحسینی
 عبد الزاق بن محی الدین عبد القادر
 خوشد پاک سیدنا محی الدین عبد القادر جیلانی
 ابوسعید مبارک محزومی
 خواجه ابوالحسن قریشی بنکاری
 ابوالفرج یوسف طرلوکی
 ابوالفضل عبد الوالد عینی
 عبد العزیز میسنی
 خواجه رحیم الدین عیانی
 خواجه ابوبکر شیبلی
 ابوالقاسم جمید بغدادی
 (بسند آخره)

سلسله نقشبندیه

شاه فرزند علی سونی میری
 بسند سابق حضرت مبارک مصطفی میری
 نعمت الله قادری فیروز پوری
 برهان الدین سلطان عثمانی
 نور الدین احمد
 علامه شریعت برجانی
 خواجه علاء الدین عثمانی
 خواجه بهاء الدین نقشبندی
 امیر کمال
 بابا محمد سماسی
 عزیزان رامینسی
 محمود ابوالخیر قفغونی
 محمد عارف ریگری
 عبدالحق عجمدانی
 ابویوسف همدانی
 ابوعلی فارمدی
 ابوالقاسم گرگانی
 خواجه ابوالحسن خرقانی
 خواجه یارید بسطامی
 امام جعفر صادق
 قاسم بن عبد الرحمن بن ابوبکر
 سلمان فارسی
 حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رحم

کتابیات

الف

مخطوطات

- ۱) اجازت نامہ حضرت نجیب الدین فردوسی مخطوطہ سنہ ۸۵۰ ہجری
- ۲) ضیاء راہی از مولانا عبدالحق محدث دہلوی مخطوطہ سنہ ۱۲۰۰ ہجری
- ۳) خب را لا صفا از عبد الصمد بن فضل مخطوطہ سنہ ۸۵۰ ہجری
- ۴) مسودہ تصراحی حضرت صوفی میری - صلاح حضرت غائب دہلوی مخطوطہ سنہ ۱۲۸۲ ہجری
- ۵) اف پادشاہ زمانہ تاریخ افغانی، از شیخ محمد پیر مخطوطہ سنہ ۱۲۵۰ ہجری
- ۶) اوراد سلوک از مصطفیٰ جہان میری - مخطوطہ سنہ ۱۲۵۰ ہجری
- ۷) پند نامہ شاہ لطف علی کرمی میری - مخطوطہ سنہ ۱۳۱۲ ہجری
- ۸) تاریخ فن بزرگ از شاہ اکرم الدین محمد عرفان اسلام پوری
- ۹) تذکرہ صوفیہ از برکت علی جون پوری
- ۱۰) تفسیر زاہدی از احمد بن الحسن بن احمد سیونی مخطوطہ سنہ ۱۱۲۵ ہجری
- ۱۱) جواہر خمسہ از محمد غوث گوالیاری - مخطوطہ سنہ ۱۲۵۶ ہجری
- ۱۲) حجت العارفین از ابوالحیات ہشتی ابوالاعلیٰ - مخطوطہ سنہ ۱۲۶۳ ہجری
- ۱۳) حضرات خمس از حضرت حسین نوشہ توحید بخانی - مخطوطہ سنہ ۱۲۹۶ ہجری
- ۱۴) حقیقت لکھی کہانی بھی از بدرالدین محمد عظیم آبادی
- ۱۵) خط راست از حضرت صوفی میری - مخطوطہ سنہ ۱۳۰۹ ہجری
- ۱۶) خلاصۃ التواریخ از مہاراجہ کلیان سنگھ
- کتب خانہ صوفی میری شیر شریف ضلع پٹنہ
- کتب خانہ مشرقیہ حد بخش حد بخش پٹنہ
- الف
- ملوکہ اکثر محمد طیب ابدالی
- ک بی حیوال - سیرۃ انسٹوٹ پٹنہ
- کتب خانہ صوفی میری شیر شریف - ضلع پٹنہ
- ایضاً
- ملوکہ شاہ رشید الدین محمد قصبہ سد پور ضلع پٹنہ
- کتب خانہ مشرقیہ حد بخش حد بخش خان - پٹنہ
- ایضاً
- ایشیا ٹیک سوسائٹی - کلکتہ
- کتب خانہ بلخیہ - فتوح - پٹنہ
- ایضاً
- ملوکہ بدر عظیم آبادی - صدر گلی - پٹنہ
- کتب خانہ صوفی میری شیر شریف ضلع پٹنہ
- کتب خانہ مشرقیہ حد بخش حد بخش خان - پٹنہ

(۱۷) خلافت نامہ از حضرت نعمت اللہ قادریؒ مخطوط ۱۲۳۵ھ

(۱۸) دیوان احمدی از حضرت محمد احمد چرم پوشؒ

(۱۹) دیوان مصطفیٰ جید سوم مخطوط ۱۲۲۵ھ

(۲۰) راحت روح از حضرت صوفی میریؒ مخطوط ۱۲۰۶ھ

(۲۱) رسالہ بہرام بہاریؒ از حضرت بہرام بہاریؒ

(۲۲) رسالہ ذکر از حضرت محمد بدرالدین بدر عالم زاہدیؒ

(۲۳) رفیق العارفین مقصد عاشقین مخطوط حضرت حسام الدینؒ پکوریؒ

مخطوط ۱۲۱۳ھ

(۲۴) سفینۃ الاولیاء از شاہزادہ دہ راتکویہ مخطوط ۱۱۱۵ھ

(۲۵) سدس رشیدیہ مخطوط ۱۲۴۰ھ

(۲۶) سند حدیث و خلافت نامہ حضرت حسین نوشہ توحید علیؒ

مخطوط ۱۱۹۹ھ

(۲۷) سیرت فیروز شاہی مخطوط ۱۲۰۲ھ

(۲۸) شرح عقاید نسفی از حضرت مولانا مظفر علیؒ

(۲۹) صبح صادق از محمد صادق اصفہانی مخطوط ۱۲۳۵ھ

(۳۰) عروۃ الوثقی از حضرت صوفی میریؒ مخطوط ۱۳۱۸ھ

(۳۱) فوائد رکنیہ مخطوط حضرت رکن الدینؒ جند ہوی

(۳۲) کاشف الاسرار از حضرت حسن دایم جشن علیؒ مخطوط ۱۱۹۹ھ

(۳۳) کتاب الانساب مرتبہ حضرت شاہ عبدالقادر ابدالیؒ اسلامپوری

(۳۴) کرسی نامہ قدیم از حضرت شاہ لطف علی میریؒ

(۳۵) کلمات المعادین از محمد صادق ہمدانی مخطوط ۱۲۸۵ھ

(۳۶) کلیات صوفی میریؒ از حضرت صوفی میریؒ مخطوط ۱۳۰۶ھ

(۳۷) کلیات عطاء بہاریؒ از شاہ عطاء کریم عطاء بہاریؒ

(۳۸) گلزار بہار از حضرت محمد غوثی شطاریؒ

کتب خانہ صوفی میریؒ میر شریفؒ پٹنہ

ایضاً

ایضاً

مولوید شاہ محمد طیب ابدالی قصبہ اسلامپور ضلع پٹنہ

کتب خانہ بلخیہ فتوحہ ضلع پٹنہ

کتب خانہ صوفی میریؒ میر شریفؒ پٹنہ

کتب خانہ خانقاہ مجیبہ پھلوا ری شریف ضلع پٹنہ

کتب خانہ مشرقیہ خدا بخش خان پٹنہ

کتب خانہ زاہد سجاد محلہ محلہ بہار شریف پٹنہ

کتب خانہ بلخیہ فتوحہ ضلع پٹنہ

کتب خانہ مشرقیہ خدا بخش پٹنہ

کتب خانہ بلخیہ فتوحہ ضلع پٹنہ

کتب خانہ مشرقیہ خدا بخش خان پٹنہ

کتب خانہ صوفی میریؒ میر شریف پٹنہ

کتب خانہ زاہد سجاد محلہ محلہ بہار شریف پٹنہ

کتب خانہ بلخیہ فتوحہ ضلع پٹنہ

کتب خانہ قادریہ اسلام پور ضلع پٹنہ

کتب خانہ صوفی میریؒ میر شریف ضلع پٹنہ

کتب خانہ مشرقیہ خدا بخش خان پٹنہ

مولوید شاہ محمد طیب ابدالی اسلامپوری ضلع پٹنہ

کتب خانہ قادریہ اسلام پور ضلع پٹنہ

اشیاء ملک سوانی کلکتہ

(۲۹) گنج ارشدی ملفوظ غلام رشید رشید جو پوری مخطوطہ ۱۱۶۲ھ

(۳۰) گنج لایحقی ملفوظ حضرت حسین نوشہ توحید مخطوطہ ۱۱۸۲ھ

(۳۱) گوہرستان از عزیز الشہ بناری

(۳۲) لطائف المعانی از حضرت حسن دایم بخش مخطوطہ ۱۱۹۹ھ

(۳۳) مجموعہ سلاسل از حضرت شاہ اعظم علی عرف مکن میری

(۳۴) مجموعہ مکاتیب مولانا مظفر بخش مخطوطہ ۱۱۵۰ھ

(۳۵) مراتب الاحوال جہاں نامہ سفرنامہ از محمد بن محمد بالمر

مخطوطہ ۱۲۲۵ھ

(۳۶) مراتب الاسرار از عبدالرحمن چشتی مخطوطہ ۱۲۲۵ھ

(۳۷) مراتب مداری از عبدالرحمن چشتی مخطوطہ ۱۲۸۰ھ

(۳۸) مصطلحات المتصوفین از حضرت صوفی میری مخطوطہ ۱۲۳۰ھ

(۳۹) معدن الاسرار ملفوظ حضرت قاضی علا شطاری

(۵۰) مقالہ علمیہ تحقیقی ڈاکٹر کلیم احمد عاجز

(۵۱) مقالہ علمیہ تحقیقی ڈاکٹر خالد رشید صبا

(۵۲) ملفوظ المبارک ملفوظ حضرت آمون مخطوطہ ۱۱۵۰ھ

(۵۳) مناقب الاصفیاء از حضرت مخدوم شاہ شعیب مخطوطہ ۱۲۳۳ھ

(۵۴) منبع الانساب از حضرت سید معین الحق بھونسوی

(۵۵) مونس القلوب ملفوظ حضرت احمد لنگہ دریا بلخی مخطوطہ ۱۲۳۱ھ فصلی

(۵۶) نام حق از حضرت شرف الدین ابوقوامہ مخطوطہ ۱۱۵۶ھ

(۵۷) نسب نامہ خاندان ابدالی و زاہدی از حضرت سید غلام مرتضیٰ

ابدالی مخطوطہ ۱۲۳۳ھ

(۵۸) نسب نامہ خاندان میر محمد جہاں از شاہ ابن علی شطاری

مخطوطہ ۱۲۳۵ھ فصلی

(۵۹) نفحات الانس از عبدالرحمن جامی مخطوطہ ۹۶۸ھ

کتب خانہ رشیدیہ جون پور

کتب خانہ بلخیہ - فتوح ضلع پٹنہ

کتب خانہ مشرقیہ خدا بخش پٹنہ

کتب خانہ بلخیہ فتوح ضلع پٹنہ

ملوکہ سید شاہ محمد طیب ابدالی اسلام پور ضلع پٹنہ

کتب خانہ بلخیہ فتوح ضلع پٹنہ

کتب خانہ مشرقیہ خدا بخش خان پٹنہ

ایضاً

ایضاً

کتب خانہ صوفی میری میر شریف پٹنہ

ملوکہ شاہ یوسف شطاری میر شریف پٹنہ

پٹنہ یونیورسٹی لائبریری - پٹنہ

ایضاً

کتب خانہ بلخیہ فتوح ضلع پٹنہ

ایضاً

کتب خانہ مشرقیہ خدا بخش پٹنہ

کتب خانہ بلخیہ فتوح ضلع پٹنہ

ایشیا بنگلہ سوسائٹی - کلکتہ

کتب خانہ صوفی میری میر شریف پٹنہ

کتب خانہ خانقاہ میر شریف پٹنہ

کتب خانہ قادریہ اسلام پور پٹنہ

- (۶۰) ہدایت القواعد و خدم شاہ ہدایت اللہ میری مخطوطہ ششم کتب خانہ خاندانہ منیر شریف پٹنہ
- (۶۱) ہفت گلشن الہی مصنفہ کا مورخان ایضاً

ب

مطبوعات

- | | |
|--|---|
| (۱) آب حیات از محمد حسین آزاد | (۱۹) تاریخ اسلام جلد دوم از معین الدین ندوی |
| (۲) آثار شرف از قاضی سید محمد ذرا محسنین | (۲۰) تاریخ اجنبیہ جلد دوم از منشی و نایک پرشاد |
| (۳) آئین اکبری از علامہ ابوالفضل علامی | (۲۱) تاریخ بغداد از ابو بکر احمد بن علی الخطیب البغدادی |
| (۴) اجوبہ کا کوئی از محمد جمہان شرف الدین احمد کجی میری | (۲۲) تاریخ فرشتہ دگر از ابراہیم از ملا محمد قاسم ہندو شاہ |
| (۵) ادبی اور قومی تذکرے از کشن پرشاد کول | (۲۳) تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عقیقت |
| (۶) اذکار الابرار از شاہ تقی حیدر کا کوری | (۲۴) تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی |
| (۷) اردو شہ پارے از ڈاکٹر محمد الدین زور | (۲۵) تاریخ مشائخ چشت از غلیق نظامی |
| (۸) اردو کے قدیم از حکیم شمس اللہ قادری | (۲۶) تاریخ مفصل ادبیات ایران از رضا زادہ شفق |
| (۹) اردو نثر کا آغاز و ارتقا از ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ | (۲۷) تاریخ نگار از فصیح الدین بلخی |
| (۱۰) اسد اللہ الغامیہ فی احوال الصحابہ از ابن اثیر جوہری | (۲۸) تحفہ اشعار شریہ از شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی |
| (۱۱) اشعۃ اللمعات ابن عبدالحق محدث دہلوی | (۲۹) تذکرہ ابو نجیب از شاہ حسن میاں پھلواروی |
| (۱۲) احصایہ فی تمییز الصحابہ ابن ابن حجر عسقلانی | (۳۰) تذکرۃ الاولیاء از فرید الدین عطار |
| (۱۳) الدر المنثور از عبد الرحیم صادق پوری | (۳۱) تذکرۃ الکرام از نعمت اللہ قادری پھلواروی |
| (۱۴) انوار ولایت از شاہ عبدالقادر اسلام پوری | (۳۲) تذکرہ بابر از حبیب الرحمن شیرانی |
| (۱۵) بزم صوفیہ از صباح الدین عبدالرحمن | (۳۳) ترجمان القرآن از ابوالکلام احمد آزاد |
| (۱۶) بہار میں اردو ادب و زبان کا ارتقا از ڈاکٹر اختر احمد نووی | (۳۴) تفسیر حقانی جلد ششم از عبدالحق |
| (۱۷) پنجاب میں اردو از حافظ محمد دھان شیرانی | (۳۵) تنقیدیں از نور شید الاسلام |
| (۱۸) تاریخ ادب ہندی از ڈاکٹر محمد حسن | (۳۶) جامع اللغات از خواجہ عبدالحمید |

(۳۷) طبع از ابی نعیم

(۳۸) خزینۃ الاصفیاء از غلام سرور

(۳۹) تخیل و جاوید جلد دوم از لاله سری رام

(۴۰) خوان پر نعمت ملفوظ حضرت مخدوم جہاں

(۴۱) داستان تاریخ اردو از حامد حسن قادری

(۴۲) داستان سے افسانے تک از وقار عظیم

(۴۳) دعوت و عزیمت حصہ سوم از ابو الحسن علی ندوی

(۴۴) دلی کا دبستان شاعری از ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی

(۴۵) دیوان حافظ از حافظ شیرازی

(۴۶) رسالہ قشیریہ از ابو القاسم عبدالکریم قشیری

(۴۷) سب رس از ملا دہلوی دکنی معہ مقدمہ عبدالحی

(۴۸) سنن ابی ماجہ از ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن ماجہ القزوینی

(۴۹) سنن ابی داؤد از حافظ ابو داؤد سجستانی

(۵۰) سنن الترمذی از ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن الترمذی

(۵۱) سیر الاولیاء ملفوظ حضرت نظام الدین اولیا

(۵۲) سیر المتاخرین از غلام حسین طباطبائی

(۵۳) سیرت الشرف از ضمیر الدین

(۵۴) شعر العجم جلد دوم از شبلی نعمانی

(۵۵) شعر الہند حصہ اول از عبد السلام ندوی

(۵۶) شمالی ہندی اردو و شری داستانیں از ڈاکٹر گیان چند

(۵۷) طبقات الصوفیہ از عبد الرحمن سلمی

(۵۸) طبقات اکبری از نظام الدین احمد بن محمد

(۵۹) طبقات ناصری از ابو عمر مہناج الدین

(۶۰) علی گڑھ تاریخ ادب اردو

(۶۱) غزۃ الکمال از امیر خسرو دہلوی

(۶۲) فن داستان گوئی از کلیم الدین احمد

(۶۳) فوائد رکنی ملفوظ حضرت مخدوم جہاں

(۶۴) قاموس المشاہیر از نظامی بدایونی

(۶۵) قدیم اردو از مولانا عبدالحی

(۶۶) قوی تہذیب کا مسئلہ از ڈاکٹر عابد حسین

(۶۷) کتاب المثل والنحل الشہرستانی

(۶۸) کمپنی کی حکومت از ہادی علیگ

(۶۹) کنز الانساب از کبیر الدین

(۷۰) نگار سرور از رجب علی بیگ سرور

(۷۱) لطائف اشرفی ملفوظ مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی

(۷۲) لکھنؤ کا دبستان شاعری از ڈاکٹر ابوالیث صدیقی

(۷۳) مآثر الامراء از شاہ نواز خان خوافی

(۷۴) مثنوی تغلق نامہ از امیر خسرو دہلوی

(۷۵) مثنوی منطق الطیر از فرید الدین عطار

(۷۶) مجمع البحرین از حافظ روضشن علی

(۷۷) مجموعہ اشعار مولانا منظور شمس علی مرتبہ پروفیسر حسن

(۷۸) مذہب و شاعری از ڈاکٹر اعجاز حسین

(۷۹) مرقعات ابن ملاح علی قادری

(۸۰) معدن المعانی ملفوظ حضرت مخدوم جہاں

(۸۱) معراج اللعاشقین از بندہ نواز گیسو دراز

(۸۲) مکتوبات صدی از مخدوم جہاں

(۸۳) مکتوبات مجدد الف ثانی جلد سوم حصہ ہشتم

(۸۴) منتخب التواریخ از عبد القادر بدایونی

- (۸۵) موضوعات کبیر از ملا علی قاری (۹۳) نقش پانڈرا از علی محمد شاہ عظیم آبادی
- (۸۶) مومن اور مظلوم مومن از ڈاکٹر عبادت بریلوی (۹۳) نیرنگ خیال از محمد حسین آزاد
- (۸۷) نزہۃ الخواطر جزء ثالث از مولانا عبدالحی (۹۴) وفات نامہ مخدوم جہاں از زین بدر عربی
- (۸۸) نجوم القرآن از خلیو گل (۹۵) ہندی ادب کی تاریخ از ڈاکٹر محمد حسن
- (۸۹) ناول کیاسہ از ڈاکٹر احسن فاروقی و نور الحسن ہاشمی (۹۶)
- (۹۰) نزہۃ المجالس از عبد الرحمن صیفوری
- (۹۱) نقد غالب مرتبہ ڈاکٹر مختار الدین آرزو (۹۷)

ج رسائل

- (۱) آج کل ماہنامہ دہلی موسیقی نمبر اگست ۱۹۵۶ء، جون ۱۹۴۵ء عیسوی
- (۲) اشارہ ماہنامہ پٹنہ مئی ۱۹۴۲ء عیسوی
- (۳) المجیب ماہ نامہ پھلواری شریف پٹنہ شعبان ۱۳۸۳ء ہجری
- (۴) رسالہ ہندوستانی جلد پنجم از آباد ستمبر ۱۹۴۳ء عیسوی
- (۵) تاج ماہ نامہ کراچی ستمبر ۱۹۴۳ء عیسوی
- (۶) سیارہ ماہ نامہ لاہور ستمبر ۱۹۴۳ء عیسوی
- (۷) روشنی ہفتہ وار پٹنہ ۸ ستمبر ۱۹۴۲ء عیسوی
- (۸) مجلہ سیفیہ سیفیہ گری کالج بھوپال ستمبر ۱۹۴۳ء عیسوی
- (۹) معارف ماہ نامہ اعظم گڑھ جنوری ۱۹۵۹ء عیسوی، جولائی ۱۹۴۲ء
- (۱۰) ندیم ماہ نامہ گیا بہار نمبر فروری تا مئی ۱۹۳۹ء عیسوی

(۱۱)

(۱۲)